ایک رات کی ملکہ
محی الدین نواب

ایک رات کی ملکہ

وہ تیسرا دن تھا۔ موسلا دھار بارش نہ ختم ہو رہی تھی' نہ کم ہو رہی تھی اور نہ ہی ذرا دم لے رہی تھی۔ سیاہ بادل جیسے صف باندھے ہوئے تھے۔ اوپر تلے چلے آ رہے تھے۔ دریائے جمنا پہلے دن سیراب ہوا۔ دوسرے دن لبالب ہوا پھر تیسرے دن تو چھلکنے ہی لگا تھا۔

بارش یوں منہ زور نہ ہوتی تو باغ گل افشاں کے گھنے درختوں میں جھولے پڑے ہوتے۔ بیگمات اپنی سہیلیوں کے سنگ رنگ برنگے ملبوسات میں جھولتی ہوئی۔ آنچل اڑاتی ہوئی قہقہے لگاتی رہتیں۔ ایسے وقت خوبصورت کنیزیں ساون کے گیت گاتی تھیں اور رقص کرتی ہوئی اپنے اپنے لہنگوں کے دائرے بناتی چلی جاتی تھیں۔

فی الوقت یہ سلسلہ نہیں رہا تھا۔ باغ گل افشاں کی ہریالی اُداس تھی۔ گھنے درختوں کی ڈالی ڈالی اور پتے پتے سے دھاروں آنسو بہہ رہے تھے۔ ولی عہد شہزادہ ہمایوں اپنی وسیع و عریض خواب گاہ میں بستر علالت پر پڑا ہوا تھا۔ ایک اسی سالہ تجربہ کار پیر طبیب کی انگلیاں بیمار کی نبض پر تھیں اور نبض تھی کہ لمحہ بہ لمحہ الوداع کہنے کی دھمکیاں دے رہی تھی۔

شہزادے کی والدہ ماہم بیگم کبھی بیٹے کے سرہانے آ کر دعائیں مانگ رہی تھی' کبھی پائنتی پہنچ کر رونے لگتی تھی۔ وہ ماں پیدائش کے پہلے لمحے سے بیٹے پر جان دیتی آئی تھی' مگر اب ایسا وقت آ پڑا تھا کہ جان دے کر بھی اس کی جان نہیں بچا سکتی تھی۔ آثار بتا رہے تھے کہ اس کے ساتھ زیادہ دور تک نہیں جا سکے گی۔ صرف دوا سے لے کر دعا تک کا سفر رہ گیا تھا۔

باغ گل افشاں کی عمارت کے ایک کمرے میں انتہائی تجربہ کار اطباء کا اجلاس جاری تھا۔ وہ آپس میں بحث کر رہے تھے۔ کبھی کسی کے مشورے کو مان رہے تھے' کبھی کسی کے مشورے کو رَد کر رہے تھے۔ شہزادے کے لئے ایک حتمی مؤثر دوا تجویز کر رہے تھے پھر اتفاق رائے سے جو مجوزہ دوا ہوتی تھی اسے شہزادے پر آزمایا جاتا تھا۔ پچھلے دو دنوں سے یہی سلسلہ جاری تھا۔ لیکن مرض میں افاقہ نہیں ہو رہا تھا۔ مریض نے صبح سے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ اس قدر نقاہت تھی کہ پلکیں نہیں اٹھا رہا تھا۔

یہ عجیب دنیا ہے۔ جہاں ماتم ہوتا ہے' وہاں خوشیاں بھی ہوتی ہیں۔ اسی عمارت کی چھت کے نیچے حرم کی چار دیواری میں خوشیوں کا میلہ لگا ہوا تھا۔ وہاں حضرت بادشاہ بابر کی دوسری بیویاں یعنی شہزادہ ہمایوں کی سوتیلی مائیں بھی تھیں۔ ان کے دل سے دعائیں نکل رہی تھیں کہ ہمایوں اللہ کو پیارا ہو جائے۔ اس کے بعد حضرت بادشاہ بابر کا جانشین ان میں سے کسی کا بیٹا ہو سکتا تھا۔ وہاں ہر ماں کی یہی دلی آرزو تھی۔ وہ سب اپنے اپنے بیٹے کے سر پر بادشاہت کا تاج دیکھنا چاہتی تھیں۔

تخت اگرچہ سونے چاندی کا ہوتا ہے' ہیرے جوہرات سے مرصع ہوتا ہے۔ لیکن اس پر قبضہ جمائے رکھنے کے لئے ساری زندگی مخالفین سے جنگ لڑنی پڑتی ہے۔ باہر ہر سمت سے دشمنوں کی یلغار ہوتی رہتی ہے اور اس سے زیادہ اندرون خانہ جنگ جاری رہتی ہے۔

وہ سونے چاندی کا تخت جو ہیرے جواہرات سے مرصع ہوتا ہے۔ اس میں اپنوں کے کانٹے چبھتے رہتے ہیں۔ کبھی سوکنیں ایک دوسرے کے خلاف سازشیں کرتی ہیں۔ کبھی سوتیلی مائیں ایک دوسرے کی اولاد کے لئے زہر اگلتی رہتی ہیں۔ کبھی بیٹا باپ کی

گردن اتار کر تخت پر بیٹھتا ہے۔ کبھی بھائی اپنے بھائی کے لہو میں نہا کر سُرخرو ہو جاتا ہے۔

باغ گل افشاں کا ماحول بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ وہاں کا منظر بھی بڑی ڈھکی چھپی اور نپی تلی خانہ جنگی پیش کر رہا تھا۔ حضرت بادشاہ بابر کا رعب اور دبدبہ اس قدر تھا کہ بیگمات کھل کر ایک دوسرے کی مخالفت نہیں کرتی تھیں۔ لیکن در پردہ مخالفانہ کارروائیاں کرنے سے باز نہیں آتی تھیں۔ دوسری بیگمات اپنی سوکن ماہم بیگم سے کھل کر یہ نہیں کہہ سکتی تھیں کہ تیرا ہمایوں کافی عرصے تک حضرت بادشاہ کا لاڈلہ رہ چکا ہے۔ اب اسے مر جانے دے اور اللہ کرے مر ہی جائے۔ اس کے بعد ہمارے بیٹے کو جانشینی ملے گی۔

وہ نہ تو گالیاں دے رہی تھیں۔ نہ کوس رہی تھیں۔ بظاہر اس کی صحت یابی کے لئے ہاتھ اٹھا رہی تھیں مگر دعاؤں کے بجائے بددعائیں دے رہی تھیں۔

ماہم بیگم نے صرف ایک بیٹا ہمایوں پیدا کیا تھا۔ بابر کی دوسری بیوی گل رُخ بیگم نے پانچ بیٹے پیدا کئے تھے۔ کامران مرزا' عسکری مرزا' شاہ رُخ' احمد اور گلزار۔ یہ آخری تین بیٹے بچپن ہی میں مر گئے تھے۔ کامران مرزا بڑا بیٹا تھا۔ یہ توقع تھی کہ ہمایوں نہ رہا تو گل رُخ بیگم کے بیٹے کامران مرزا کو تخت و تاج ملے گا۔

بابر کی ایک اور بیوی دلدار بیگم تھی۔ اس نے دو بیٹوں کو جنم دیا تھا۔ ان میں سے ایک مر گیا تھا۔ دوسرا ہندوستان میں پیدا ہوا تھا۔ اس لئے اسے ہندال کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ دلدار بیگم کی سوچ یہ تھی کہ پہلے ہمایوں لڑھک جائے اس کے بعد کامران مرزا تخت نشین ہوگا تو بعد میں اس سے نمٹ لیا جائے گا۔ کیونکہ دلدار بیگم اور گل رُخ بیگم کی منزل ایک تھی۔ مقصد ایک تھا۔ اس لئے وہ دونوں ایک ہو گئی تھیں۔ انہوں نے ایک بہت ہی پہنچے ہوئے عامل سے رجوع کیا تھا۔ اسے پچاس ہزار سکہ رائج الوقت دیا تھا۔ اس کے عوض عامل نے ایک تعویز لکھ کر دیتے ہوئے کہا۔ ”آپ کسی بھی طرح اس تعویز کو بیمار شہزادے کے تکیے کے نیچے رکھ دیں۔ یہ جلد ہی اپنا اثر دکھائے گا۔“

ایک بیگم نے کہا۔ ”یہ تو بلی کے گلے میں گھنٹی باندھنے والی بات ہوئی۔ ہمایوں کے کمرے میں کون جائے گا؟ کون اس کے تکیے کے نیچے اسے رکھے گا؟“

دوسری نے کہا۔ ”ماہم بیگم اپنے بیٹے کے پاس سانپ بن کر بیٹھی رہتی

ہیں۔ ہمایوں کے لئے کھانا تو دور کی بات ہے' دوا بھی آتی ہے تو پہلے خود چکھتی ہیں۔ اس کے بعد بیٹے کے منہ تک پہنچنے دیتی ہیں۔"

وہ دونوں تدبیریں سوچنے لگیں۔ عامل نے بڑے دعوے سے کہا تھا۔"تعویذ زود اثر ہے۔ اگر اسے تکیے کے نیچے نہ رکھا جا سکے تو اس کے پائنتی رکھ دیا جائے۔ بستر کے نیچے یا پلنگ کے نیچے کہیں چھپا دیا جائے۔ بس اتنا ہو کہ وہ تعویذ بیمار کے قریب رہے۔"

گل رخ بیگم اور دلدار بیگم نے سر جوڑ کر سوچا۔"حرم میں جو کنیزیں ہیں' وہ شہزادے کی منہ چڑھی ہیں۔ ہمارے کام نہیں آئیں گی۔ الٹا بھید کھول دیں گی۔"

وسیع و عریض عمارت کے فرش پر جھاڑو دینے اور وہاں کی صفائی رکھنے کے لئے کسی بھنگن کو آنے کی اجازت نہیں تھی۔ اس کام کے لئے شریف مگر غریب خاندان کی لڑکیوں کو رکھا جاتا تھا۔

گل رخ بیگم نے کہا۔"ان لڑکیوں کی لگی بندھی تنخواہ ہوتی ہے۔ بہت غریب اور ضرورتمند ہوتی ہیں۔ انہیں زیادہ رقم کا لالچ دیا جائے گا تو ان میں سے کوئی ہمارا کام کر گزرے گی۔"

دلدار بیگم نے کہا۔"جو بھی کرنا ہے' جلدی کریں۔ حضرت بادشاہ کو بیٹے کی علالت کی اطلاع بھیج دی گئی ہے۔ وہ اپنے اس صاحبزادے کو بہت عزیز رکھتے ہیں۔ یہ خبر سنتے ہی دوڑے چلے آئیں گے۔"

گل بیگم نے کہا۔"فکر نہ کریں۔ دریا چڑھا ہوا ہے۔ لہریں منہ زور ہیں۔ ایسی صورت میں کشتیاں نہیں ڈالی جائیں گی۔ حضرت بادشاہ اتنی جلدی یہاں تک پہنچ نہیں پائیں گے۔ ہماری نظروں میں ایک ملازمہ ہے....."

دلدار بیگم نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا پھر پوچھا۔"کیا تمہیں گل افشاں [illegible] شبہ ہے؟"

اس نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔"ہاں۔ اس کا نام اختری ہے۔ اس نے کل ہی ہماری ہمدردی پا کر اپنا دکھڑا سنایا تھا۔ اس کا باپ دائمی مریض ہے۔ بھائی نشہ کرتا ہے۔ کمانے والا کوئی نہیں ہے اور کسی کو اس کی شادی کی فکر نہیں ہے۔"

پھر گل رخ نے ہنستے ہوئے کہا۔"کم بخت چودہ برس کی ہے اور ابھی سے شادی کی فکر ہو گئی ہے۔ اگر ہم اسے زیادہ سے زیادہ رقم دیں گے تو وہ ایک دولہا خریدنے کے لالچ میں ہمارا کام ضرور کرے گی۔"

دلدار بیگم نے چونک کر کہا۔"ہاں۔ یاد آیا۔ اس کا نام اختری ہے۔ ماہم بیگم اسے بیٹے کے کمرے میں صفائی کے لئے بلاتی ہیں۔ ہم نے دیکھا ہے۔ جب تک اسے اندر نہیں بلایا جاتا' وہ دروازے سے لگی بیٹھی رہتی ہے۔ اس بیمار کے لئے دعائیں مانگتی رہتی ہے۔"

"یہ جو خادمائیں اور کنیزیں ہوتی ہیں۔ یہ ہماری سلامتی کے لئے صرف اس لئے دعائیں مانگتی ہیں کہ انہیں ہم سے روزی روٹی ملتی ہے۔ ورنہ اختری جیسی خادمہ کو شہزادے سے کون سی دولت مل جانے والی ہے کہ وہ اس کے دروازے پر دل سے دعائیں مانگتی ہو گی؟"

گل رخ بیگم نے اسی وقت اختری کو طلب کیا۔ وہ فوراً ہی حاضر ہو گئی۔ انہیں سلام کر کے بڑے ادب سے سر جھکا کر کھڑی ہو گئی۔ گل رخ نے کہا۔"کل تم نے اپنا دکھڑا سنایا تھا۔ ہم تم سے بہت متاثر ہیں۔ تمہارے بہت کام آنا چاہتے ہیں۔ اتنی دولت دینا چاہتے ہیں کہ تمہاری پوری زندگی سنور جائے۔"

وہ خوش ہو کر بولی۔"خدا نے آپ کو دریا دلی عطا کی ہے۔ میری دعا ہے' خدا آپ کو اور نیکی دے۔ میں آپ کی اور آپ کے صاحبزادوں کی لمبی عمر کے لئے ہمیشہ دعائیں مانگتی رہوں گی۔"

"ہم تمہارے لئے نیکی کر رہے ہیں۔ تم ہمارے لئے کیا کر سکتی ہو؟"

"آپ جو حکم دیں گی' اس کی تعمیل کروں گی۔ انگاروں پر چلنے کو کہیں گی تو چل کر دکھاؤں گی۔"

"تمہیں انگاروں پر نہیں چلنا ہے۔ ہماری اور ہمارے صاحبزادوں کی سلامتی کے لئے ماہم بیگم کے خلاف کچھ کرنا ہے۔"

اختری نے ایکدم سے چونک کر سر اٹھایا۔ گھبرا کر دونوں بیگمات کو دیکھا۔ دلدار نے پوچھا۔"کیا ہوا؟ ڈر گئیں....؟"

وہ جلدی سے انکار میں سر ہلا کر بولی۔ ''نن۔نہیں... ہاں۔مم۔مگر آپ تو جانتی ہیں ماہم بیگم کتنی ظالم ہیں؟ مجھے اپنے خلاف کچھ کرتے ہوئے پکڑ لیا تو کھڑے کھڑے میری کھال اتروا دیں گی۔''

گل بیگم نے کہا۔ ''کام اتنا آسان ہے کہ ماہم بیگم کو خبر نہیں ہوگی۔ جب ہمارا کام کر رہی ہو تو یہ کیوں نہیں سمجھتیں کہ ہم تمہیں تحفظ بھی دیں گے۔تم پر کوئی آنچ نہیں آنے دیں گے۔''

گل رُخ اپنی جگہ سے اٹھ کر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے قریب آئی۔ پھر بولی۔ ''تم نہیں جانتیں کہ تمہیں کتنے انعام و اکرام سے نوازا جائے گا؟ ہمایوں کے بعد ہمارے بیٹے کامران مرزا کو تاج تخت ملے گا۔ جس دن وہ تخت نشین ہوگا' اسی دن تمہیں اتنی بڑی جاگیر عطا کی جائے گی کہ تمہاری اولاد کی اولادیں بھی عیش و عشرت کے ساتھ زندگی گزارتی رہیں گی۔''

اختری بری طرح سہمی ہوئی تھی۔ مگر ان بیگمات کو یہ تاثر نہیں دینا چاہتی تھی کہ خوفزدہ ہو کر ان کا کام نہیں کرے گی۔ وہ بولی۔ ''میرے بابا کہتے ہیں' بہت کچھ پانے کے لئے بہت سی مصیبتوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ لیکن آپ کے سائے میں رہ کر امید ہے' مجھ پر کوئی مصیبت نہیں آئے گی۔''

دلدار بیگم نے کہا۔ ''شاباش! تم ہمارا دل خوش کر رہی ہو۔''

اس نے پوچھا۔ ''مجھے کیا کرنا ہوگا؟''

گل رُخ نے اپنے گریبان سے ایک چھوٹا سا تہہ شدہ کاغذ نکال کر کہا۔ ''یہ تعویز ہے۔ اسے ہما[illegible] کے تکیے کے یا کہیں بستر کے نیچے چھپانا ہے۔ بس اس سے زیادہ تمہیں کچھ نہیں کرنا ہوگا۔''

دلدار نے کہا۔ ''یہ جان جوکھم کا کام نہیں ہے۔ صرف ہوشیاری کا ہے۔ تم ماہم بیگم سے نظریں بچا کر ایسا کر سکو گی۔''

اختری نے اثبات میں سر ہلا کر اپنے دونوں ہاتھ یوں پھیلائے' جیسے خیرات لے رہی ہو۔ گل رُخ نے اس کی ہتھیلی پر وہ تعویز رکھتے ہوئے کہا۔ ''اسے فوراً چھپا لو۔ آج یہ ننھا

سا کاغذ کا ٹکڑا دے رہے ہیں۔ کل اسی ہتھیلی پر ایک بہت بڑی جاگیر کا پروانہ ہوگا۔''

اس نے اس ننھے سے کاغذ کو دونوں ہاتھوں میں دبا لیا۔ پیشانی سے لگا کر ہاتھ جوڑنے کے انداز میں کہا۔ ''آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ میں اپنے بابا کی یہ باتیں آزماؤں گی کہ مصائب سے گزرنے کے بعد ہی راحتیں ملتی ہیں۔''

اس نے اس تعویز کو اپنے گریبان میں چھپا لیا۔ دلدار نے کہا۔ ''یہ کام آج ہی ہونا چاہئے۔ بلکہ ابھی ہونا چاہئے۔''

وہ بولی۔ ''جب گھڑیالی چار بجاتا ہے' تب ملکہ بیگم مجھے اندر بلاتی ہیں۔ میں اسی وقت یہ کام کر سکوں گی۔''

''ٹھیک ہے۔تم جا سکتی ہو۔ یہ یاد رکھنا' تم پر کڑی نظر رکھی جائے گی۔ کام بہت آسان ہے۔ کر گزرو گی تو ہماری جیسی بیگمات کی طرح عیش و عشرت کی زندگی گزارتی رہو گی۔''

وہ سر جھکائے الٹے قدموں چلتی ہوئی اس کمرے سے باہر آ گئی۔ اس عمارت کے پیچھے خادماؤں کی رہائش کے لئے چھوٹی چھوٹی کوٹھریاں بنائی گئی تھیں۔ اختری کو حالات نے ایسے موڑ پر پہنچا دیا تھا' جہاں وہ حیران تھی' پریشان تھی' بری طرح الجھی ہوئی تھی۔ اس نے اپنی کوٹھری میں آ کر دروازے کو اندر سے بند کیا۔ پھر دھڑکتے ہوئے دل پر ہاتھ رکھ لیا۔ اس دل کے پاس وہ ننھا سا تعویز بھی تھا اور اس دل کے اندر شہزادہ ہمایوں بھی دھڑک رہا تھا۔

وہ لڑکی نادان تھی۔ دل کے معاملے نے اسے عقل سے خالی کر دیا تھا۔ وہ ذرّہ ہو کر آفتاب تک پہنچنا چاہتی تھی۔ خود نہیں جانتی تھی کہ اس کا دل کیوں شہزادے کی طرف کھنچا جاتا ہے؟ اس معمولی سی چھوکری کے اندر یہ خواہش مچلتی رہتی تھی کہ بس ایک بار دوڑ کر جائے اور شہزادے کے وجود سے لپٹ جائے۔

اکثر دل کی تمنائیں پاگل ہوتی ہیں۔ عقل سے ان کا کوئی واسطہ نہیں رہتا۔ یہ سمجھتے ہوئے بھی کہ پاؤں کی جوتی کبھی سر پر نہیں رکھی جاتی' وہ تصور میں شہزادے کو سر کرتی رہتی تھی۔ سوچتی رہتی تھی۔ ''اگر میں جوتی ہوں تو جوتی ہی رہوں گی۔ کبھی سر نہیں چڑھوں گی۔ پاؤں تلے ہی رہوں گی۔ مگر وہ پاؤں میرے شہزادے کے ہوں اور کسی کے نہ ہوں۔''

اس نے دھڑکتے ہوئے دل پر ہاتھ رکھا۔ اس کی ہتھیلی کے نیچے انگیا کے اندر

جیسے تعویز نہیں تھا' پرایا خنجر تھا اور یہ خنجر اپنے دل کو کاٹنے کے لئے دیا گیا تھا۔ ''ہائے.....! یہ مجھے کس آزمائش میں مبتلا کیا جا رہا ہے؟ یہ تو طے ہے کہ اپنی جان دے دوں گی مگر اپنے محبوب کی جان نہیں لوں گی۔ لیکن اس کا دوسرا پہلو بہت ہی بھیانک ہے۔ اگر میں نے بیگمات کے احکامات کی تعمیل نہ کی تو یہ در پردہ بہت بری طرح انتقام لیں گی۔ اپنے کارندوں کے ذریعہ میرے گھر کو آگ لگا دیں گی۔ میرے اپنوں کو نیزوں پر چڑھا دیں گی۔ میں یہ الزام نہیں دے سکوں گی کہ وہ بیگمات میرے ذریعہ اتنی بڑی سازش کر رہی ہیں۔ چھوٹا منہ بڑی بات...کوئی میری بات کا یقین نہیں کرے گا۔''

وہ بڑی دیر تک بند دروازے سے لگی کھڑی رہی۔ کبھی ٹہلتی رہی' کبھی بیٹھتی رہی اور سوچتی رہی' اسے کیا کرنا چاہئے...؟ پھر عقل نے سمجھایا۔ ''ایسا کام کرو کہ شہزادہ سلامت رہے اور بیگمات کا حکم بھی پورا ہو جائے۔''

اس نے گریبان میں ہاتھ ڈال کر اس تعویز کو نکالا۔ اس کا کاغذ زعفرانی رنگ کا تھا۔ اس نے اسے کھولا تو اندر ایک اور تہہ شدہ کاغذ تھا۔ اسے کھول کر دیکھا۔ وہاں کچھ آڑھی ترچھی لکیریں کھنچی ہوئی تھیں۔ ہر گوشے پر چند حروف لکھے گئے تھے اور درمیان میں چند اعداد درج تھے۔ وہ تھوڑی دیر تک انہیں دیکھتی رہی۔ سوچتی رہی پھر اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔

اس کی چارپائی کے پاس ہی ایک چھوٹا سا صندوق رکھا ہوا تھا۔ اس میں اس کے کپڑے اور کچھ ضروری چیزیں رکھی رہتی تھیں۔ اس نے صندوق کو کھولا اور اس تحریر شدہ کاغذ کو اپنے کپڑوں کے نیچے چھپا دیا۔ پھر اسی سائز کا سادہ کاغذ تہہ کر کے زعفرانی رنگ کے کاغذ میں لپیٹ دیا۔ اسے تعویز کی شکل دی اور اپنی انگیا کی گہرائی میں چھپا لیا۔

چند گھڑیاں گزارنے کے بعد وہ شہزادے کی خوابگاہ کے پاس آئی تو گل رُخ کی ایک رازدار کنیز نے آکر چپکے سے کہا۔ ''تمہیں بیگم صاحبہ نے طلب کیا ہے۔''

وہ کنیز کے ساتھ ایک کمرے میں آ گئی۔ وہاں گل رُخ بیگم اور دلدار بیگم اس کی منتظر تھیں۔ انہوں نے کنیز کو وہاں سے جانے کا حکم دیا۔ جب وہ چلی گئی تو گل رُخ نے کہا۔ ''ابھی کچھ ساعتیں گزرتے ہی گھڑیالی چار بجائے گا اور تمہیں بلایا جائے گا۔''

وہ بولی۔ ''میں پوری طرح مستعد ہوں۔ آپ کا کام ضرور کروں گی۔ مجھے اپنی

زندگی سنوارنی ہے۔ آپ کا کام ہر حال میں ہوگا۔''

دلدار نے پوچھا۔ ''وہ تعویز کہاں ہے؟''

اس نے فوراً اس تعویز کو نکال کر انہیں دکھایا پھر اسے اندر رکھتے ہوئے کہا۔ ''میں نے اسے جان سے زیادہ سنبھال کر رکھا ہے۔ یہ کام آسان ہونے کے باوجود اندیشوں سے بھرپور ہے۔ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ آپ اپنی کامیابی کے لئے دعائیں کرتی رہیں۔ وہ دعائیں مجھے بھی لگتی رہیں گی اور میں ماہم بیگم کی نظروں میں نہیں آؤں گی۔''

وہ ان سے رخصت ہو کر شہزادے کی خوابگاہ کی طرف آ گئی۔ اس وقت گھڑیالی چار بجا رہا تھا۔ ماہم بیگم بند دروازے کے پیچھے تھی۔ اس نے حکم دیا کہ اختری کو صفائی کے لئے بھیج دیا جائے۔

اس نے مورچھل والی ایک بڑی سی جھاڑو لی۔ اسفنج کا ایک بڑا سا ٹکڑا اٹھایا پھر پانی سے بھری ہوئی بالٹی اٹھا کر کمرے میں آ گئی۔ وہ پہلے جھاڑو دیتی تھی۔ پھر اسفنج کو پانی میں بھگو کر پورے فرش کو رگڑ رگڑ کر صاف کرتی تھی۔ گرمی اور برسات کے موسم میں فرش کے قالین ہٹا دیئے جاتے تھے تاکہ ٹھنڈک رہے۔ پھر موسمِ سرما میں دوبارہ قالین بچھا دیئے جاتے تھے۔

بیمار شہزادہ بستر پر آنکھیں بند کئے پڑا تھا۔ ماہم بیگم سرہانے بیٹھی کلام پاک کی آیتیں پڑھ رہی تھی۔ اختری فرش پر جھاڑو دے رہی تھی اور اس کا دل شہزادے کی طرف کھنچا جا رہا تھا۔ وہ کبھی کبھی چور نظروں سے ہمایوں دیکھتی تھی پھر ملکہ بیگم کے خوف سے صفائی میں لگ جاتی تھی۔

اسے جھاڑو لگاتے وقت شہزادے کے بستر کے چاروں طرف گھومنا پڑتا تھا۔ پھر اسفنج سے فرش کو رگڑتے وقت بھی وہ اپنے محبوب کا طواف کرتی رہتی تھی۔ دل دھڑک دھڑک کر کہتا تھا۔ ''یہ کیسا پاگل پن ہے....؟ لتاں کہتی ہے' جب میں بچی تھی تو ہاتھ اٹھا کر چاند کو بلاتی کرتی تھی۔ شاید کبھی دعاؤں سے وہ چاند مل جاتا۔ لیکن زمین کا یہ آفتاب کیسے ملے گا؟''

اس نے ہمایوں کے پاس پہنچ کر ماہم بیگم کو دیکھا۔ وہ سر جھکائے پڑھنے میں مصروف تھی۔ اس نے فوراً ہی اس تہہ کئے ہوئے کھوکھلے تعویز کو انگیا کی گہرائی سے نکال کر

مخملی بستر کے نیچے چھپا دیا۔ ہمایوں کا پاؤں قریب ہی تھا۔ دل مچلنے لگا کہ اسے ایک ذرا سا چھو لے۔ ایسے ہی وقت ماہم بیگم نے بیٹے پر پھونکنے کے لئے پہلو بدلا تو وہ جلدی سے اسفنج کو تھام کر فرش کی صفائی کرنے لگی۔

"ہائے....! کتنے قریب پہنچ کر کتنی دور ہو گئی ہوں؟ میرے محبوب! میرے مطلوب! یہ مجھے کیا ہو جاتا ہے؟ تمہیں دیکھتے ہی نشہ پکارنے لگتا ہے۔ میں مدہوش ہو جاتی ہوں۔ میری آرزوئیں کہتی ہیں، تمہیں چھو لوں تو سرور طاری ہو جائے گا۔ پکڑ لوں تو جیسے کائنات کی کلائی ہاتھ آ جائے گی اور جکڑ لوں تو تمہارے وجود کی جکڑ بندیوں میں میرا وجود گم ہوتا چلا جائے گا...."

وہ کام پورا کر کے خوابگاہ سے باہر آ گئی۔ تھوڑی دیر بعد گل رُخ نے پھر اسے طلب کیا۔ وہ ان کے سامنے حاضر ہو کر اپنے خالی ہاتھوں کو پھیلاتے ہوئے بولی۔ "کام ہو چکا ہے۔ میں نے اس تعویز کو صاحب عالم کے بستر کے نیچے چھپا دیا ہے۔"

دلدار بیگم نے کہا۔ "فی الحال تم پر بھروسہ کرنا ہوگا۔ اگر ہمارا مقصد پورا نہیں ہوگا تو یہ سمجھ لیا جائے گا کہ تم نے ہمارا کام نہیں کیا ہے۔"

اختری اندر سے سہمی ہوئی تھی۔ بڑی خاموشی سے ان کی باتیں سن رہی تھی۔ گل بیگم نے کہا۔ "تمہاری سچائی اور وفاداری کے دو ثبوت ہمیں اس وقت ملیں گے۔ جب تعویز اپنا اثر دکھائے گا اور وہ بیمار اس دنیا سے کوچ کر جائے گا۔ اگر ایسا نہ ہوا تو تم اپنے برے انجام کے لئے تیار رہنا۔"

وہ برے انجام سے ڈرنے والی نہیں تھی۔ بس یہ اندیشہ تھا کہ شہزادے کے کام آنے کے باوجود اس بیمار کے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ وہ بولی۔ "ایک عرض کرنا چاہتی ہوں۔"

گل رُخ نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "ہوں.."

وہ بولی۔ "بڑے بڑے عامل حضرات سے بھی غلطیاں ہوتی ہیں۔ کوئی ہمیشہ کامیاب نہیں رہتا۔ کبھی کبھی ان کے تعویز گنڈے بے اثر ہو جاتے ہیں۔"

"درست کہتی ہو۔ اگر بیمار صحت یاب ہو کر وہ بستر چھوڑے گا تو اس کی خوابگاہ کبھی نہ کبھی خالی ہو گی۔ ایسے وقت ہماری وفادار کنیز وہاں جائے گی اور اس کے بستر کے نیچے

دیکھے گی کہ وہ تعویز موجود ہے یا نہیں؟ اگر موجود ہوگا تو یہ واضح ہو جائے گا کہ تم نے اپنا کام دیانتداری سے کیا ہے اور اس عامل نے ایک بے اثر تعویز دیا ہے۔ پھر اس عامل سے نمٹ لیا جائے گا۔"

ایسے ہی وقت باہر شور بلند ہوا کہ حضرت بادشاہ بابر تشریف لا رہے ہیں۔ وہ سب اپنے کمرے سے نکل کر وسیع و عریض راہداری میں آ گئیں۔ عمارت کے اندر اور باہر خواجہ سرا ننگی تلواریں لئے پہریداری کے فرائض انجام دیتے رہتے تھے۔ ایک خواجہ سرا نے ماہم بیگم کے سامنے حاضر ہو کر گھٹنے ٹیکتے ہوئے کہا۔ "ملکہ بیگم کا اقبال بلند ہو۔ حضرت بادشاہ نے دریا عبور کر لیا ہے۔ حضور اعلیٰ کسی بھی ساعت میں یہاں تشریف لانے والے ہیں۔"

باہر بارش کا زور کچھ کم ہو گیا تھا۔ بے شمار مسلح سپاہی جمنا کے ساحل سے باغ گل افشاں کی عمارت تک دو صفوں میں کھڑے ہو گئے تھے۔ بابر کشتی سے اتر کر تیزی سے چلتا ہوا مسلح سپاہیوں کے درمیان سے گزرتا ہوا عمارت کے اندر آ گیا۔

گل رخ بیگم اور دلدار بیگم اس کے استقبال کے لئے راہداری میں کھڑی تھیں۔ انہوں نے آدابِ شاہی کے مطابق اس کی تعظیم کی' اسے سلام کیا۔ وہ بیٹے کی علالت سے بہت پریشان تھا۔ اس نے جبراً مسکراتے ہوئے کہا۔ "گل رخ اور دلدار آپ اپنے صاحبزادوں کو چھوڑ کر ہمارے بیمار ہمایوں کی عیادت کے لئے آئی ہیں۔ یہ دیکھ کر خوشی ہو رہی ہے۔ ہم کچھ وقت آپ دونوں کے ساتھ گزاریں گے۔ ابھی راستہ چھوڑ دیں۔"

وہ فوراً ہی ایک طرف ہو گئیں۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ سامنے خوابگاہ کے کھلے ہوئے دروازے پر ماہم بیگم کھڑی آنسو بہا رہی تھی۔ وہ بولی۔ "ہم آدابِ شاہی نہیں جانتے۔ ان لمحات میں صرف اپنے بیٹے کی ماں ہیں۔"

بابر اس کے شانے کو تھپک کر تیزی سے چلتا ہوا خوابگاہ میں داخل ہوا۔ جوان' قد آور پہاڑ جیسے بیٹے کو بسترِ علالت پر دیکھ کر ایک دم سے تڑپ گیا۔ جھک کر پیشانی کو بوسہ دیتے ہوئے بولا۔ "بابر کی جان! آنکھیں کھولو۔ ایک بادشاہ' باپ کی زبان سے دعائیں مانگتا ہوا تمہارے پاس آیا ہے۔ آنکھیں کھولو۔ باپ کو حوصلہ دو کہ تم مصائب اور بیماریوں سے لڑنا جانتے ہو۔"

ماہم بیگم نے پیچھے سے کہا۔ ''باپ کی آواز بیٹے کے کانوں تک نہیں پہنچ رہی ہے۔ صبح سے اس کی آنکھیں بند ہیں۔ ہمارا لعل... ہمارے جگر کا ٹکڑا نیم بے ہوشی کی حالت میں ہے۔''

بابر نے پلٹ کر گرجدار آواز میں پوچھا۔ ''طبیب حضرات کیا کر رہے ہیں؟ انہیں فوراً حاضر کیا جائے۔''

ماہم بیگم نے کہا۔ ''اب یہاں آ کر غصہ دکھا رہے ہیں۔ ہم نے بیماری کی خبر کل بھیجی تھی اور آج تشریف لا رہے ہیں۔ آپ کو ہمارے بیٹے سے کیا محبت ہو سکتی ہے؟ آپ کے تو دوسری بیگمات سے کئی بیٹے ہیں۔ خدانخواستہ ہمارے لعل کو کچھ ہو گیا تو آپ کا کچھ نہیں جائے گا۔ ہماری کوکھ جل جائے گی۔''

''خدارا ملکہ! ایسی باتیں نہ کریں۔ آپ اچھی طرح جانتی ہیں' ہمایوں ہمیں اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے۔ ہم بہت پہلے ہی اعلان کر چکے ہیں۔ یہ ہمارا ولی عہد ہے۔ ہمارے تخت وتاج کا جانشین ہے۔ مگر آپ ماں کی ممتا کے آگے باپ کی محبت اور شفقت کو بھول رہی ہیں.... بہتر ہے' حرم میں جائیں۔ یہاں طبیب حضرات آنے والے ہیں۔''

وہ سر جھکا کر آنسو پونچھتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد ہی کئی اطباء' مشیر حضرات اور وہ اُمراء تشریف لے آئے جو مشکل حالات میں بابر کا ساتھ دیا کرتے تھے۔ اس نے تمام طبیب حضرات کو غصے سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''یہ ہمارے ولی عہد کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ کیا آپ کے پاس ایسی کوئی دوا نہیں ہے جو ہمارے بیٹے کو آنکھیں کھولنے' کچھ بولنے اور سننے کی توانائی دے سکے؟''

ایک طبیب نے کہا۔ ''ہم بھرپور کوششیں کر رہے ہیں۔ اپنی طبی زندگی کے تمام تجربات کو آزما رہے ہیں۔ مگر خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ ہماری تدبیریں اور دوائیں بے اثر کیوں ہو رہی ہیں؟''

اس نے گرج کر پوچھا۔ ''کیا ہم سمجھ لیں کہ شہزادے کا مرض لاعلاج ہے؟ پورے ہندوستان میں کوئی ایسا مسیحا کوئی ایسا معالج نہیں ہے جو ہمارے بیٹے کا علاج کر سکے؟''

ایک مشیر میر ابوالبقا نے عرض کیا۔ ''ہمارے آباؤ اجداد نے بتایا ہے' جب اطباء

علاج سے عاجز ہو رہے ہوں' کوئی دوا اثر نہ کر رہی ہو' تمام تدبیریں ناکام ہو رہی ہوں تو ان حالات میں صدقہ دیا جائے۔''

دوسرے نے تائید کی۔ ''بے شک۔ جب انسانی علوم سے استفادہ نہ ہو سکے' کوئی حکمتِ عملی کام نہ آئے تو ایسے وقت صدقہ اور دعائیں.... یہ دو ہی چیزیں کام آتی ہیں۔''

بابر نے کہا۔ ''ہم اپنے بیٹے کی صحت یابی اور طویل عمری کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر سکتے ہیں۔ ہمیں مشورہ دیا جائے' اس سلسلے میں کیا کرنا چاہئے؟''

ایک نے کہا۔ ''اپنا قیمتی مال صدقہ کے طور پر دے دینا چاہئے۔''

دوسرے مشیر نے کہا۔ ''حضرت بادشاہ کا اقبال بلند ہو۔ گوالیار کے راجہ بکر ماجیت اور بادشاہ ابراہیم کے ساتھ جنگ ہوئی تھی۔ وہ اس جنگ میں مارے گئے تھے۔ ان کے آدمیوں نے شہزادہ ہمایوں کو نذرانے کے طور پر ایک ہیرا پیش کیا تھا۔ اس ہیرے کا وزن آٹھ مثقال ہے۔ جوہریوں کا متفقہ بیان ہے کہ اس ہیرے کی قیمت تمام دنیا کے ایک دن کی آمدنی کے برابر ہے۔ آپ اس ہیرے کا صدقہ دے سکتے ہیں۔''

بابر نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ ''وہ ہیرا ہمایوں کو دیا گیا تھا۔ وہ اس کی ملکیت ہے۔ ہمیں اپنی کوئی قیمتی چیز صدقہ کے طور پر دینی چاہئے۔''

وہ پلٹ کر بیٹے کے پاس آیا۔ وہ آنکھیں بند کئے بے حس وحرکت پڑا ہوا تھا۔ اسے ایسی حالت میں دیکھ کر دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ وہ بیٹے کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔ ''ساری دنیا کے مال اور تخت وتاج کی کیا اوقات ہے؟ ہمارے ہمایوں کا بدل صرف یہی ہے کہ ہم خود کو اس پر فدا کر دیں۔''

تمام حاضرین نے پریشان ہو کر بابر کو دیکھا۔ ایک امیر نے کہا۔ ''ہندوستان میں مغل سلطنت قائم ہو چکی ہے۔ سلطنت کی بقاء کے لئے اور شہزادہ ہمایوں کی سرپرستی کے لئے آپ کی زندگی بہت اہم ہے۔ آپ کو سلامت رہنا ہے۔ انشاء اللہ.... ہمارے صاحبِ عالم جلد ہی شفا پائیں گے۔ آپ کے سائے میں اور آپ کی سرپرستی میں اپنی طبعی عمر کو پہنچیں گے۔''

بابر نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''بس آگے کچھ نہ کہا جائے۔ ہمارے سینے میں فولاد کا دل ہے' مگر یہ دل بیٹے کے لئے بہت کمزور ہو چکا ہے۔ یہ صبح سے آنکھیں بند کئے

بے بسی سے یوں پڑا ہوا ہے جیسے کوئی پُرسانِ حال نہ ہو۔ کوئی طبیب اس کا علاج نہیں کر پا رہا ہے۔ ہم سے اس کی بے چینی دیکھی نہیں جارہی ہے۔ یہ ہمارا آخری فیصلہ ہے۔ ہم اپنی جان کا صدقہ دیں گے۔ آپ حضرات تشریف لے جاسکتے ہیں۔''

انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔ سر جھکا کر وہاں سے چلے گئے۔ ان کے جاتے ہی ماہم بیگم نے آکر پریشانی سے پوچھا۔ ''یہ ہم کیا سن رہے ہیں؟ آپ اپنی جان کا صدقہ دینا چاہتے ہیں؟''

وہ بولا۔ ''آپ پریشان کیوں ہوگئیں؟ کیا ایک دن ہمیں جان سے نہیں جانا ہے؟''

''وہ اللہ کی مرضی ہوگی۔ آپ اپنی طبعی عمر گزار کر جائیں گے۔ لیکن یہ وقتِ مقررہ سے پہلے جان کا صدقہ دینا گویا خودکشی کرنا ہے۔''

''صدقہ دینے کو خودکشی نہیں کہہ سکتے۔ جب اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا' ہماری جان کے بدلے بیٹے کو زندگی دے گا تو یہ سراسر صدقہ ہوگا' خودکشی نہیں ہوگی۔ بس اب خاموش رہیں۔ ہم آگے کسی بحث کے متحمل نہیں ہوں گے۔''

اس نے پلٹ کر بیٹے کو دیکھا۔ پھر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ''ہم جا رہے ہیں۔ نماز سے فارغ ہو کر واپس آئیں گے۔ یہاں عود وعنبر کی خوشبو چاہتے ہیں۔ اگر بتیاں بھی سلگائی جائیں۔''

یہ حکم دے کر وہ تیزی سے چلتا ہوا خوابگاہ سے باہر آیا۔ وہاں دو بیگمات اس کی منتظر تھیں۔ گل رُخ بیگم نے کہا۔ ''آپ بادشاہ ہیں۔ مطلق العنان ہیں۔ آپ کو اپنی من مانی سے کوئی نہیں روک سکتا۔ لیکن ہم شریکِ حیات کی حیثیت سے شکایت کرسکتی ہیں۔ فریاد کرسکتی ہیں۔''

اس نے ان دونوں کو دیکھا پھر پوچھا۔ ''کیا فریاد ہے تمہاری...؟''

دلدار بیگم نے کہا۔ ''آپ سے گذارش ہے' ہمارے بیٹوں سے انصاف کریں۔''

''ہم نے ناانصافی کب کی ہے؟''

وہ بولی۔ ''ہمارا ایک جوان بیٹا ہندال ہے۔''

گل رُخ نے کہا۔ ''ہمارے دو قد آور شہزور بیٹے کامران اور عسکری ہیں۔ یہ سب

آپ کے لہو کا عہ ہیں۔ آپ ایک بیٹے کی خاطر اپنے تین بیٹوں کو یتیم بنا دینا چاہتے ہیں۔ یہ کہاں کا انصاف ہے؟''

بابر نے کہا۔ ''تین نہیں... چار بیٹے یتیم ہوں گے۔ اگر ہم اللہ کو پیارے ہوگئے تو ہمایوں بھی صحتیاب ہو کر یتیم کہلائے گا۔''

دلدار نے کہا۔ ''ہمایوں فخر کرے گا کہ باپ نے اس کی خاطر جان دی اور ہمارے بیٹوں کے سر جھکیں گے کہ آپ نے ایک کی خاطر تین بیٹوں کو یتیم بنا دیا۔''

اس نے دونوں بیگمات کو گہری سنجیدگی سے دیکھا پھر کہا۔ ''ہر انسان اپنے نقطۂ نظر سے اور ہر رشتہ اپنے جذباتی زاویوں سے دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے۔ تم دونوں اس وقت ماؤں کی زبان سے بول رہی ہو۔ تمہاری ممتا کہہ رہی ہے' تین بیٹوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے اور ایک بیمار رہ کر دارِ فانی سے کوچ کر جائے۔ تم دونوں کی ممتا سلامت رہے اور تیسری کی ممتا ساری عمر روتی بلکتی رہے۔''

وہ افسوس کرنے کے انداز میں بولا۔ ''یہ مائیں اتنی خود غرض کیوں ہوتی ہیں؟ ایک ممتا کی لاش پر اپنے بیٹوں کی زندگی تعمیر کرنا چاہتی ہیں۔ تم دونوں یہ کیوں نہیں سوچتیں کہ تینوں ماؤں کے بیٹے سلامت رہیں؟ تینوں کی ممتا ہنستی' مسکراتی رہے۔''

دونوں بیگمات نے چور نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر گل رُخ نے کہا۔ ''ہم ہمایوں کی دشمن نہیں ہیں۔ اس کی سلامتی چاہتی ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اپنے سہاگ کی سلامتی سب سے عزیز ہے۔''

''تو پھر ہم سے بحث نہ کریں۔ ہمایوں کی سلامتی کے لئے دعائیں مانگتی رہیں۔ ہم خودکشی کرنے نہیں۔ عبادت کرنے جارہے ہیں۔ اس معبود کی مناجات کریں گے۔ اس کی رضا معلوم کریں گے۔ کیا وہ جان کے بدلے جان قبول کرے گا؟ اگر قبول کرے گا تو ہمیں یا نہیں کیا حق پہنچتا ہے کہ اس کی قبولیت سے انکار کریں؟''

وہ کوئی جواب نہ دے سکیں۔ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگیں۔ بابر اپنے مخصوص انداز میں چلتا ہوا ان کے درمیان سے گزرتا ہوا اس کمرے کی طرف چلا گیا جو عبادت کے لئے مخصوص تھا۔

بیگمات کو چپ لگ گئی تھی۔ عمارت کے ہر حصے میں کنیزیں اور خادمائیں دم سادھے ہاتھ باندھے کھڑی تھیں۔ ان کے آقا' ان کی بیگمات' ان کے ان دیکھے ... اتا پر برا وقت آیا ہوا تھا۔ اگلی چند ساعتوں میں یا چند گھنٹوں میں یا تو ماتم ہونے والا تھا یا صحت یابی کا جشن منایا جانے والا تھا۔

باہر بارش کا زور کم ہو گیا تھا۔ لیکن بادل گرج رہے تھے۔ جیسے منا کا وقت گرج رہا ہو اور آئندہ ٹوٹ کر برسنا چاہتا ہو۔ بابر وضو کرنے کے بعد مغرب کی نماز ادا کر رہا تھا۔ حالات کے گرجنے اور برسنے کا توڑ بس یہی رہ گیا تھا کہ سجدے میں گر کر رب جلیل سے رحم کی بھیک مانگی جائے۔

وہ خود غرض نہیں تھا۔ مطلب برآری کے لئے نمازیں نہیں پڑھتا تھا۔ بچپن سے پانچوں وقت کا نمازی تھا۔ شراب نوشی سے توبہ کرنے کے بعد تہجد کے وقت بھی عبادت میں مصروف رہنے لگا تھا۔ اسے یقین تھا' اس کا ایمان تھا کہ اسے عبادت کا پھل ضرور ملے گا۔

وہ بند دروازے کے پیچھے مناجات میں مصروف تھا اور ہمایوں کی خوابگاہ کے کھلے ہوئے دروازے پر اختری سر جھکائے بیٹھی تھی۔ عبادت کے اپنے اپنے طریقے ہوتے ہیں۔ وہ چپ تھی مگر محبت کے معبد میں اپنے شہزادے کے لئے زندگی کی بھیک مانگ رہی تھی۔ ایک ایک سجدے میں یوں سر پٹخ رہی تھی جیسے محبوب کو جان کی امان نہ ملی تو وہ جان سے چلی جائے گی۔ وہ جھکی جھکی نظروں سے خوابگاہ کے اندر دیکھ رہی تھی۔ وہاں بستر علالت پر پڑا ہوا شہزادہ صاف طور پر نظر آ رہا تھا۔

ایسے وقت راہداری میں کھڑے ہوئے خواجہ سرا مستعد ہو گئے۔ حضرت بادشاہ بابر عبادت گاہ سے نکل کر اسی طرف آ رہا تھا۔ ایک طرف کھڑی ہوئی دلدار بیگم اس کے پیچھے پیچھے چلتی ہوئی بولی۔ "آپ کی شریک حیات ہیں۔ اپنے [illegible] خدا سے التجا کرتے ہیں۔ خدارا... اپنا فیصلہ بدل دیں۔"

وہ جیسے گونگا اور بہرا ہو گیا تھا۔ نہ کچھ بول رہا تھا' نہ سن رہا تھا۔ سر جھکائے زیر لب کلام پاک کی آیتیں پڑھتا ہوا راہداری سے گزر رہا تھا۔ گلرخ نے بھی اس کے پیچھے چلتے ہوئے کہا۔ "بے شک۔ شہزادے ہمایوں کے لئے جان کا صدقہ دیا جائے۔ لیکن وہ آپ کی

ان نہ ہو۔ ہمارے دو بیٹے ہیں۔ ہم ان میں سے کسی ایک کو بلاتے ہیں۔ آپ اس کی جان کا صدقہ دے دیں۔ ہمیں ہر حال میں آپ کی سلامتی عزیز ہے۔"

یہ بادشاہ کو محض خوش کرنے اور متاثر کرنے والی باتیں تھیں۔ ورنہ اس کے دونوں بیٹے وہاں سے سینکڑوں میل دور تھے۔ ان کے حاضر ہونے میں دو چار دن لگ سکتے تھے۔ اتنی دیر میں اندھیر ہو سکتا تھا۔

خوابگاہ کے کھلے ہوئے دروازے پر ماہم بیگم کھڑی ہوئی تھی اور اختری اس کے قدموں میں بیٹھی جھکی جھکی نظروں سے خوابگاہ کے اندر دیکھ رہی تھی۔ ان لمحات میں جذبات کی شدت ایسی تھی کہ زبان چپ ہو گئی تھی۔ دماغ سُن ہو گیا تھا۔ صرف آنکھیں دعاؤں کے ساتھ سے مانگ رہی تھیں۔

پھر ماہم بیگم اور بادشاہ بابر اندر چلے گئے۔ دروازہ بند ہو گیا۔ وہ گرنے کے انداز میں چوکھٹ سے لگ گئی۔

بابر نے اندر آ کر بیٹے کو بڑے جذبوں سے دیکھا۔ پھر ایک گوشے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ماہم بیگم کو سمجھایا کہ وہ چپ چاپ وہاں بیٹھ جائے۔ روشن دان سے بارش کا شور سنائی دے رہا تھا۔ بادل گرج رہے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا بیٹے کے سرہانے آیا۔ کڑکتی ہوئی بجلی کی لحاتی چمک روشندان کے ذریعہ کمرے میں آ کر بجھ گئی۔

بابر نے زیر لب کہا۔ "اے ہمارے معبود...! ہمارا بیٹا گردش میں ہے۔ ہم بھی گردش میں آ رہے ہیں۔ بیٹے کے گرد تین چلر لگائیں گے۔ اپنی جان کا صدقہ اتاریں گے۔ اے مالک و مختار...! اسے قبول فرما... اسے قبول فرما..... آمین!"

وہ بسم اللہ پڑھ کر دائیں طرف گھوم گیا۔ پھر اس بڑے سے جہازی پلنگ کے اطراف ایک ایک قدم آگے بڑھتے ہوئے زیر لب کہنے لگا۔ "یہ ساری آمد و شُد ہے۔ سانسوں کے آنے جانے پر..... سانسیں آتی جاتی ہیں۔ کبھی جاتی ہیں تو پھر نہیں آتیں اور ہم پھر آنے کی دعائیں مانگ رہے ہیں۔"

کڑکتی ہوئی بجلی کی لحاتی چمک آئی اور گئی۔ وہ بیٹے کے سرہانے سے پاکتی پہنچ گیا۔ "اے میرے معبود! لب دم ہے یہ لخت جگر..... ایک بادشاہ فقیر ہے تیرے در پر....."

وہ پائنتی سے پھر سر کی طرف آنے لگا۔ "شہزور ہیں ہم... جہاں پناہ ہیں ہم... پر تجھ ہی سے ہیں دم بہ دم... ہم تیرے آگے دم نہیں مار سکتے۔ اپنی جان وار سکتے ہیں..."

ماہم بیگم ایک گوشے میں دم بخود بیٹھی ہوئی تھی۔ ایک باپ کی بے مثال محبت اور قربانی کے جذبے کو عملی صورت میں دیکھ رہی تھی۔

ایک چکر پورا ہو چکا تھا۔ دوسرا جاری تھا۔ اس کی بھاری بھرکم مگر دھیمی دھیمی سی آواز ابھر رہی تھی۔ "ہم ہیں مردِ آہن حضرت بادشاہ بابر... ہم نے درندہ صفت دشمنوں کے آگے کبھی ہتھیار نہیں ڈالے۔ تمام عمر موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر قوت، اقتدار اور فتح مندی کے لئے لڑتے رہے۔ آج پہلی اور آخری بار بیٹے کی آنے والی موت کے آگے ہتھیار ڈال رہے ہیں۔ صدقہ کے طور پر اپنی جان کا نذرانہ پیش کر رہے ہیں۔ قبول کر میرے معبود! برداشتیم... قبول کر..."

دوسرا چکر اختتام کو پہنچا۔ تیسرا اور آخری چکر شروع ہوا۔ اس گوشے میں بیٹھی ہوئی ماہم بیگم اپنے مجازی خدا کو دیکھ رہی تھی۔ دل ہی دل میں کہہ رہی تھی۔ "اے ربِ جلیل...! یہ وہی دراز قد اور تحیم شحیم بادشاہ ہے۔ یہ ہٹے کٹے جوانوں کو اپنی بغلوں میں دبوچ کر کنگروں پر دوڑتا اور چھلانگیں مارتا چلا جاتا ہے۔

تو قوی ہے۔ قادرِ مطلق ہے۔ تو نے اس بادشاہ کو اتنی قوت دی کہ اس نے کمال قوتِ ارادی کا مظاہرہ کیا۔ دریائے گنگا کے چوڑے پاٹ کو مسلسل تیرتے ہوئے پار کیا تھا۔ آج تک کسی انسان میں یہ حوصلہ پیدا نہ ہو سکا۔ اے میرے معبود! یہ فولادی انسان تیرے آگے دم نہیں مار سکتا۔ لمحہ لمحہ بے دم ہو رہا ہے۔ میرے بیٹے کو صحت دے۔ سلامتی دے۔ تا کہ اس کی بھی جان میں جان آئے۔"

تیسرا اور آخری چکر پورا ہو رہا تھا۔ وہ دونوں ہاتھ بلند کر کے گڑگڑاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "اے مالک و مختارِ کل...! تو نے جو قوتیں ہمیں عطا کیں، وہ ہمارے جان سے عزیز بیٹے کو عطا فرما۔ جو کمزوری اور مرض الموت بیٹے کو دے رہا ہے، اسے باپ کی طرف منتقل کر دے... کل کائنات تیرے اختیار میں ہے۔ یہ بابر اس کائنات کا حقیر ذرہ ہے۔ اس کی دعا قبول فرما... ایک فاتح اعظم تیرے سامنے حقیر ہے۔ فقیر ہے۔ اس کی جان کا صدقہ

قبول فرما... قبول فرما..."

تیسرا چکر پورا ہوتے ہی وہ چکرانے لگا۔ بادل زور زور سے یوں گرج رہے تھے، جیسے آسمان بولنے لگا ہو۔ بادشاہ کے منہ سے نقاہت بھری آواز نکلی۔ برداشتیم... برداشتیم... باہر کڑکتی ہوئی بجلی کہیں گری ہو گی... وہ فرش پر گر پڑا۔

ماہم بیگم دوڑتی ہوئی قریب آئی۔ وہ ہانپتا ہوا لرزتا ہوا اٹھ کر بیٹھ رہا تھا۔ وہ روتے ہوئے بولی۔ "خدا آپ کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ ہم ابھی طبیب حضرات کو طلب کرتے ہیں۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔ "ہمارا بیٹا! ہماری جان...!"

وہ پلنگ کے سرے کو تھام کر کھڑا ہو گیا۔ بیٹے کو دیکھنے لگا۔ ایسے وقت بادل گرجے، بجلی چمکی اور اس کی لمحاتی چمک میں شہزادے نے آنکھیں کھول دیں۔ بابر نے مسرتوں سے سرشار ہو کر دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "اے ربِ کریم! اے غفور رحیم! بے شک تو قادرِ مطلق ہے۔ قدرت والا ہے... تیری قدرت نے یہ کرشمہ دکھایا ہے۔"

وہ بستر پر گرتے گرتے شہزادے پر جھک گیا۔ اس کی پیشانی کو چوم کر بولا۔ "فوراً طبیب حضرات کو طلب کیا جائے۔ ہمارے بیٹے کا معائنہ کرایا جائے۔"

خود باپ کی دھڑکنیں ڈوب رہی تھیں۔ وہ اچانک ہی نقاہت محسوس کرنے لگا تھا۔ اس نقاہت کا تقاضہ تھا کہ وہ بستر پر گر پڑے مگر بڑے حوصلے سے بیٹے کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ ماہم بیگم کا خوشی سے عجب حال تھا۔ بیٹے کی آنکھیں صبح بند ہوئی تھیں۔ اب عشاء کی اذان کے وقت کھلی تھیں۔ وہ اس کی بلائیں لے رہی تھی۔ بادشاہ نے ذرا سخت لہجے میں کہا۔ "جائیں ملکہ! اطباء اور اُمراء کو فوراً یہاں طلب کریں۔"

وہ تیزی سے چلتی ہوئی خوابگاہ سے باہر آ گئی۔ بادشاہ کا حکم سنایا تو خواجہ سرا دوڑتے ہوئے حکم کی تعمیل کے لئے چلے گئے۔ گل رُخ بیگم اور دلدار بیگم اپنے کمرے سے نکل کر راہداری میں آ گئی تھیں۔ سوالیہ نظروں سے ماہم بیگم کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ اختری وہیں دروازے سے لگی بیٹھی تھی۔ اس نے اس کے قدموں کو چھوتے ہوئے بے چینی سے پوچھا۔ "کیا ہماری دعائیں عرش تک پہنچ رہی ہیں؟"

ان سوکنوں کو ماہم بیگم کے چہرے کی رونق ہی بتا رہی تھی کہ دعائیں شرف قبولیت حاصل کر چکی ہے۔ وہ بڑی رعونت سے بولی۔ ''جسے اللہ رکھے اُسے کون چکھے؟ ہمارے بچے پر سات پیروں کا سایہ ہے۔''

وہ آگے بڑھتے ہوئے سوکنوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے بولی۔ ''ہمارے بادشاہ نے مکمل ایمان اور یقین کے ساتھ عبادت کی ہے۔ اپنے خدا کو راضی کیا ہے۔''

وہ آگے بڑھتے بڑھتے رک گئی۔ پلٹ کر سوکنوں پر نظر ڈالتے ہوئے بولی۔ ''ہمارے بادشاہ نے ایک باپ کی بے مثال محبت اور قربانی کا ثبوت دیا ہے۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے' ہمارے بیٹے نے آنکھیں کھول دی ہیں۔''

وہ خوشخبری سنا رہی تھی۔ لیکن یہ خوش خبری بندوق کی گولیوں کی طرح ان کے سینوں میں لگ رہی تھی۔ ماہم بیگم کے چہرے پر اچانک ہی دکھ کے آثار نمایاں ہوئے۔ وہ بڑے دکھ سے بولی۔ ''آہ...! بادشاہ سلامت کی طبیعت ناساز ہو رہی ہے۔ ہم نماز کے لئے جا رہے ہیں۔ انہوں نے صدقِ دل سے عبادت کی' خدا کی خوشنودی حاصل کی۔ بیٹے کو پالیا۔ ہم اپنے مجازی خدا کو پانے جا رہے ہیں۔''

وہ پلٹ کر چلی گئی۔ دونوں بیگمات نے پریشان ہو کر اس خوابگاہ کی طرف دیکھا' جہاں اب شہزادے کے علاوہ بادشاہ بھی بیمار ہو چلا تھا۔ وہ ماؤں کی حیثیت سے دلوں میں کینہ اور کدورت رکھتی تھیں۔ لیکن بیویوں کی حیثیت سے بادشاہ پر جان دیتی تھیں۔ وہ اس کی سلامتی کے لئے دعائیں مانگتی ہوئی ادھر جا رہی تھیں۔ پھر اچانک رک گئیں۔ ایک خواجہ سرا آواز لگاتا ہوا آ رہا تھا۔ ''حجاب لازم ہے.... اطباء و اُمراء حضرات تشریف لا رہے ہیں۔ حجاب لازم ہے...''

دونوں بیگمات فوراً ہی پلٹ کر حرم میں چلی گئیں۔ اختری خوابگاہ کے دروازے سے دور دیوار سے لگ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ سر کے آنچل کو گھونگھٹ بنا لیا تھا۔ اطباء اور اُمرا حضرات تیزی سے چلتے ہوئے خوابگاہ میں داخل ہو رہے تھے۔ طبیب حضرات وہاں پہنچتے ہی ہمایوں کا معائنہ کرنے لگے اور بیمار بادشاہ کو سنبھالنے لگے۔ چونکہ اندر افراد زیادہ تھے' اس لئے دروازے کو کھلا رکھا گیا تھا تاکہ حبس نہ ہو۔

وہ اندر سے بہت خوش تھی۔ یہ سن چکی تھی کہ شہزادے نے آنکھیں کھول دی ہیں۔ وہ زندگی کی طرف لوٹ آیا ہے۔ اس دنیا کو کھلی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ مگر اب کیسا ہے؟ کیا اس کی طبیعت سنبھل رہی ہے؟

اس کے اندر تجسس پیدا ہو رہا تھا۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی' معلوم کرنا چاہتی تھی کہ شہزادہ کس حال میں ہے؟

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کھلے ہوئے دروازے کے سامنے آ گئی۔ وہاں دو خواجہ سرا پہریدار کے طور پر کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے اسے گھور کر دیکھا۔ پھر ایک نے آگے بڑھ کر دھیمی آواز میں ڈانٹتے ہوئے پوچھا۔ ''یہاں کیا کر رہی ہے؟''

وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر بولی۔ ''بادشاہ سلامت کے لئے اور صاحب عالم کے لئے دعائیں مانگ رہی ہوں۔''

خواجہ سراؤں کے پاس نیام میں تلواریں ہوتی تھیں اور چمڑے کا چابک ہوتا تھا جو کنیزیں ناجائز حرکتیں کرتی ہوئی پائی جاتی تھیں تو سزا کے طور پر وہ چابک ان کے پیروں پر مارا جاتا تھا۔ یہ حکم تھا کہ چابک کا استعمال اور کہیں نہ کیا جائے۔ حسین کنیزوں کا بدن داغدار نہ ہو۔ آقاؤں کے حسنِ نظر کے لئے وہ تروتازہ رہیں۔

چابک والے خواجہ سرا نے آگے بڑھ کر کہا۔ ''دعائیں مانگ رہی ہے تو حجاب میں رہ کر مانگ۔ چل۔ یہاں سے چلی جا.....''

اختری نے سہمی ہوئی نظروں سے چابک کی طرف دیکھا پھر فوراً ہی پلٹ کر اس راہداری سے گزرتی ہوئی ایک جھروکے میں آ کر بیٹھ گئی۔ وہاں سے باہر کا منظر دکھائی دیتا تھا۔ بارش تھم گئی تھی۔ رات کی تاریکی میں دور تک دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہاں باغوں میں رات کے وقت چراغاں کیا جاتا تھا۔ راتوں کو بھی ہریالی اور رنگ برنگے پھول دور تک دکھائی دیتے تھے۔ لیکن اس رات بیگمات اور آقاؤں کے حسب حال حدِ نظر تک تاریکی ہی تاریکی تھی۔

شہزادے سے اس کا کوئی رشتہ نہیں تھا۔ ایک معمولی ملازمہ اور آقا کا کوئی رشتہ ہو بھی نہیں سکتا۔ اس کے باوجود وہ ایسے خوش ہو رہی تھی' جیسے شہزادے نے آنکھیں کھول کر اس

کی تقدیر کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ اسے دنیا کی سب سے بڑی خوشی' سب سے بڑا انعام مل رہا ہے۔ جبکہ اوپر سے کوئی انعام نہیں مل رہا تھا۔ اندر سے پیار مستحکم ہو رہا تھا۔

مسرتوں کے اس ہجوم میں ایک اندیشہ سر ابھار رہا تھا۔ گل رُخ بیگم اور دلدار بیگم نے اس سے کہا تھا' اگر شہزادہ ہمایوں صحت یاب ہوگا تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ اس نے وہ تعویز اس کے بستر میں نہیں چھپایا ہے اور اگر تعویز چھپایا ہوگا تو یہ سمجھا جائے گا کہ عامل نے تعویز لکھنے میں نااہلی کا ثبوت دیا ہے۔

آئندہ وہ دونوں طرف سے پکڑی جانے والی تھی۔ اب اس خوابگاہ میں بادشاہ بیمار پڑا رہتا تو وہ دو بیگمات بھی وہاں جاسکتی تھیں۔ اس کی تیمارداری کے دوران میں بستر کی پائینتی سے وہ تعویز نکال کر دیکھ سکتی تھیں۔

پھر کیا ہوگا؟

یہی کہ اس تعویز کو دیکھتے ہی پہلے تو ان بیگمات کو یقین ہو جاتا کہ اختری نے بڑی وفاداری اور دیانتداری سے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ پھر اس تعویز کو عامل کے پاس لے جایا جاتا' اسے کھولا جاتا تو یہ بھید کھل جاتا کہ ایک دو کوڑی کی ملازمہ نے بڑی بے باکی اور چالبازی سے مقتدر بیگمات کو دھوکا دیا ہے۔

پھر تو اس کی شامت آجاتی۔ جھوٹ' بولنے' دھوکا دینے اور ناجائز حرکتیں کرنے والی کنیزوں اور خادماؤں کے ساتھ بہت ہی غیر انسانی سلوک کیا جاتا تھا۔ وہ بیگمات اسے ماہم بیگم کی لاعلمی میں اغوا کرا سکتی تھیں۔ اذیتیں دے دے کر ہلاک کرا سکتی تھیں۔

وہ اپنا انجام سوچ کر کانپ گئی۔ "کیا شہزادے سے محبت اور وفاداری مجھے مہنگی پڑے گی؟ یا خدا! میں کیا کروں...؟"

کہاں شاہی بیگمات کی سازشیں اور کہاں ایک معمولی خادمہ.... وہ اپنی چھوٹی سی عقل سے بچاؤ کی کوئی تدبیر سوچ نہیں پا رہی تھی۔ یہ اندیشہ ستا رہا تھا کہ اعلیٰ نسل کی سوکنوں کے درمیان چکی کے گندم کی طرح پسنے والی ہے۔

ادھر ایک خوابگاہ تھی' دو بیمار تھے۔ فوری طور پر جو دوائیں دی گئیں۔ ان سے ہمایوں کو ذرا افاقہ ہوا تھا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ مگر کمزوری ابھی حاوی تھی۔ تمام اُمراء اور

اطباء دست بستہ کھڑے تھے۔ ایک امیر مشیر نے بابر سے عرض کیا۔ "حضرت بادشاہ کے لئے یہ خوابگاہ مناسب نہیں ہے۔ میرا مشورہ ہے' دوسری خوابگاہ میں منتقل ہو جائیں۔"

بابر نے کہا۔ "کیا اس لئے مناسب نہیں ہے کہ یہ ہمارے بیمار بیٹے کی خوابگاہ ہے؟ ہم شہزادے کی خاطر بدشگونی اور نحوست کو رَد کرتے ہیں۔ ہمیں اسی بستر پر رہنا ہے۔ کیونکہ ہم نے صاحبزادے کی صحت یابی کی خاطر اسی بستر کا طواف کیا ہے۔ ہمارا حکم ہے' شہزادے ہمایوں کو دوسری خوابگاہ میں منتقل کیا جائے۔"

حکم کی تعمیل کی گئی۔ حرم میں خبر پہنچی کہ ہمایوں کو دوسری خوابگاہ میں منتقل کر دیا گیا ہے اور حضرت بادشاہ بیمار بیٹے کے بستر پر اپنی دعاؤں کی قبولیت کے منتظر رہیں گے۔ گل رُخ بیگم اور دلدار بیگم نے یہ بھی سنا کہ بیمار شہزادہ اپنے پیروں پر چل کر دوسری خوابگاہ تک گیا ہے اور اپنے منحوس بستر پر باپ کو چھوڑ آیا ہے۔

ماہم بیگم جائے نماز پر تھی۔ التحیات پڑھ کر سلام پھیر رہی تھی۔ گل رُخ بیگم نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ سراسر نامناسب بات ہے۔ اعلیٰ حضرت بیمار ہیں اور ولی عہد انہیں اپنے بستر پر چھوڑ آئے ہیں۔"

ان بیگمات نے بچپن سے شاہی محل کے آداب سیکھے تھے۔ اس لئے واضح طور پر تُو تُو میں میں نہیں کرتی تھیں۔ بڑے مہذب انداز میں ایک دوسرے کی مخالفت کیا کرتی تھیں۔ ماہم بیگم نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ وہ زیر لب دعائیں مانگتی تھی۔ اس بار بلند آواز میں کہنے لگی۔ "یا اللہ! ہمارے بیٹے اور ہمارے مجازی خدا کو صحت اور سلامتی عطا فرما۔ اس محل کی دوسری بیگمات کو نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرما۔ انہیں عقل دے کہ دوسروں کی آگ میں جلنے سے اپنا ہی لہو جلتا ہے۔ نماز پڑھ کر اپنے مجازی خدا کی صحت کے لئے دعائیں مانگنا ان کا اوّلین فرض ہے۔ یہ عبادت کا وقت ہے' اسے ضائع نہیں کرنا چاہئے۔"

ایک نے گھور کر' دوسری نے ہونٹوں کو سختی سے بھینچ کر ماہم بیگم کو دیکھا۔ پھر دونوں ہی وضو کرنے چلی گئیں۔ نماز کے بعد اطلاع ملی کہ اطباء اور اُمراء خوابگاہ سے جا چکے ہیں۔ وہ دونوں بیگمات فوراً ہی حضرت بادشاہ کی طرف چلی گئیں۔ ماہم بیگم نے زیر لب آیتیں پڑھتے ہوئے بیٹے کے پاس آ کر اس پر پھونک ماری۔ اس کی خیریت معلوم کی۔ ہمایوں نے

کہا۔ ''آ کم مادر! ہم بہتری محسوس کر رہے ہیں۔ آپ فوراً جائیں اور بادا حضور کی تیمارداری کریں۔ ہم ان کے لئے بہت فکرمند ہیں۔''

اس نے بیٹے کے شانے کو تھپک کر کہا۔ ''حضرت بادشاہ فولاد ہیں۔ انہیں کوئی مصیبت، کوئی بیماری توڑ نہیں سکتی۔ فکر نہ کرو بیٹے! ہم وہیں جا رہے ہیں۔''

وہ بیٹے کی خوابگاہ سے نکل کر شوہر کے پاس آ گئی۔ گل رُخ بیگم اور دلدار بیگم بادشاہ کے سرہانے دائیں بائیں کھڑی ہوئی تھیں۔ ماہم بیگم نے پائنتی آ کر کہا۔ ''بستر، چادر اور تکیے کو بدلنا چاہئے۔''

بابر نے کہا۔ ''ہرگز نہیں۔ اس پر ہمارے بیٹے نے بیماریاں جھیلی ہیں۔ اب ہم جھیلنا چاہتے ہیں۔ دعا کرتی رہیں کہ ہمارا صدقہ قبول ہو جائے۔''

گل رُخ بیگم نے کہا۔ ''آپ ہمارا سر قلم کرنے کا حکم دیں۔ مگر ہم ایسی دعا ہم نہیں کریں گے۔''

وہ بولا۔ ''ہم کسی حاسد سے دعا کی توقع نہیں کر رہے ہیں.... ماہم! ہمارے قریب آئیں۔''

وہ آگے بڑھی تو گل رخ بیگم اپنی جگہ سے ہٹ گئی۔ شوہر کے قدموں کے پاس آ گئی۔ ماہم بیگم نے قریب پہنچ کر بادشاہ کی پیشانی پر ہاتھ رکھا پھر پریشان ہو کر کہا۔ ''آپ کا بدن تپ رہا ہے۔''

''فکر نہ کرو۔ یہ بخار چڑھتا اترتا رہتا ہے۔ ہم تمہیں نصیحت کرنا چاہتے ہیں۔ گل رخ بیگم اور دلدار بیگم کی باتوں کو اور رویوں کو دل پر نہ لیا کرو۔ ان کے دل میں بیٹھ کر ان کی آنکھوں سے دیکھو، ان کے دماغ سے سوچو تو یہ اپنی جگہ دُرست نظر آئیں گی۔ یہ اپنے شوہر کی سلامتی چاہتی ہیں۔ کسی کے لئے بھی صدقہ دینا گوارہ نہیں کرتیں۔''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ ''اگر ہم ان کی اولاد کے لئے اپنی جان کا صدقہ دیتے تو تمہیں بُرا لگتا۔ اگر ان بیگمات کے کسی بھی صاحبزادے کو اپنا ولی عہد اور تاج و تخت کا جانشیں بنا دیتے تو تم حسد اور جلاپے میں مبتلا رہنے لگتیں۔ ہر انسان اپنی فطرت سے مجبور ہے۔ اچھے برے حالات کے مطابق اس کا رویہ بدلتا رہتا ہے۔''

تینوں بیگمات سر جھکائے بیمار بادشاہ کی باتیں سن رہی تھیں۔ گل رخ بیگم کی نظریں بستر کے گدے کے نیچے بھٹک رہی تھیں۔ ایک شریکِ حیات کو یہ خیال تڑپا رہا تھا کہ وہاں جو تعویز رکھا گیا ہے، وہ ایک بیمار کو موت کی آغوش میں پہنچانے کے لئے ہے۔ لیکن اب بیمار بدل گیا ہے۔ وہ اس کی جسم و جاں کا ملک تھا۔ اس کا سہاگ اور اس کے سر کا تاج تھا۔ وہ کبھی یہ گوارہ نہیں کر سکتی تھی کہ سوتیلے بیٹے کو آنے والی موت اس کے شوہر کو آئے۔

بابر کہہ رہا تھا۔ ''ماہم! ہم تمہیں نصیحت کرتے ہیں۔ اپنی سوکنوں کے لئے اور سوتیلے بیٹوں کے لئے اپنے رویے میں نرمی اور لچک پیدا کرتی رہو۔ اگر ان کی طرف سے کوئی بات ناگوارِ خاطر ہو تو اسے نظرانداز کیا کرو۔''

دلدار بیگم نے کن اکھیوں سے شوہر کے قدموں کی طرف دیکھا۔ ادھر گل رخ بیگم کھڑی ہوئی تھی۔ اس کا ہاتھ گدے کے نیچے پہنچا ہوا تھا۔ انگلیاں اس تعویز کو ٹٹول رہی تھیں۔ ایسا کرتے وقت وہ اس طرح شوہر کی طرف رخ کئے اِستادہ تھی کہ کسی کو طرح کا شبہ نہیں ہو سکتا تھا۔

دلدار بیگم نے کہا۔ ''خدا گواہ ہے، ہم حاسد نہیں ہیں۔ ماہم بیگم کی دل سے عزت کرتے ہیں۔''

بابر نے کہا۔ ''یہی بہتر ہے۔ بیگمات کے درمیان محبت ہو یا نہ ہو۔ نفرت نہیں ہونی چاہئے۔ جب نفرتیں پھلتی پھولتی ہیں تو پھر یہ سازشی رویہ اختیار کر لیتی ہیں اور ایسی محلاتی سازشیں اپنے ہی بادشاہ کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ ہندوستان میں ہماری ابھی یہ نئی سلطنت ہے۔ ہم ابھی اچھی طرح یہاں قدم نہیں جما پائے ہیں۔ اگر سوکنوں کی سازشوں سے ہمارے شہزادوں کے درمیان نفرتیں پیدا ہوتی رہیں گی تو ہم اندر سے کمزور ہو جائیں گے۔ ہمارے قدم پہلے محل سے اکھڑیں گے پھر ہندوستان سے اکھڑ جائیں گے۔''

بستر کے نیچے رینگنے والی انگلیوں نے اس تعویز کو چھو لیا۔ وہ بے اختیار سر جھکا کر دیکھنے لگی۔ ماہم بیگم نے ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا بات ہے؟''

گل رخ بیگم ایکدم سے گڑبڑا گئی۔ وہ چاہتی تھی کہ تعویز کو چپ چاپ وہاں سے لے جائے۔ اب فوراً ہی کوئی بات بنائی نہیں جا سکتی تھی۔ اس نے کہا۔ ''یہاں کوئی چیز جھلک

رہی ہے۔"

وہ فوراً ہی اس تعویز کو گدے کے نیچے سے کھینچ کر ذرا سامنے لے آئی تا کہ وہ جھلکتا رہے۔

ماہم بیگم اور دلدار بیگم تیزی سے آگے بڑھتی ہوئی ادھر آ گئیں۔ سر جھکا کر دیکھا تو بستر کے نیچے سے کوئی زعفرانی رنگ کی چیز جھلک رہی تھی۔ دلدار نے حیرت سے پوچھا۔"یہ کیا ہے؟"

ماہم بیگم نے اسے باہر نکال کر دیکھتے ہی تقریباً چیخ کر کہا۔"یہ تو تعویز لگتا ہے۔"

ایسے ہی وقت بابر کا سر چکرانے لگا۔ درودیوار گھومنے لگے۔ وہ آنکھیں بند کر کے اپنا سر ادھر ادھر جھٹکنے لگا۔ دلدار بیگم اور گل رخ بیگم دوڑتی ہوئی اس کے پاس آئیں۔ ماہم بیگم تیزی سے چلتی ہوئی دروازہ کھول کر خواجہ سرا سے بولی۔"فوراً طبیب حضرات کو حاضر کیا جائے۔"

وہ خواجہ سرا حکم کی تعمیل کے لئے دوڑتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ وہ تعویز ماہم بیگم کی چٹکی میں دبا ہوا تھا۔ وہ کبھی شوہر کی بگڑتی ہوئی حالت کو اور کبھی اس تعویز کو دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے چیخ کر پوچھا۔"یہ تعویز یہاں کس نے رکھا تھا؟"

دلدار بیگم نے کہا۔"اسے تو اسی نے رکھا ہوگا' جو ہمارے سہاگ کا دشمن ہوگا۔"

ماہم بیگم نے کہا۔"یہ تعویز ہمارے مجازی خدا کے لئے نہیں بلکہ ہمارے صاحبزادے کے لئے رکھا گیا تھا۔ ہم ایسی جان لیوا سازش کرنے والوں کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

اس نے خواجہ سرا سے پوچھا۔"ہمیں اس خوابگاہ میں آنے جانے والوں کا حساب دو۔"

گل رخ بیگم تیزی سے چلتی ہوئی دروازے پر آ کر بولی۔"خواہ مخواہ چیخنے سے حضرت بادشاہ کی طبیعت مزید ناساز ہوتی چلی جائے گی۔ اس معاملے کو سہولت سے نمٹایا جائے۔"

ایک خواجہ سرا دور سے آواز لگاتا ہوا آ رہا تھا۔"حجاب لازم ہے... اطباء حضرات تشریف لا رہے ہیں... حجاب لازم ہے..."

وہ تینوں بیگمات فوراً ہی وہاں سے چلتی ہوئی حرم میں آ گئیں۔ ایک خواجہ سرا ان کے پیچھے چلتا ہوا ماہم بیگم سے بولا۔"ملکہء عالم! آپ شہزادہء عالم کے کمرے میں کسی کو

آنے کی اجازت نہیں دیتی تھیں۔ وہاں صرف طبیب حضرات آتے رہے تھے یا پھر صفائی کے لئے وہ خادمہ اختری آیا کرتی تھی۔"

ماہم بیگم نے سوچتی ہوئی نظروں سے خواجہ سرا کو دیکھا پھر حکم دیا۔"اختری کو حاضر کیا جائے۔"

وہ حکم کی تعمیل کے لئے چلا گیا۔ دلدار بیگم اور گل رخ بیگم ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ دلدار نے کہا۔"ہم نہیں مانتے کہ یہ تعویز شہزادے ہمایوں کے لئے رکھا گیا تھا۔ کیونکہ اس نے کوئی برا اثر نہیں دکھایا ہے۔ اس کے برعکس شہزادے کو صحت یابی نصیب ہو رہی ہے۔"

گل رخ نے کہا۔"اگر ہماری نظر اس تعویز پر نہ پڑتی تو ہمارے سہاگ کو نقصان پہنچنے والا تھا۔"

ماہم بیگم نے کہا۔"اگر حضرت بادشاہ کو نقصان پہنچانے کے لئے یہ تعویز رکھا گیا ہے تو پھر اسے اختری نے نہیں رکھا ہوگا۔"

دونوں بیگمات نے چونک کر اسے دیکھا۔ پھر دلدار بیگم نے پوچھا۔"یہ آپ کیسے کہہ سکتی ہیں؟"

ماہم بیگم نے کہا۔"حضرت بادشاہ کی آمد کے بعد اختری نے اس خوابگاہ میں قدم نہیں رکھا تھا۔"

ایسے ہی وقت اختری اس خواجہ سرا کے ساتھ وہاں آ گئی۔ اس کے چہرے سے پتہ چل رہا تھا کہ اندر سے بری طرح سہمی ہوئی ہے۔ ماہم بیگم نے وہ تعویز اسے دکھاتے ہوئے کہا۔"جھوٹ بولنے والے کی زبان گدی سے کھینچ لی جائے گی۔ سچ بول... یہ تعویز تُو نے ہمارے بیٹے کے بستر میں رکھا تھا؟"

اختری نے گھبرا کر دونوں بیگمات کو دیکھا۔ گل رخ نے ایکدم سے چیخ کر کہا۔"ہمیں کیا دیکھ رہی ہو؟ جواب دو۔"

دلدار نے کہا۔"ہاں۔ بولو۔ اسے تم نے رکھا تھا؟"

اس نے بوکھلا کر کہا۔"جب آپ بولنے کو کہہ رہی ہیں تو بول رہی ہوں... آپ

نے...اور آپ نے کہا تھا کہ اسے وہاں رکھ دوں اور میں نے رکھ دیا۔"

گل رخ نے ایکدم سے پریشان ہو کر اسے دیکھا۔ پھر غصہ سے اس کے گال پر ایک طمانچہ رسید کر دیا۔ ماہم بیگم فوراً ہی اختری کے سامنے ڈھال بنتے ہوئے بولی۔ "دوسری بار اس پر ہاتھ نہ اٹھانا۔ اس خادمہ کے جواب نے اور آپ کے ردِعمل نے بہت کچھ سمجھا دیا ہے۔"

گل رخ نے پیچھے ہٹ کر کہا۔ "آپ اس خادمہ کی باتوں میں آ کر یہ کہنا چاہتی ہیں کہ یہ تعویز ہم نے وہاں رکھوایا تھا؟ اور ہم آپ کے بیٹے سے دشمنی کر رہے ہیں؟"

"ہم ابھی کچھ نہیں کہنا چاہیں گے۔ حضرت بادشاہ کی طبیعت سنبھلنے دیں۔ یہ مقدمہ ان کے سامنے پیش کیا جائے گا۔"

پھر وہ پلٹ کر اختری سے بولی۔ "اور تم... تم نے ہمارے بیٹے کی جان لینے کے لئے ان کا ساتھ دیا ہے۔ ہم تمہاری کھال اتروا لیں گے۔"

اس نے دست بستہ عرض کیا۔ "میری جان حاضر ہے۔ لیکن یہ کوئی تعویز نہیں ہے۔"

دونوں بیگمات نے چونک کر اسے دیکھا۔ ماہم بیگم نے اپنی مٹھی کو کھول کر اس تعویز کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا بکواس کر رہی ہے؟"

"سچ کہہ رہی ہوں۔ میں نمک حرام نہیں ہوں۔ صاحب عالم کو نقصان پہنچانے کے بارے میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی۔ آپ اسے کھول کر دیکھیں۔"

دلدار اور گل رخ الجھی ہوئی تھیں۔ اس کی باتیں سمجھ نہیں پا رہی تھیں۔ ماہم بیگم نے اس زعفرانی رنگ کے کاغذ کو کھول کر اندر سے دوسرا تہہ شدہ کاغذ نکال لیا۔ پھر اسے کھول کر دیکھا تو وہ سادہ تھا۔ وہاں ایک حرف بھی لکھا ہوا نہیں تھا۔ اس نے حیرت سے کہا۔ "یہ سادہ ہے۔"

تینوں بیگمات نے سوالیہ نظروں سے اختری کو دیکھا۔ وہ ملکہ کے قدموں کے پاس بیٹھتے ہوئے بولی۔ "تعویز لکھا ہوا تھا۔ مجھے حکم دیا گیا تھا' اسے شہزادے کے قریب کہیں رکھ دوں۔ اگر میں انکار کرتی تو بے موت ماری جاتی.... مجھے خود کو بھی بچانا تھا اور صاحب عالم سے بھی اس تعویز کو دور رکھنا تھا۔ میری نیک نیتی کو خدا جانتا ہے۔ ایسی نیکی کے بعد بھی دل

دھڑ کا لگا ہوا تھا۔ یہ جانتی تھی کہ آج نہیں تو کل میری شامت آنے والی ہے۔"

ماہم بیگم اپنی سوکنوں کو غصے سے دیکھ رہی تھی۔ گل رخ نے تنک کر کہا۔ "آپ اس طرح کیا دیکھ رہی ہیں؟ ہم آپ سے کمتر نہیں ہیں۔ سب ہی کا رتبہ برابر ہے۔ ہم سب ایک ہی بادشاہ کی سیج پر رہتی ہیں۔ ہم سب نے بیٹوں کو جنم دیا ہے۔"

دلدار نے کہا۔ "ایک معمولی خادمہ کے کہہ دینے سے ہم پر کوئی الزام ثابت نہیں ہو سکتا۔ ہم نے کوئی سازش نہیں کی ہے۔"

ماہم بیگم نے بے بسی سے انہیں دیکھا۔ ان سب کی حیثیت اور مان مرتبہ برابر تھا۔ وہ ایک ہی بادشاہ کی بیگمات تھیں۔ ان کی عظمت اور شان و شوکت ایسی تھی کہ ایک معمولی خادمہ کا بیان اور گواہی قابلِ قبول نہ ہوتی۔ یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ ان بیگمات نے اس تعویز کو شہزادے تک پہنچانے کے لئے دو کوڑی کی خادمہ کو اپنا راز دار بنایا تھا۔

ایسے حالات میں سوکنیں ایک دوسرے کا کچھ بگاڑ نہیں سکتیں۔ وہ آپس میں لڑتی ہیں' ایک دوسرے کو گالیاں دیتی ہیں اور طرح طرح سے کوستی رہتی ہیں۔ ماہم بیگم کا بھی جی چاہ رہا تھا کہ چیخ چیخ کر انہیں کوسنا شروع کر دے۔ لیکن وہ ایسا کر نہیں سکتی تھی۔ آدابِ شاہی کی پابندی ہر حال میں لازمی تھی۔

پھر بھی اس نے کہا۔ "آپ دونوں نے سوکنوں کا حربہ استعمال کر لیا۔ خدا بڑا کارساز ہے۔ ہمارے بیٹے پر آنچ نہیں آئی۔ لیکن آپ کے صاحبزادوں کا کیا ہوگا....؟"

اس نے دلدار بیگم سے کہا۔ "آپ کا ایک بیٹا ہندال ہے اور گل رخ بیگم! آپ کے دو بیٹے ہیں۔ یہ سب ہی وقتاً فوقتاً فتوحات حاصل کرنے کے لئے میدانِ جنگ میں اترتے رہتے ہیں۔"

اس نے اپنی انگلیاں چٹخاتے ہوئے کہا۔ "ہم نے بیمار بیٹے کے صدمات اٹھائے ہیں۔ ہماری یہ بددعا دیتے ہے' خدا کرے' دونوں کا ایک ایک بیٹا جنگ میں مارا جائے یا ہاتھ پاؤں سے اپاہج ہو کر واپس آئے۔"

وہ دونوں غصے تن گئیں۔ ماہم بیگم نے کہا۔ "آں۔ ہاں۔ غصے میں نہ آئیں۔ ہم تو صرف بتا رہے ہیں کہ ایسی بددعائیں لگیں گی تو آپ میں سے کسی کا بیٹا واپس نہیں آئے

گا۔ہم سب عام سی خواتین نہیں ہیں۔ آدابِ شاہی کے پیشِ نظر نہ تو ایک دوسرے کے خلاف کچھ کرسکتی ہیں' نہ بول سکتی ہیں۔اس لئے ہم کچھ نہیں بول رہے ہیں۔''

وہ جواباً کچھ کہنا چاہتی تھیں۔ ایسے ہی وقت ایک خواجہ سرا نے آکر کہا۔''حضرت بادشاہ ظلِ سبحانی کو آرام آگیا ہے۔ وہ ابھی گہری نیند میں ہیں۔ طبیب حضرات جا چکے ہیں۔ ان کی ہدایت ہے کہ حضرت بادشاہ ظلِ سبحانی کی نیند میں کسی کو مخل نہ ہونے دیا جائے۔''

ماہم بیگم نے وہاں سے جاتے ہوئے اختری کو دیکھا۔پھر کہا۔''ہمارے پیچھے آؤ۔''

وہ وہاں سے چلتی ہوئی بیٹے کی خوابگاہ میں آگئی۔ وہ بستر پر گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھا ہوا تھا۔اس کے سامنے پھلوں سے بھرا ہوا تھال اور دودھ سے لبریز ایک جگ رکھا ہوا تھا۔ دو کنیزیں اس کی خدمت کے لئے وہاں پہنچی ہوئی تھیں۔ ایک خواجہ سرا ان کنیزوں کو بتا رہا تھا کہ انہیں کس وقت کون سی دوا شہزادے کو دینی ہے؟ ملکہ بیگم کو وہاں دیکھ کر سب ہی تعظیم سے جھک گئے۔اس نے بیٹے کو دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا۔''یا خدا! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ ہمارا بیٹا دشمنوں کے شر سے محفوظ ہے۔ہم دیکھ رہے ہیں' یہ ہنسنے بولنے اور کھانے پینے کے قابل ہوگیا ہے۔''

دروازے پر کھڑی ہوئی اختری بھی شہزادے کو ایسی لگن سے' ایسے جذبے سے دیکھ رہی تھی' جیسے اس کی آنکھیں اپنے حلقوں سے نکل کر اپنے شہزادے کے قدموں میں پہنچ جائیں گی۔ ہمایوں نے ماں سے کہا۔''ہم نے ابھی ایک خوراک دوا لی ہے۔ طبیب حضرت کی ہدایت کے مطابق دوا کے ساتھ دودھ پینا لازی ہے۔''

ماں نے چاندی کے کٹورے میں رکھے ہوئے دودھ کو اٹھا کر بیٹے کے ہونٹوں سے لگایا۔ اس نے پہلا گھونٹ ماں کے ہاتھوں سے پیا پھر وہ کٹورا ہاتھ میں لے کر بولا۔''ہمارے باوا حضور کیسے ہیں؟''

''طبیب حضرات کی دوائیں کچھ اثر دکھا رہی ہیں۔وہ بڑے آرام سے سو رہے ہیں۔''

پھر اس نے خواجہ سرا اور کنیزوں سے کہا۔''تخلیہ.....''

وہ تینوں سر جھکا کر وہاں سے جانے لگے۔ ہمایوں نے دروازے پر کھڑی ہوئی

اختری پر ایک نظر ڈالی تو اس چھوکری کا دل پاگل ہوگیا۔ سینے کی دیوار سے ٹکریں مارنے لگا۔ ہمایوں نے پوچھا۔''آکم مادر! یہ کون ہے؟''

ماہم بیگم نے اختری سے کہا۔''اندر آجاؤ۔''

وہ سر جھکائے آہستہ آہستہ چلتی ہوئی شہزادے کے پلنگ کے قریب آگئی۔ ماں نے کہا۔''یہ خدمت گار ہے' وفادار ہے۔آج ثابت کر دیا ہے کہ یہ جان نثار بھی ہے۔''

پھر وہ بیٹے کو بتانے لگی کہ سوتیلی ماؤں نے کس طرح اس کے خلاف سازش کی تھی اور کس طرح اس لڑکی نے ان کی سازشوں کو ناکام بنا دیا ہے؟

ہمایوں نے پہلی بار ایک حاکم کی نظروں سے اختری کو دیکھا تھا۔ دوسری بار اس کے مقدر کا بادشاہ ممنون ہوگیا۔احسان مندی سے اسے دیکھنے لگا۔

اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔لڑکیوں میں یہ قدرتی صلاحیت ہوتی ہے کہ نظریں زمین میں گڑی رہتی ہیں لیکن وہ سامنے والے کی نظروں کو بھانپتی رہتی ہیں۔آج اس کے من کی مراد پوری ہو رہی تھی۔ وہ چاہتی کہ شہزادہ کبھی اس پر ایک نظر ڈالے۔

گل افشاں میں خوبصورت کنیزوں اور طرحدار خادماؤں کا میلہ لگا رہتا تھا۔ شہزادے کو کبھی اتنی فرصت ہی نہیں ملی کہ وہ اس چودہ برس کی کم سن لڑکی پر نظر ڈالتا۔ کبھی اس پر نظر پڑتی بھی ہوگی تو پھسل کر دوسری طرف چلی جاتی ہوگی۔ آج وہی غیر اہم لڑکی اتنی اہم ہوگئی تھی کہ شہزادہ اسے سر سے پاؤں تک نظر بھر کر دیکھ رہا تھا۔

اس نے ماں سے کہا۔''باوا حضرت بادشاہ نے اپنی ضد پوری کی۔ اپنی جان کا صدقہ دیا اور اب بیمار ہوگئے ہیں۔ ہم غسلِ صحت کے بعد دن رات عبادت کریں گے۔ ان کی سلامتی کے لئے دعائیں مانگتے رہیں گے۔''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔''باوا حضور اپنی عبادت سے' ریاضت سے اور ایمان کی پختگی سے ہمیں نئی زندگی دے رہے ہیں اور.....''

اس نے اختری پر نظر ڈالی پھر کہا۔''اس لڑکی نے اپنی ذہانت اور تدبیر سے ہمیں یہ نئی زندگی دی ہے۔ ہم اس کے مقروض ہوگئے ہیں۔''

شہزادے کی یہ بات اس کے دل میں اتر رہی تھی۔ اس سے بڑی بات اور کیا ہو

سکتی تھی؟ ثمرقند سے آگرے تک فتح مندی حاصل کرنے والا شہزادہ خود کو اس کا مقروض کہہ رہا تھا۔ قرض کے حوالے سے ہی سہی...اس سے منسوب ہو رہا تھا۔

ماہم بیگم نے کہا۔ "بے شک۔ ایک ماں بھی اس کی مقروض ہے۔ ہم اسے انعام واکرام سے نوازیں گے۔"

وہ بولا۔ "آپ اپنی مرضی سے انعامات دے کر اپنا قرض ادا کریں گی۔ لیکن ہم..."

دل دھک سے رہ کر جیسے اپنی دھڑکنیں بھول گیا۔ شہزادہ کوئی بہت بڑی بات کہنے والا تھا۔ "یا خدا! صاحب عالم مجھے فرش سے اٹھا کر عرش پر پہنچانے کی بات نہ کریں۔ صرف دل سے لگانے کی بات کریں۔"

ماہم بیگم نے بیٹے سے پوچھا۔ "جان مادر! تم اس کا قرض کس طرح ادا کرنا چاہتے ہو؟"

"ہم اس کی تین خواہشات پوری کریں گے۔"

پھر اس نے اختری کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "اپنی پہلی خواہش بیان کرو...."

ہائے...! من کی مرادیں پوری کرنے والی کیسی قبولیت کی گھڑی آئی تھی؟ وہ مسرت سے زیادہ خوف کے باعث اندر ہی اندر کانپنے لگی۔ چھوٹے منہ سے بڑی بات کہنے کے لئے بڑے حوصلے کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے اندر حوصلہ نہیں تھا۔

شہزادے نے کہا۔ "بولو۔ تمہاری پہلی خواہش کیا ہے؟"

وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔ "جان کی امان پاؤں تو کچھ عرض کروں۔"

ان دونوں نے تائید میں سر ہلا کر اسے دیکھا' وہ دھیمی مگر لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔ "میری تین نہیں' صرف ایک خواہش ہے اور ایسی خواہش ہے کہ..."

وہ آگے بولتے بولتے رک گئی۔ کیسے کہے؟ کہاں سے حوصلہ لائے؟ ماہم بیگم نے کہا۔ "بات پوری کرو۔"

وہ پھر ڈگمگاتے لہجے میں بولی۔ "بس ایک ایسی خواہش ہے کہ پوری ہوتے ہی میں مر جاؤں گی۔"

ماں بیٹے نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ ہمایوں نے پوچھا۔ "ایسی کیا خواہش ہے کہ جس کی تکمیل پر تم مر جاؤ گی؟"

اس کا سر ایسے جھکا ہوا تھا' جیسے گردن پر پہاڑ رکھ دیا گیا ہو۔ ہمایوں نے دیکھا' اس کے کورے کنوارے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ اس نے کہا۔ "فوراً بولو۔ ہمارے تجسس کو نہ بھڑکاؤ۔"

وہ ایکدم سے جھک کر ماہم بیگم کے قدموں میں آگری۔ خوف سے لرزتے ہوئے' روتے ہوئے بولی۔ "میں۔ میں صرف ایک رات چاہتی ہوں۔"

ماہم بیگم نے حیرت سے پوچھا۔ "ایک رات....؟"

وہ سر جھکائے دونوں ہاتھ جوڑ کر بولی۔ "....صاحب عالم کے سا... ساتھ..."

ماں بیٹے نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ اس نے اپنی اوقات سے بڑی خواہش ظاہر کی تھی۔ ماہم بیگم نے اسے غصے سے دیکھتے ہوئے ایک زور کی ٹھوکر ماری۔ وہ پیچھے کی طرف الٹ گئی۔ "بدبخت! دو کوڑی کی خادمہ! محل میں پاؤں رکھنے کا موقع ملا ہے تو اپنی اوقات بھول گئی ہے؟"

اس نے پھر ٹھوکر ماری۔ ہمایوں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "آکم مادر! آپ کو ہماری جان کی قسم....رُک جائیں..."

وہ پیچھے ہٹ کر بولی۔ "اسے سزا ملنی چاہئے۔ یہ تمہیں پانے کی بات کر رہی ہے۔ ہم اسے خونخوار کتوں کے آگے ڈال دیں گے۔"

وہ پلنگ سے اتر کر کھڑا ہو گیا۔ عاجزی سے بولا۔ "آپ ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں۔ اس نے اپنا مدعا بیان نہیں کیا تھا۔ ہم نے اس کی خواہش پوچھی تھی۔ یہ بولنے سے کترا رہی تھی۔ اتنی بڑی بات زبان پر لانے کا حوصلہ نہیں کر پا رہی تھی۔ ہم نے ہی اسے بولنے پر مجبور کیا تھا۔"

ماہم بیگم پیچھے ہٹ کر اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگی۔ ہمایوں نے کہا۔ "ہماری دنیا میں کتنے ہی کمزور ہیں جو ہماری طرح شہزور بن جانا چاہتے ہیں۔ کتنے ہی غریب ہیں' جو بادشاہ بننے کے خواب دیکھتے رہتے ہیں۔ لیکن ہمارے سامنے منہ نہیں کھول

سکتے۔ اگر ہم انہیں بولنے کی اجازت دیں تو وہ اسی طرح بولیں گے' جس طرح ابھی اس لڑکی نے بولنے کی جرات کی ہے۔''

''یہ غلطی ہم نے نہیں... تم نے کی ہے۔ تم نے ہی اس کی خواہش پوچھی تھی۔''

''بے شک۔ ہم نے غلطی کی۔ آپ ہمیں سزا دیں۔ اس وفادار لڑکی سے بدظن نہ ہوں۔''

ماں نے بیٹے کو ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ پھر پوچھا۔''سچ بتاؤ... تمہارے دل میں کیا ہے؟''

''یہ ہم مغلوں کی روایت رہی ہے کہ جب وعدہ کرتے ہیں تو زبان سے نہیں پھرتے۔ ہم ماں بیٹے یہ فیصلہ بعد میں کریں گے کہ کس طرح اپنے وعدے کا بھرم رکھا جائے گا؟ فی الحال اس کی دلجوئی لازمی ہے۔''

''ہم مانتے ہیں' اسے تمہاری جان عزیز ہے۔ یہ ہر حال میں تمہاری سلامتی چاہتی ہے۔ تمہاری بہترین محافظ اور نگراں بن کر یہاں رہ سکتی ہے۔''

وہ فرش پر سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ ہاتھ بندھے ہوئے تھے' سر جھکا ہوا تھا۔ ماہم بیگم نے ایک خواجہ سرا کو طلب کیا۔ پھر اس سے کہا۔''اختری کا رُتبہ بلند کیا جا رہا ہے۔ اسے گل افشاں میں رہائشی کمرہ دیا جائے۔ آج سے یہ کنیزوں کے رنگا رنگ ملبوسات میں رہا کرے گی۔''

پھر اس نے اختری سے کہا۔''تم جا سکتی ہو۔''

وہ سر جھکائے خواجہ سرا کے ساتھ وہاں سے چلی گئی۔ ماں نے بیٹے کو گہری سنجیدگی سے دیکھا۔ پھر کہا۔''ہم نے نو ماہ تک تمہیں اپنے شکم میں رکھا' اپنا دودھ پلایا۔ ہم تمہیں بچپن سے ایک کتاب کی طرح پڑھتے اور حفظ کرتے آ رہے ہیں۔ تمہارے مزاج کو اور تمہاری نگاہوں کو خوب سمجھتے ہیں۔''

وہ بیٹے کے سامنے ادھر سے ادھر جاتے ہوئے بولی۔''وہ اب تک ایک بہت ہی ادنیٰ خادمہ تھی۔ اگر اسے تمہاری خلوت میں بھیجا جاتا تو ہماری پیٹھ پیچھے طرح طرح کی باتیں بنائی جاتیں۔ ہماری سبکی ہوتی۔ لہٰذا پہلے اس کا رتبہ بلند کیا گیا ہے۔ آج کے بعد وہ خادمہ

ہیں۔ اس حرم کی کنیز کہلائے گی۔''

وہ رک کر بیٹے کو دیکھتے ہوئے بولی۔'' کچھ عرصے بعد ہم اسے اپنی خاص کنیز ئیں گے... سمجھ رہے ہو ناں....؟ کم از کم وہ ٹاٹ کا پیوند تو نہ لگے۔''

یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد بھی ہمایوں کھلے ہوئے دوازے کو دیکھتا رہا اور ماں کے بارے میں سوچتا رہا۔ وہ اس کی ایک کمزوری کو خوب سمجھتا ا۔ وہ کمزوری یہ تھی کہ اسے پوتے کی شدید خواہش تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ ہمایوں کی ایک ہی ہی لیکن اولادِ نرینہ ہو۔ تاکہ بیٹے کے بعد وہ پوتے کو تخت و تاج کا وارث بنا سکے۔

ہمایوں کی ایک بیوی بیگہ بیگم تھی۔ اس نے ایک بیٹی کو جنم دیا تھا۔ اس کی دوسری وی کا نام بی بی کوہ نور تھا۔ اس نے بھی ایک لڑکی کو جنم دیا تھا۔ ماہم بیگم نے تخت و تاج کا نشین پوتا پیدا کرانے کے لئے بیٹے کی تیسری اور چوتھی شادی بھی کروائی تھی۔ لیکن ان میں سے کوئی مر گئی۔ کوئی بیٹیاں ہی پیدا کرتی رہ گئی۔

اب ماہم بیگم کی یہ حالت تھی کہ جہاں بھی اعلیٰ خاندان کی کوئی حسین اور صحت مند ہزادی دیکھتی تو اسے بیٹے کے لئے منتخب کر لیتی۔ اس خیال سے اسے بہو بنا لیتی کہ وہ بیٹا یدا کرے گی۔ اگر نہیں کرے گی تو بعد میں اس کی چھٹی کر دی جائے گی۔

مغلیہ دور میں بابر سے لے کر اورنگ زیب عالمگیر تک جتنے بھی بادشاہ گزرے ں' وہ سب نماز روزے کے پابند رہے۔ دینی احکامات پر سختی سے عمل کرتے رہے (اِلّہ لا الدین اکبر)۔ انہوں نے عیاشیاں بھی کیں۔ شراب و شباب میں مست بھی رہے۔ آخر سان تھے' رات کو بہکتے تھے' دن کو سنبھل جاتے تھے۔

ماہم بیگم نے کبھی یہ نہیں چاہا کہ ہمایوں کسی کنیز سے ناجائز تعلقات قائم رے۔ ان ماں بیٹے کو جب بھی کوئی پسند آئی تو اس سے نکاح پڑھوایا۔ پہلے اس نامحرم کو رم بنایا' پھر اس سے ازدواجی رشتہ قائم کیا۔ یہی وجہ تھی کہ اختری کو اس وقت وہاں سے ٹال یا گیا تھا۔

ہمایوں کو یقین تھا' والدہ ماجدہ اپنی کمزوری کے مطابق ایک پوتا حاصل کر۔
کے لئے اختری کو بھی آزمائیں گی۔ آگے چل کر اس لڑکی سے اس کا نکاح ضر
پڑھوائیں گی۔

☆☆☆

حضرت بادشاہ بابر کی طبیعت دن بدن بگڑتی جا رہی تھی۔ اس کے برعکس ہمایو
رفتہ رفتہ صحت یاب ہو گیا تھا۔ باپ کے لئے تشویش میں مبتلا تھا۔ اطباء اور اُمراء کا اجلا
طلب کر کے پوچھتا تھا۔ "آخر کیا بات ہے؟ باوا حضور پر آپ میں سے کسی کی دوا اثر کیو
نہیں کر رہی ہے؟"

اس سوال کے مختلف جوابات تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ "ہم نے بادش
سلامت کو جان کا صدقہ دینے سے منع کیا تھا۔ لیکن حضرت بادشاہ اپنے فیصلے پر اڑ
رہے۔ آپ کے لئے ان کا صدقہ اور ان کی دعائیں قبول ہو رہی ہیں۔"

ایک طبیب نے عرض کیا۔ "کچھ عرصہ پہلے ابراہیم لودھی کی والدہ نے بادشا
سلامت کے کھانے میں زہر ملایا تھا۔ جسے کھانے کے بعد یہ قریب المرگ ہو گئے تھے۔ ہ
نے اپنے بھرپور تجربات سے کام لے کر انہیں کسی طرح بچا لیا تھا۔"

ہمایوں نے پوچھا۔ "پرانی باتیں کیوں دہرائی جا رہی ہیں؟"

ایک معمر طبیب نے کہا۔ "ہم تمام اطباء کی متفقہ رائے ہے کہ اس زہر کا اثر رہ گیا
ہے۔ یہ کہنا چاہئے' اس عرصے میں اس زہر نے اندر سے اپنی جڑیں مضبوط کر لی ہیں۔"

ایک اور نے کہا۔ "ہم سب اس زہر کا توڑ کرنے کے لئے اپنی سی کوششیں کر
رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو ہم ضرور کامیاب رہیں گے۔"

بابر نے بیٹے کو بلا کر کہا۔ "ہماری فکر نہ کرو۔ ہمارے علاج کے بہترے اطباء
موجود ہیں۔ یہ وفادار امراء اس برے وقت میں ہمارے ساتھ ہیں۔ ماشاءاللہ۔ تم صحت
یاب ہو گئے ہو۔ ہم حکم دیتے ہیں' اپنی فوج کے ساتھ یہاں سے کوچ کرو اور کالنجر کا قلعہ تسخیر
کر کے ہمیں جلد ہی خوشخبری سناؤ۔"

آگرہ کی فوجی چھاؤنی میں یہ خبر پہنچائی گئی کہ دوسری صبح لشکر کو تیار رہنا چاہئے۔

کالنجر کا رخ کیا جائے گا۔ ہمایوں اپنی خوابگاہ میں آیا تو وہاں اختری کو دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔ خوش
ہو کر بولا۔ "یہاں کیسے چلی آئیں؟ کسی خواجہ سرا نے نہیں روکا؟"

اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ نظریں نہیں ملا رہی تھی۔ دھیمی سی آواز میں بولی۔ "بڑی
مشکلوں سے چھپ چھپا کر آئی ہوں۔"

اس نے آگے بڑھتے ہوئے مسکرا کر پوچھا۔ "کیوں آئی ہو؟"

"وہ۔ وہ... میرا دل بہت گھبرا رہا تھا۔ میں نے سنا ہے' آپ اپنے لشکر کے ساتھ
جنگ کے لئے جا رہے ہیں؟"

"یہ بادشاہوں اور شہزادوں کا مقدر ہے۔ ہماری آدھی سے زیادہ زندگی میدانِ
جنگ میں گزرتی ہے۔"

"ملکہ بیگم وفاداری کے سلسلے میں ہمیں انعامات دے رہی ہیں۔ یہاں سے بیس
کوس کے فاصلے پر جو زمینیں ہیں' وہ ہمارے نام کی جا رہی ہیں۔ انہوں نے نقدی اور
زیورات بھی دیئے ہیں۔"

وہ بولا۔ "ہمیں معلوم ہے۔"

وہ اپنی اوڑھنی کے پلو سے کھیلتے ہوئے بولی۔ "میں... میں آپ کے انعام کی منتظر
ہوں۔"

"ہماری آکم مادر تمہیں انعام و اکرام سے نواز رہی ہیں۔ تمہارا مرتبہ بلند کرتی جا
رہی ہیں۔ آئندہ جب وہ مناسب سمجھیں گی' ہمارا نکاح پڑھوا دیں گی۔"

"میں آپ کی منکوحہ بیگم بن کر خوش فہمی میں مبتلا نہیں رہنا چاہتی۔ میں غریب
خاندان سے تعلق رکھتی ہوں۔ ہمارا کوئی شجرہ نہیں ہے۔ آپ کی دوسری بیگمات حسب و نسب
والی ہیں۔ اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ وہ سب مجھے ہمیشہ احساسِ کمتری میں مبتلا کرتی
رہیں گی۔"

"ہماری آکم مادر ایک پوتے کے لئے تڑپ رہی ہیں۔ اگر شادی کے بعد تم نے بیٹے
کو جنم دیا تو سمجھو' تمام بیگمات سے برتر رہو گی۔ تمہارے آگے سب ہی کمتر ہو جائیں گی۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی۔ "میرے نصیب میں شاہی خاندان نہیں ہے۔ میں

جیوتش وِدیا پر یقین رکھتی ہوں۔ ایک مہا گیانی جیوتشی نے میری جنم کنڈلی اور ہاتھ کی ریکھائیں دیکھی ہیں۔''

''ہمیں بھی علمِ نجوم سے رغبت ہے۔ تمہارا جیوتشی کیا کہتا ہے؟''

''انہوں نے پیش گوئی کی ہے کہ میں اپنی زندگی میں کسی کی محتاج نہیں رہوں گی۔ میرے پاس اچھی خاصی دولت ہوگی۔ لیکن مسائل سے گزرتی رہوں گی۔ میرے برے وقت میں میرا مجازی خدا ساتھ نہیں رہے گا۔ اس کا ساتھ صرف ایک رات کا ہوگا۔ میں صرف ایک رات کی ملکہ بن پاؤں گی اور اس کے ایک بیٹے کو جنم دوں گی۔''

ہمایوں نے ایکدم سے چونک کر بے یقینی سے اسے دیکھا۔ وہ اپنے باپ دادا اور دوسرے بادشاہوں کی طرح علمِ نجوم کو مانتا تھا۔ مختلف نجومیوں سے مستقبل کے حالات معلوم کرتا رہتا تھا۔ ایک ماہر نجومی نے اولادِ نرینہ کی پیش گوئی کی تھی۔ لیکن یہ نہیں بتا پایا تھا کہ کس خوش نصیب بیگم سے تخت وتاج کا وارث پیدا ہوگا۔

چار شادیاں کرنے کے بعد بھی وہ اب تک ایک بیٹے کا باپ نہیں بن پایا تھا۔ اس لئے اختری کی بات سن کر یقین نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔ ''کیا تم نے ہماری آکم مادر کو اپنے حالات سے آگاہ کیا ہے؟''

اس نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔ ''میں نے ذکر کیا تھا۔ انہوں نے میری جنم کنڈلی مجھ سے لی ہے۔ وہ اپنے نجومیوں سے درست معلومات حاصل کرنا چاہتی ہیں۔''

''پھر تو تم ہماری والدہ ماجدہ کے ذہن میں نقش ہو چکی ہو۔ تمہارے جیوتشی کی پیش گوئی کے مطابق خواہ ایک رات کی ازدواجی زندگی ہو یا ساری عمر کی.... بہر حال تم ہمارے مقدر میں لکھ دی گئی ہو۔''

''میں کچھ عرض کرنا چاہتی ہوں۔''

''ہم سن رہے ہیں۔''

آپ نے فرمایا تھا' میری تین خواہشیں پوری کریں گے۔''

وہ مسکرا کر بولا۔ ''تمہاری ایک ہی خواہش ہزار خواہشوں پر بھاری پڑ رہی ہے۔ ویسے کوئی اور خواہش ہو تو بولو۔ ہم وعدے کے مطابق اسے ضرور پورا کریں گے۔

بشرطیکہ وہ جائز ہو۔''

وہ بولی۔ ''جائز ہے... پہلے مجھے آپ کی ہمشیرہ (گل بدن بیگم) کی خدمت کے لئے معمور کیا گیا تھا۔ وہاں میں نے آپ کو پہلی بار دور ہی سے دیکھا تھا۔ میں نہیں جانتی' آپ میں کیسی کشش ہے؟ بس میں کھنچتی چلی گئی تھی۔ پھر آپ کی والدہ ماجدہ ملکہ بیگم مجھے یہاں لے آئیں۔ یہاں میں نے کئی بار آپ کو دیکھا اور ہر بار میرے اندر یہ خواہش مچلتی رہی کہ آپ کو ایک بار... صرف ایک بار چھو لوں....''

وہ خوش ہو کر بولا۔ ''کیا واقعی...؟ صرف چھونے کی خواہش مچلتی رہی؟''

اس نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔ ''فی الوقت میری یہی خواہش ہے۔ میں آپ کو ذرا چھو لینا چاہتی ہوں۔''

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ''بخدا... ہم بہت خوش ہوئے۔ آؤ۔ ہمیں چھو لو....''

اختری نے جھجکی جھجکی نظروں سے سامنے کھڑے ہوئے قد آور شہزادے کو دیکھا۔ پھر جھجکتی ہوئی' آگے بڑھتی ہوئی اس کے قدموں میں آ کر بیٹھ گئی۔ تقریباً ایک برس کے انتظار کے بعد اس کی یہ خواہش پوری ہو رہی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر اس کے پیروں کو چھو لیا۔ انہیں آہستہ آہستہ سہلانے لگی۔ شہزادے کے قدموں سے ایک لہر سی اٹھی' پھر سیدھی دماغ تک پہنچ گئی۔ ایسا سرور طاری ہوا کہ آنکھیں بند ہو گئیں۔

ادھر اختری کی دھڑکنیں پاگل ہو رہی تھیں۔ اگرچہ وہ اپنی منزل کو پا نہیں سکتی تھی۔ مگر اتنے قریب پہنچ گئی تھی کہ ہاتھ بڑھا کر اسے چھو رہی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ' پیروں کو سہلاتے ہوئے اوپر اٹھ رہے تھے۔ وہ بھی گھٹنوں کے بل اٹھ رہی تھی۔ پتنگ اونچی اور اونچی اڑان لے رہی تھی۔ شہزادے نے جذبات سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''بس۔ تم نے چھو لیا۔ اب جاؤ....''

اس کا سر اس کے گھٹنوں سے لگ گیا۔ پھر اس سے پہلے کہ پتنگ کچھ اور اونچی اڑان بھرتی۔ وہ تڑپ کر الگ ہو گیا۔ اسی وقت دروازے پر دستک سنائی دی۔ وہ جیسے راہِ فرار تلاش کر رہا تھا۔ اس نے فوراً ہی پلٹ کر دروازے کو کھول دیا۔ سامنے ہی ماہم بیگم کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے فرش پر بیٹھی ہوئی اختری کو دیکھا پھر بیٹے کو دیکھ کر سخت لہجے میں اختری

سے پوچھا۔ ''تم یہاں کیسے آ گئیں؟''

ہمایوں نے جلدی سے کہا۔ ''وہ... اسے ہم نے بلایا ہے۔''

اس نے بیٹے کو گھورتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا تم ماں کے اعتماد کو ٹھیس پہنچا رہے ہو؟''

وہ جلدی سے بولا۔ ''نہیں آکم مادر! ہم نے ایسا کچھ نہیں کیا ہے۔ آپ کی قسم کھا کر کہتے ہیں۔ اسے ہاتھ بھی نہیں لگایا ہے۔''

ماہم بیگم نے اختری سے کہا۔ ''چلو اٹھو۔ یہاں سے جاؤ...''

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ پھر سر جھکائے ان کے قریب سے گزرتی ہوئی خوابگاہ سے باہر چلی گئی۔ ماہم بیگم نے کہا۔ ''کل صبح اپنے لشکر کے ساتھ جا رہے ہو؟''

''جی آکم مادر.....!''

''عشاء کا وقت ہو چکا ہے۔ کیا نماز قضاء کرنے کا ارادہ ہے؟''

''ہرگز نہیں۔ ابھی وضو کرنے جا رہے ہیں۔ کیا آپ ہم سے کچھ کہنے آئی ہیں؟''

وہ تائید میں سر ہلا کر بولی۔ ''ایک جیوتشی نے اختری کی جنم کنڈلی بنائی تھی۔ میں نے وہ کنڈلی اپنے نجومی منیر احمد شامی کو دی تھی۔ شامی نے بھی اپنے طور پر اس کا زائچہ بنایا ہے اور یہ خوشخبری سنائی ہے کہ یہ لڑکی ہمارے لئے خوش قدم ہے۔ ایک بیٹا ضرور پیدا کرے گی۔''

ہمایوں نے پوچھا۔ ''نجومی نے دراصل کہا کیا ہے؟ کیا وہ بیٹا تخت و تاج کا وارث ہوگا؟''

ملکہ نے چونک کر کہا۔ ''جب وہ تمہارا بیٹا ہے تو تخت و تاج کا وارث کیوں نہیں ہوگا؟''

وہ پریشان ہو کر بولا۔ ''کیا منیر احمد شامی نے یہ نہیں بتایا کہ اختری کے نصیب میں دربدری لکھی ہوئی ہے؟ وہ ہماری ایک ہی رات کی ملکہ بن پائے گی؟''

''یہ کیسی باتیں کر رہے ہو؟ شامی نے ہم سے ایسی کوئی بات نہیں کہی ہے۔ یہ تو کوئی بات ہی نہ ہوئی کہ نکاح پڑھایا جائے گا' وہ تمہاری منکوحہ ہو گی تو صرف ایک رات کے لئے... اس کے بعد کیا وہ شاہی محل چھوڑ کر چلی جائے گی؟''

''ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے۔ کیا ہونے والا ہے؟ اس نے خواہش بیان کرتے

وقت صرف ایک رات کی بات کی تھی۔ اس کے پیچھے ضرور کوئی اہم بات ہے۔''

''تم کسی مخمصے میں نہ پڑو۔ وہ ایک رات کی دلہن ہو یا ہزار راتوں کی... لیکن ایک بیٹے کو ضرور جنم دے گی۔ یہ ہندو جیوتشی نے بھی کہا ہے اور مسلمان نجومی نے بھی۔ تمہیں بے تکی باتوں میں نہیں الجھنا چاہئے۔ جاؤ۔ نماز پڑھو۔ خدا کو یاد کرو۔ وہی مشکلیں آسان کرتا ہے اور من کی مرادیں پوری کرتا ہے۔''

وہ بولا۔ ''جب آپ کو مرادیں پوری ہونے کا یقین ہے تو پھر دیر کیوں کر رہی ہیں؟''

''ہم کبھی دیر نہ کرتے۔ مگر اچانک تم کالنجر کی مہم پر روانہ ہو رہے ہو۔ ہمیں تمہاری واپسی کا انتظار کرنا ہوگا۔ خدا نے چاہا تو کامیاب و کامران لوٹو گے۔ جس روز پہنچو گے' اسی روز تمہارا نکاح اس خوش بخت سے پڑھوایا جائے گا۔''

وہ شہزادے کے کمرے سے نکل کر حضرت بادشاہ بابر کی خوابگاہ کی طرف جانے لگی۔ ادھر گل رخ بیگم نے گل افشاں کے ایک حصے میں اپنے بھائی کو بلوایا تھا۔ اسے خبر ملی تھی کہ اس کا بیٹا کامران مرزا کابل سے لاہور کی طرف آ رہا ہے۔

وہ بھائی سے بولی۔ ''برادر! آپ کو بڑی تیز رفتاری سے لاہور جانا ہوگا۔ ہمارے بیٹے کو یہ خبر پہنچائیں کہ حضرت بادشاہ سخت علیل ہیں۔ ہمایوں کالنجر کا قلعہ تسخیر کرنے جا رہا ہے اور آگرے کا تخت ہمارے بیٹے کامران کا انتظار کر رہا ہے۔''

بھائی نے کہا۔ ''گل رخ! ہم آپ کے دم قدم سے عیش و عشرت کی زندگی گزار رہے ہیں۔ آپ جو پیغام دیں گی' ہم پہنچا دیں گے۔ مگر اس پر نظر ثانی کریں تو بہتر ہوگا۔''

''آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟''

''اگرچہ ہمایوں آگرہ چھوڑ کر جا رہا ہے' حضرت بادشاہ علیل ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تخت خالی پڑا ہے۔ حضرت بادشاہ کی دہشت تمام دشمنوں پر طاری رہتی ہے۔ یہ یاد رکھیں کہ شیر بیمار ہو کر بھی شیر ہی رہتا ہے۔ اگر کامران مرزا کے پہنچنے تک حضرت بادشاہ بابر تلوار اٹھانے کے قابل ہو گئے تو آپ ماں بیٹے کے حق میں بہت برا ہوگا۔''

وہ بولی۔ ''اندیشوں میں مبتلا رہنے والے کبھی حکمران نہیں بن سکتے۔ تخت و تاج حاصل کرنے کے لئے خطرات سے کھیلنا ہی پڑتا ہے۔ ہمارا بیٹا یہاں آئے گا تو میدان

صاف ملے گا۔ اُدھر کا پورا لشکر اس کے ساتھ ہوگا۔ وہ یہاں پہنچتے ہی گل افشاں کو محاصرے میں لے کر حضرت بادشاہ کو قیدی بنا لے گا۔ وہ بیمار ہیں' اٹھ بھی نہیں پائیں گے۔ ہم ان کی تیمارداری کے لئے یہاں موجود رہیں گے۔"

وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ "ٹھیک ہے۔ ہم ابھی یہاں سے روانہ ہوتے ہیں۔"

وہ بولی۔ "کامران مرزا سے کہنا' ماں بیٹے دونوں کا فائدہ ہے۔ بیٹے کا فائدہ یہ ہے کہ اسے آگرے کا تخت ملے گا اور ہمارا فائدہ یہ ہے کہ ہمیں اپنا شوہر ملے گا۔ گل افشاں میں صرف ہم ہی ان کے ساتھ رہیں گے۔ باقی تمام بیگمات کی چھٹی کر دی جائے گی... مرد کے لئے تخت و تاج پیارا اور عورت کے لئے اس کا سرتاج پیارا.... جائیں' تیر کی رفتار سے ہمارے بیٹے کے پاس پہنچیں۔"

وہ وہاں سے چلا گیا۔ شاہی محلات میں یہی تماشے ہوتے ہیں۔ بادشاہ تخت و تاج کے لئے لڑتے رہتے ہیں اور بیگمات اپنے سرتاج کے لئے لڑتی رہتی ہیں۔ سازشیں کرتی رہتی ہیں۔ اس طرح اپنی سلطنت کو تباہ و برباد کرتی رہتی ہیں۔ گل رخ تباہی و بربادی کی باتیں درست کہہ رہی تھی۔ لیکن جو کہہ رہی تھی' خود اسے سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

☆☆☆

ہمایوں کی پہلی بیوی بیگہ بیگم کابل میں تھی۔ وہ ہمایوں سے دور نہیں رہتی تھی۔ اس کی ایک وجہ تو یہی تھی کہ محبت کرنے والی بیوی کی حیثیت سے اس کے دکھ سکھ میں شریک رہنا چاہتی تھی۔ میدانِ جنگ میں بھی اس کے ساتھ جانے کی ضد کیا کرتی تھی۔

شوہر کا سایہ بن کر رہنے کی دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ اپنی سوکنوں کو ولی عہد ہمایوں پر حاوی ہونے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔ یہ خوب سمجھتی تھی کہ ہمایوں کے اور اس کی والدہ ماہم بیگم کے دل پر وہی بہو حکمرانی کرے گی جو ایک بیٹے کو جنم دے گی اور یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ اس نے پہلی بار ایک بیٹی کو جنم دیا تھا۔

اب وہ دوسری بار ماں بننے والی تھی۔ اس بار پوری امید تھی کہ ہمایوں کے وارث کو جنم دے گی۔ ایسے وقت اطلاع ملی کہ آگرے کے باغ گل افشاں میں ہمایوں سخت علیل ہے۔ وہ اس کے پاس جانے کے لئے تڑپ گئی۔ یہی وقت ہوتا ہے' تیمارداری کا اور شوہر کی

خدمت گذاری کا... لیکن ماہم بیگم نے سختی سے کہلا بھیجا کہ وہ حاملہ ہے۔ ایسی حالت میں سفر ہرگز نہ کیا جائے۔ بچے کو کوئی نقصان ہوگا تو وہ ہمیشہ کے لئے شہزادہ ہمایوں سے محروم ہو جائے گی۔

وہ ایک ماہ بعد زچگی سے فارغ ہونے والی تھی۔ پھر اس کے بعد بھی شاید ایک آدھ ماہ تک سفر کے قابل نہ رہتی۔ ہمایوں سے ایسی طویل جدائی گراں گزر رہی تھی۔ لیکن حالات نے مجبور اور بے بس کر دیا تھا۔

بس ایک امید تھی' اگر بیٹے کو جنم دے گی تو ہمایوں اور اس کی ماں خود ہی دوڑے چلے آئیں گے۔ اسے سر آنکھوں پر بٹھائیں گے۔ پھر وہ دوسری سوکنوں پر بھی برتری حاصل کر لے گی۔

فی الوقت سوکنیں نہ ہونے کے برابر تھیں۔ ہمایوں کی ایک بیگم کوہ نور نے ایک بیٹی کو جنم دیا تھا۔ اس کے بعد مایوس ہو کر میکے جا بیٹھی تھی۔ ہمایوں کو اس سے کوئی خاص لگاؤ نہیں تھا۔ لہٰذا وہ اس کی زندگی سے نکل گئی تھی۔

بیگہ بیگم کو اپنی ساس ماہم بیگم پر تاؤ آتا تھا۔ وہ ساس صاحبہ ایک پوتا حاصل کرنے کے لئے کسی نہ کسی حسین شہزادی سے ہمایوں کا نکاح پڑھوا دیا کرتی تھی۔ ابھی ایک برس پہلے یہی ہوا تھا۔

ہوا یہ تھا کہ میوہ جان نامی ایک انتہائی حسین اور نوجوان لڑکی گل بدن بیگم (ہمایوں کی ہمشیرہ) کی خدمت پر مامور تھی۔ وہ ماہم بیگم کو اتنی پسند آئی کہ اس نے بیٹے سے اس کا نکاح پڑھوا دیا۔ بیگہ بیگم کو معلوم ہوا تو وہ لاہور سے سفر کرتی ہوئی دہلی پہنچی۔ ساس سے شکایت کرتے ہوئے بولی۔ "آکم مادر! ہم نے دس روز پہلے اطلاع دی تھی کہ ہم ماں بننے والے ہیں۔ آپ خواہ مخواہ ایک اور سوکن لے آئی ہیں۔ اس بار ہم ایک لڑکے کو جنم دینے والے ہیں۔"

ماہم بیگم نے کہا۔ "تم پہلے ایک بیٹی کو جنم دے چکی ہو۔ ہمیں بھروسہ نہیں ہے۔ جب بیٹے کو جنم دو گی تو کلیجے سے لگا لیں گے۔"

ایک ماہ بعد میوہ جان نے یہ خوشخبری سنائی۔ "میں بھی ماں بننے والی ہوں۔"

انشاء اللہ ایک بیٹے کو جنم دوں گی۔"

ماہم بیگم نے براق نامی ایک بہت قیمتی زیور بنوایا۔ پھر اسے دونوں کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔"جو بھی بیٹا پیدا کرے گی۔ یہ زیور اسی کا ہوگا۔"

ہمایوں کی سب ہی بیگمات شاہی خاندانوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کے پاس مال و دولت کی کمی نہیں تھی۔ پھر بھی عورت کو جتنا زیور ملے کم ہی لگتا ہے۔ ایک بیٹا پیدا کرنے پر براق جیسا قیمتی زیور ملتا تو وہ چمکتا دمکتا' ہیرے جواہرات سے مرصع زیور ایک فاتح ماں کے سینے سے تمغے کی طرح سجا رہتا۔

ان دنوں ہمایوں کی چار بیگمات تھیں۔ ایک تو بیگہ بیگم تھی۔ دوسری بی بی کوہ نور تھی۔ اس سے علیحدگی ہو چکی تھی۔ تیسری کا نام چاند بی بی اور چوتھی شاد بی بی تھی۔ چونکہ چار سے زیادہ کی گنجائش نہیں تھی۔ اس لئے ماہم بیگم دوسری بہو کوہ نور کو ہٹا کر میوہ جان کو لے آئی تھی۔

چاند بی بی اور شاد بی بی نے ابھی تک نہ بیٹا پیدا کیا تھا' نہ بیٹی.....جب زرخیز زمینیں خریدی گئی تھیں تو یہ آسرا بھی تھا کہ اپنی مطلوبہ فصل ضرور ہوگی۔ بیگہ بیگم بیٹا پیدا کرے یا نہ کرے۔ اس کا بول بالا رہتا تھا۔ وہ بہت ہی اعلیٰ شاہی خاندان سے تعلق رکھتی تھی اور ہمایوں کی سرچڑھی تھی۔ باقی تین بیگمات اندیشوں میں مبتلا ہو گئی تھیں کہ جو بھی بیٹی پیدا کرے گی اسے ہمایوں کی زندگی سے اور شاہی خاندان سے خارج کر دیا جائے گا۔

امتحان کے نتائج مقررہ وقت پر سامنے آنے لگے۔ بیگہ بیگم نے ایک دن اور دو راتوں تک دردِ زہ میں مبتلا رہنے کے بعد ایک بیٹی کو جنم دیا۔ جیسے ہی خبر ملی کہ بیٹی ہوئی ہے۔ وہ صدمے سے چیخنے لگی۔ غصے سے کہنے لگی۔"بیٹی کو اٹھا کر پھینک دیا جائے۔ یہ ہمارے نصیب میں خواری لے کر آئی ہے۔ ہم اس کا منہ نہیں دیکھیں گے۔"

وہ اپنی خوش دامن ماہم بیگم کے پاس جھوٹی اطلاع نہیں بھیج سکتی تھی کہ بیٹے کو جنم دیا ہے۔ کیونکہ اس کے آس پاس ماہم بیگم کی وفادار خادمائیں رہا کرتی تھیں۔ دوسری حاملہ بہو میوہ جان تھی۔ دس ماہ گزر چکے تھے گیارھواں مہینہ لگا تو پوچھا گیا۔"زچگی کیوں نہیں ہو رہی ہے؟"

وہ سہمی ہوئی تھی۔ جھجکتے ہوئے بولی۔"ہمارے خاندان میں اکثر دس یا گیارہ

مہینوں کے بعد زچگی ہوا کرتی ہے۔ میرے ساتھ بھی یہی ہو رہا ہے۔"

ماہم بیگم نے ایک تجربہ کار دائی کو بلا کر کہا۔"اس کا معائنہ کرو اور بتاؤ' ہماری مراد کب پوری ہوگی؟"

بند کمرے میں معائنہ کیا گیا تو بھید کھل گیا۔ میوہ جان پیٹ پر چمڑے کا سخت خول باندھے حاملہ بنی پھرتی تھی۔ وہ ہندوستان کی ملکہ کو اتنا بڑا فریب دے رہی تھی۔ ماہم بیگم غصے سے پھٹ پڑی۔ اس پر چابک برساتے ہوئے بولی۔"بدبخت! ذلیل! دو کوڑی کی خادمہ! تو نے ہم سے جھوٹ بولنے اور دھوکا دینے کی جرات کیسے کی؟ تجھے بہو بنایا' بلند مرتبہ دیا اور تو سر پر ناچنے لگی؟ تو نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ نیچی ذات کے لوگوں کو کبھی منہ نہیں لگانا چاہئے۔"

ماہم بیگم تھک گئی تو ایک خواجہ سرا میوہ جان کی پٹائی کرنے لگا۔ وہ رو رو کر کہہ رہی تھی۔"مجھے معاف کر دیں۔ شہزادے کو حاصل کرنے کے لئے جذبات میں اندھی ہو گئی تھی۔ میں نے صاحب عالم کے قدموں میں رہنے کے لئے جھوٹی خوشخبری سنائی تھی۔ خدا کے لئے مجھے معاف کر دیں۔"

اس کا بدن لہولہان ہو گیا تھا۔ وہ جو ظلم ہو رہا تھا' جو سزا مل رہی تھی۔ وہ ناقابل برداشت ہو رہی تھی۔ پھر بھی وہ نقاہت سے کہہ رہی تھی۔"میں نے سات ماہ پہلے جھوٹ بولا تھا۔ تب سے اب تک پچھتا رہی ہوں۔ اندیشوں میں مبتلا رہتی تھی کہ میرا کیا بنے گا؟ بس ایک ہی امید تھی کہ صاحب عالم کبھی مجھے خلوت میں طلب کریں گے تو میں ان کے ذریعہ آپ سے رحم کی درخواست کروں گی۔"

ماہم بیگم کی بڑی صاحبزادی گل بدن بیگم نے آکر سفارش کی۔"آکم مادر! یہ میری خادمہ تھی۔ میں نے اسے آپ کے حوالے کیا تھا۔ اس نے جھوٹ بولا' دھوکا دیا۔ اسے بہت سزا مل چکی ہے۔ خدارا۔ اسے معاف کر دیں۔ اس کی جان بخش دیں۔"

ماہم بیگم نے حقارت سے کہا۔"اس بدبخت کو ہماری سلطنت سے باہر لے جا کر پھینک دیا جائے۔ اگر آئندہ یہ کہیں نظر آئے تو اس کی گردن اڑا دی جائے۔"

فوراً ہی حکم کی تعمیل کی گئی۔ یوں ہمایوں کی چار میں سے ایک سیج پھر خالی ہو گئی۔

بیگہ بیگم کابل میں تھی۔ اسے اطلاع مل رہی تھی کہ اس کی ایک سوکن شاہی محل سے نکالی جا چکی

ہے۔ اور خوش دامن صاحبہ ایک پوتا حاصل کرنے کے لئے ایسی باؤلی ہو رہی ہے کہ پھر ایک چھوٹی ذات کو منہ لگا رہی ہے۔ اختری نامی ایک خادمہ کو سر چڑھایا جا رہا ہے۔ جمنا کنارے والی زمینیں اور ایک شاندار حویلی اس کے نام کی گئی ہے۔ شہزادہ ہمایوں کالنجر کی مہم سے واپس آئے گا تو اختری سے اس کا نکاح پڑھا دیا جائے گا۔

بیگہ بیگم کو یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک مسلمان نجومی نے اور ہندو جیوتشی نے پیش گوئی کی ہے کہ اختری ایک بیٹے کو جنم دے گی۔

بیگہ بیگم یہ سب کچھ سن رہی تھی اور انگاروں پر لوٹ رہی تھی۔ وہ بیٹی پیدا کرنے کے صدمات سے ایسے ٹوٹ گئی تھی کہ بستر سے اٹھ نہیں پا رہی تھی۔ مگر یہ سنتے ہی اٹھ بیٹھی کہ بیٹا پیدا کرنے کے لئے ایک نئی سوکن آنے والی ہے۔ اسے اپنی خوش دامن پر غصہ آ رہا تھا۔ یہ اچھی طرح جانتی تھی کہ جب تک ہمایوں تخت پر نہیں بیٹھے گا۔ وہ خود ملکہء معظمہ نہیں کہلائے گی۔ ملکہ بننے کے بعد ہی وہ اپنی ساس کے ہاتھ میں تسبیح تھما کر اسے کسی گوشے میں بٹھا سکتی تھی۔ ہمایوں کے بارے میں یہ یقین تھا کہ وہ اسے دل و جان سے چاہتا ہے۔ لیکن جب تک تخت کا وارث پیدا نہیں ہوگا۔ تب تک وہ یکے بعد دیگرے شادیاں کرتا رہے گا اور اس کی سوکنیں لاتا رہے گا۔

اب وہ یقین کے ساتھ سوچ رہی تھی۔ "ہم اگلی بار ضرور تخت کا جانشین پیدا کریں گے۔ لیکن اس سے پہلے بیٹا پیدا کرنے والی کو روکنا ہوگا۔"

یہ بات بھی ناقابلِ برداشت تھی کہ ایک دو کوڑی کی خادمہ بیٹا پیدا کرنے کے بعد دوسری تمام بیگمات سے افضل و برتر سمجھی جائے گی۔ ملکہ معظمہ اور ولی عہد کی والدہ ماجدہ کہلائے گی۔ اس نے حکم دیا۔ "سفر کی تیاریاں کی جائیں۔ ہم آگرہ جائیں گے۔"

اس کے میکے والوں نے اس کی خاص طبیبہ اور طبیب نے سمجھایا کہ ایسی کمزوری کی حالت میں ہزاروں کوس کا سفر نامناسب ہے۔ اچھی طرح علاج ہو جائے کچھ توانائی بحال ہو جائے۔ پھر سفر کا قصد کیا جائے۔

وہ ضدی تھی۔ اس نے کہا۔ "ہمارے ساتھ ہماری طبیبہ اور طبیب رہا کریں گے۔ ہم جگہ جگہ پڑاؤ کرتے رہیں گے۔ ایک آدھ روز آرام کریں گے پھر آگے چل پڑیں

گے۔ اپنے ہمایوں تک دیر سے پہنچیں گے لیکن پہنچ ہی جائیں گے۔"

وہ ہمایوں کو صرف اپنی ملکیت بنائے رکھنے کے لئے طرح طرح کے جتن کرتی رہتی تھی۔ اس کے سوتیلے بھائیوں کی سازشوں سے بھی آگاہ ہوتی رہتی تھی۔ اسے معلوم ہوا تھا کہ کامران مرزا لاہور کے تخت پر قبضہ جمانے کے لئے کابل سے نکلا ہوا ہے۔ اس نے ایک تیز رفتار گھڑ سوار کے ذریعہ ہمایوں کو پیغام بھیجا تھا۔ "ہمارے مجازی خدا! ہمارے سر کے تاج! یہ گذارش ہے کہ سوتیلے بھائیوں سے محبت ضرور کریں لیکن ان پر بھروسہ نہ کریں۔ کامران مرزا کی نیت میں فتور ہے۔ وہ لاہور کے تخت پر قبضہ جمانے کے لئے کابل سے نکلا ہوا ہے۔ آپ باوا حضرت بادشاہ (بابر) سے گذارش کریں کہ وہ کامران مرزا کو کابل واپس جانے کا حکم دیں۔"

بیگہ بیگم نے ہمایوں کے نام پیغام بھیجا تھا لیکن اسے یقین نہیں تھا کہ ہمایوں اس پر عمل کرے گا۔ کیونکہ وہ بھائیوں پر اندھا اعتماد کرتا تھا۔ بادشاہ بابر نے بھی اسے یہی نصیحت کی تھی کہ ایک ولی عہد کو اپنے سوتیلے بھائیوں سے محبت اور انصاف کرتے رہنا چاہئے۔

مرد سازشیں کم کرتے ہیں۔ اپنی قوتِ بازو پر زیادہ بھروسہ کرتے ہیں۔ تلوار کے زور پر تخت و تاج حاصل کرتے ہیں۔ اس کے برعکس عورتیں تلوار نہیں اٹھا سکتیں۔ اس لئے سازشیں زیادہ کرتی ہیں۔ بیگہ بیگم نے اپنی حکمرانی کو دائم و قائم رکھنے کے لئے ایک اور سازش کی۔ اس نے دوسرے سوتیلے بھائی ہندال کے نام پیغام بھیجا۔ "برادر! آپ جانتے ہیں ہم آپ کو بڑی بہن کی طرح پیار کرتے ہیں اور آپ کی بہتری چاہتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ آپ کے علم میں ہے باوا حضرت بادشاہ بسترِ علالت پر ہیں۔ کامران مرزا کو اب ان کا خوف نہیں رہا ہے۔ وہ لاہور پر قبضہ جمانے کے لئے اپنے لشکر کے ساتھ کابل سے نکل چکا ہے۔ اب کابل کا تخت خالی ہے۔ آپ یہاں اپنے لشکر کے ساتھ آئیں اور اپنی بادشاہت کا اعلان کریں۔ کامران مرزا کی واپسی کا راستہ بند کر دیں۔"

بابر کے تینوں بیٹے کامران، عسکری اور ہندال اسی انتظار میں تھے کہ باپ کی آنکھیں بند ہوں تو ہمایوں سے اس کا اقتدار چھین لیا جائے۔ وہ سب ہی باپ سے خوفزدہ رہتے تھے۔ لیکن اب اس کی بیماری نے سارا خوف دور کر دیا تھا۔ ہندال بھی بادشاہت کے لئے پر تول

رہا تھا۔ بیگہ بیگم کا خفیہ پیغام ملتے ہی وہ اپنے لشکر کے ساتھ کابل کی طرف چل پڑا۔

بیگہ بیگم نے پھر ایک چال چلی۔ اس نے کامران مرزا کے نام پیغام بھیجا۔ "برادر اگر چہ رشتے میں ہم آپ کے بھائی کی بیگم ہیں۔ لیکن آپ کو بڑی ہمشیرہ کی طرح چاہتے ہیں۔ آپ کو بروقت اطلاع دے رہے ہیں۔ اگر کابل میں اپنا اقتدار قائم رکھنا چاہتے ہیں تو فوراً واپس چلے آئیں۔ کیونکہ ہندال اپنے لشکر کے ساتھ کابل پہنچنے والا ہے۔"

بیگہ بیگم کی یہ دو طرفہ سازشیں کامیاب رہیں۔ کوئی بھی دوسرے کے گھر پر قبضہ جمانے سے پہلے اپنے گھر میں مضبوطی سے قدم جماتا ہے۔ کامران کو یہ اندیشہ تھا کہ حضرت بادشاہ بابر بسترِ علالت سے اٹھ بیٹھے تو اسے بغاوت کے جرم میں کابل کے تخت سے بھی محروم کر دیں گے۔

اس کا ماموں یعنی گل رخ بیگم کا بھائی یہ پیغام لے کر آیا تھا۔ "بیٹے کامران ہمایوں کالنجر کی مہم کے لئے نکل رہا ہے۔ آگرے کا تخت خالی ہے۔ حضرت بادشاہ بابر علیل پڑے ہیں۔ وہ اپنا دفاع نہیں کر پائیں گے۔ تم انہیں حراست میں لے کر ہمایوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر سکتے ہو۔ وہ حضرت بادشاہ کو جان سے زیادہ چاہتا ہے۔ ان کی خاطر ہتھیار ڈال دے گا۔"

کامران مرزا نے ماں کو لکھ بھیجا۔ "آپ ہمیں ہندوستان کا بادشاہ بنانا چاہتی ہیں۔ لیکن حالات موافق نہیں ہیں۔ آپ کی سوکن دلدار بیگم کا بیٹا ہمارا سوتیلا بھائی ہندال اپنے لشکرِ جرار کے ساتھ کابل کی طرف آ رہا ہے۔ ہمیں اس کی سرکوبی کے لئے واپس جانا ہوگا۔

عزیز از جان مادر! ہم آپ کا خواب ضرور پورا کریں گے۔ ہندوستان کے بادشاہ ضرور بنیں گے۔ لیکن ذرا صبر کریں۔ بابا حضرت بادشاہ کو اس دنیا سے کوچ کرنے دیں۔ آپ کے دو جوان بیٹے ہیں۔ ہم بعد میں ہمایوں اور ہندال سے بخوبی نمٹ لیں گے۔"

بیٹے کا یہ تحریری پیغام گل رخ بیگم کو ملا تو وہ غصے سے تلملاتی ہوئی دلدار بیگم کے پاس آئی۔ اسے بیٹے کا پیغام پڑھاتے ہوئے بولی۔ "آپ کا صاحبزادہ ہندال آستین کا سانپ ہے۔ ہمارے بیٹے کامران کو ڈس لینا چاہتا ہے۔"

دلدار نے کہا۔ "آپ ہمارے بیٹے کو آستین کا سانپ اس لئے کہہ رہی ہیں کہ وہ کابل کے تخت پر قبضہ جمانا چاہتا ہے؟ کامران مرزا تو اس سے بھی زیادہ زہریلا ہے۔ آپ نے اپنے بیٹے کو یہاں بلایا ہے تاکہ وہ ایک ہی وار میں بیمار والد کو قیدی بنائے اور یہاں کے تخت پر قبضہ جما کر ہمایوں کی واپسی کا راستہ روک دے۔"

"ہم نے وعدہ کیا تھا' آپ کے بیٹے ہندال کو سوتیلا نہیں سمجھا جائے گا۔ بعد میں اسے ہندوستان کے ایک بہت بڑے علاقے پر حکومت کرنے کا موقع دیا جائے گا۔"

دلدار نے کہا۔ "جو بیوی اپنے مجازی خدا کی نہیں ہے' جو بیٹا اپنے بیمار والد کو قیدی بنانے کے لئے یہاں آ سکتا ہے۔ ان کے وعدوں اور قسموں پر بھروسہ کرنے والی کوئی نادان یا پاگل عورت ہی ہوگی۔"

پھر دلدار نے دونوں ہاتھ کمر پر رکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا ہم ایسے ہی نادان دکھائی دیتے ہیں؟ آپ اپنی سوکن ماہم بیگم کے خلاف بھرپور سازشیں کر رہی ہیں۔ ہم بھی تو سوکن ہیں۔ کیا ماہم بیگم سے نمٹنے کے بعد ہمیں آسانی سے چھوڑ دیں گی؟ کیا ہمارے خلاف سازشیں نہیں کریں گی؟"

گل رخ نے اسے چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ پھر کہا۔ "آپ بہت پچھتائیں گی دلدار بیگم! ہمارے دو کڑیل صاحبزادے ہیں۔ وہ ہمایوں جیسے ولی عہد سے ٹکرا سکتے ہیں تو آپ کا ہندال کس گنتی میں آتا ہے؟ اسے تو وہ ایک چٹکی میں مسل کر رکھ دیں گے۔"

"اگر ایسا کچھ ہوا تو صرف میں نہیں۔ آپ بھی پچھتائیں گی۔ ہم جب چاہیں ماہم بیگم کا اعتماد حاصل کر سکتے ہیں۔ اس جرم کا اعتراف کر سکتے ہیں کہ ہم دونوں نے ہمایوں کی ہلاکت کے لئے وہ تعویز ایک عامل سے لکھوایا تھا اور اسے اس کے بستر تک پہنچایا تھا۔ سب ہی جانتے ہیں کہ اختری جیسی ادنیٰ خادمہ کا بیان تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ لیکن ہم تو حکمرانِ وقت حضرت بادشاہ بابر کی بیگم ہیں۔ ہماری چشم دید گواہی کو سب ہی تسلیم کریں گے۔ پھر آپ کا کیا بنے گا گل رخ بیگم....؟"

وہ اسے طنزیہ انداز میں دیکھ کر جانے لگی۔ گل رخ نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "رک جائیں....."

اس نے رک کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ نرم پڑ گئی تھی۔ قریب آ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔ ''ہمیں آپس میں نہیں لڑنا چاہئے۔''

دلدار بیگم نے کہا۔ ''آپ غلط کہہ رہی ہیں۔ ہمیں لڑنا چاہئے۔ کیونکہ ہم سوکنیں ہیں۔ فی الحال ہم نے ماہم بیگم کے خلاف اتحاد قائم کیا ہے۔ یہ کہیں کہ اس اتحاد کو ابھی ٹوٹنا نہیں چاہئے۔ بعد میں دیکھا جائے گا۔''

''چلو۔ یہی سہی۔ ہمارا یہ اتحاد ابھی قائم رہنا چاہئے۔''

''اسی شرط پر قائم رہے گا کہ آپ ابھی کسی تیز رفتار گھڑ سوار کو کابل روانہ کریں۔ ایک نامہ آپ اپنے بیٹے کو ارسال کریں گی اور ایک نامہ ہماری طرف سے ہمارے بیٹے کے نام جائے گا۔ دونوں کو تاکید کی جائے گی کہ وہ آپس میں جنگ نہ کریں اور نہ ہی ایک دوسرے کو کسی طرح کا نقصان پہنچائیں۔''

''بے شک۔ ہم ابھی برادر کو بلاتے ہیں۔ وہ کسی تیز رفتار قاصد کا انتظام کریں گے۔ چلیں آئیں۔ ہم اپنے اپنے صاحبزادوں کو خط لکھیں۔''

اُدھر کابل میں ہمایوں کی بیوی بیگہ بیگم اور اِدھر آگرے میں بابر کی بیگمات اپنی اپنی شاہانہ ذہانت سے جوڑ توڑ میں مصروف تھیں اور بابر پر یہ کہاوت صادق آ رہی تھی۔

''....مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔''

طبیب حضرات پریشان تھے۔ ان کی کوئی دوا اثر نہیں دکھا رہی تھی۔ بابر نے کہا۔ ''مرض الموت آخری مرض ہوتا ہے.... اور اس کی دوا دنیا کے کسی طبیب کے پاس نہیں ہوتی۔''

اس نے ماہم بیگم اور اپنی بڑی ہمشیرہ کو بلا کر کہا۔ ''ہماری دونوں صاحبزادیوں کی فوراً شادی کی جائے۔ دونوں کی نسبت پہلے سے طے ہے۔ کوئی دھوم دھام نہ کریں۔ شادی بیاہ کی پرتکلف رسومات ادا نہ کریں۔ بس ان کا نکاح پڑھوا دیں۔''

اس حکم کی تعمیل اس کی آخری خواہش کی طرح کی گئی۔ ماہم بیگم نے فوراً ہی ہمایوں کو پیغام بھجوا دیا۔ ''جانِ مادر! تمہارے باوا حضرت بادشاہ کی حالت غیر ہے۔ ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر ایسے آؤ جیسے ہوا کے گھوڑے پر آیا کرتے ہیں۔''

کالنجر کا قلعہ فتح ہو چکا تھا۔ وہاں قدم جمائے رکھنے کی ضرورت تھی۔ ہمایوں نے اپنے سپہ سالار کو ضروری فرائض ادا کرنے کے لئے وہاں چھوڑا۔ پھر برق رفتاری سے بیمار والد کے پاس پہنچ گیا۔ بابر کو خانۂ کلاں کی ایک شاہانہ سیج پر پہنچایا گیا تھا۔ اس سیج کے سامنے سونے چاندی کا تخت بچھایا گیا تھا۔ جب ہمایوں وہاں پہنچا تو بابر نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔ ''ہم نے تمہاری بہنوں کی شادیاں کرا دیں۔ اب آخری فرض رہ گیا ہے۔''

پھر اس نے تمام اُمراء کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ نصیرالدین ہمایوں ہمارا ولی عہد کہلاتا رہا ہے۔ ہم ابھی اپنا عہد پورا کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ہمارے تخت و تاج کا وارث ہے۔ اسے تختِ شاہی پر بٹھا کر تاجِ حکمرانی پہنایا جائے۔''

ہمایوں نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ ''باوا حضور! آپ کی یہ خواہش پوری ہوگی۔ مگر ذرا دم لیں۔ اللہ نے چاہا تو آپ جلد ہی صحت یاب ہوں گے۔ پھر یہ تخت نشینی اچھی لگے گی۔''

''ہمیں یہ اچھا لگ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری جان کا صدقہ قبول کیا ہے۔ ہم اس کے شکر گزار ہیں۔ آگے بحث نہ کرو۔ ہمارے حکم کی تعمیل کرو۔''

تمام اُمراء ہمایوں کے دائیں بائیں اور پیچھے آ کر کھڑے ہو گئے۔ اسے ساتھ لے جا کر تخت پر بٹھایا گیا۔ ہر طرف سے مبارک سلامت کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ بیگمات اور کنیزیں مہین ریشمی پردوں کے پیچھے تھیں۔ ماہم بیگم کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ اس کے برعکس گل رخ بیگم اور دلدار بیگم انگاروں پر لوٹ رہی تھیں۔ ہمایوں کی تاج پوشی ہو رہی تھی۔ کلام پاک کی آیتیں پڑھی جا رہی تھیں۔ ہاتھ اٹھا کر نئے بادشاہ کی سلامتی کے لئے دعائیں مانگی جا رہی تھیں۔ اختری مارے خوشی کے ایک ستون سے لپٹ گئی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا' جیسے ہمایوں نے آ کر اسے اپنے وجود سے لگا لیا ہے۔ ماہم بیگم نے کہا تھا' جب وہ کالنجر کا قلعہ تسخیر کر کے آئے گا تو اس کے ساتھ اس کا نکاح پڑھوائیں گی۔ اب وہ مسرتوں بھرا دن اور سہاگ کی ایک رات آنے ہی والی تھی۔

ہمایوں تخت سے اتر کر تیزی سے چلتا ہوا والد کے پاس آ گیا۔ جھک کر اس کے سینے سے لگ کر رونے لگا۔ بادشاہ بابر نے اس کی پشت کو تھپکتے ہوئے کہا۔ ''ہم سے اتنا فاصلہ رکھو کہ تمہارا چہرہ دیکھ سکیں۔''

وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ بادشاہ بابر نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا۔ ''اس مبارک گھڑی میں وعدہ کرو۔ کامران مرزا' عسکری مرزا اور ہندال سے برادرانِ یوسفؑ جیسا سلوک نہیں کرو گے۔ بلکہ حضرت یوسفؑ کی طرح اپنے بھائیوں کے ساتھ محبت اور رواداری سے پیش آتے رہو گے۔ ان کی چھوٹی بڑی غلطیاں فراخ دلی سے معاف کرتے رہو گے اور ان کے جائز حقوق ادا کرتے رہو گے۔''

ہمایوں نے وعدہ کیا کہ وہ اس کے ایک ایک حکم کی تعمیل کرتا رہے گا۔ ایسے ہی وقت باپ کے ہاتھوں کی گرفت بیٹے کے ہاتھ پر ڈھیلی پڑ گئی۔ اس نے بڑی نقاہت بھری آواز سے کلمہ طیبہ پڑھا۔ پھر ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا۔ موت کی تصدیق ہوتے ہی ایک کہرام برپا ہو گیا۔ کیا عورتیں اور کیا مرد سب ہی رونے اور سینہ کوبی کرنے لگے۔ وہ پہلا بادشاہ تھا' جس نے ہندوستان' میں مغل سلطنت کی بنیاد ڈالی تھی اور ایسی مضبوط بنیاد ڈالی تھی کہ تقریباً سوا دو سو برس تک مسلمان ہندوستان پر حکومت کرتے رہے تھے۔

وہ پہلا مسلمان بادشاہ تھا' جس نے شراب پینے سے توبہ کی تھی اور شراب پینے پر سختی سے پابندی عائد کی تھی۔ اس نے بیٹے کے لئے جان کا صدقہ دیتے وقت کہا تھا۔

''پیش نقد جاں گو ہر چہ باشد
نثار دوست باشد ہر چہ باشد''

جب بابر کا دم نکلا تو ماہم بیگم نے ماتم کرتے ہوئے کہا۔ ''ساری دنیا ماں کی ممتا اور اس کی قربانیوں کو تسلیم کرتی ہے۔ مگر آج ایک باپ دنیا کی تمام ماؤں پر سبقت لے گیا ہے۔''

☆☆☆

ہمایوں جس تخت پر بیٹھا' اس میں کانٹے ہی کانٹے تھے۔ کتنے ہی دشمن حضرت بادشاہ بابر کی آنکھیں بند ہونے کے انتظار میں تھے۔ ایک طرف بہار کا حکمران شیر خان سُوری تھا۔ دوسری طرف چھوٹے بڑے علاقوں کے سلطان اور کتنے ہی راجے مہاراجے تھے۔ ان سب سے بڑھ کر آستین کے سانپ تین سوتیلے بھائی تھے۔ سب ہی آگرے اور دہلی کے تخت پر بیٹھنا چاہتے تھے۔

حضرت بادشاہ بابر کی وفات کے بعد ارادہ تھا کہ چالیس دنوں تک سوگ منایا

جائے گا۔ سوتیلے بھائیوں نے بھی باپ کی موت کا لحاظ کیا تھا۔ ان میں سے کسی نے کھلی بغاوت اور لشکر کشی نہیں کی تھی۔ لیکن ماتم کے ساتھ ساتھ عداوتی منصوبے بناتے رہے تھے۔

دور دراز کے علاقوں میں چھوٹے بڑے راجے مہاراجے متحد ہو رہے تھے۔ ان کے درمیان اس طرح اتحاد ہو رہا تھا کہ وہ اپنے چھوٹے چھوٹے لشکروں کو ملا کر ایک بہت بڑا لشکر بنا رہے تھے۔ وہ مسلمانوں کو آگرے اور دہلی سے پسپا کر کے ہندوستان سے جانے پر مجبور کر دینا چاہتے تھے۔

شیر خان سوری کے متعلق مشہور ہے کہ وہ جتنا دلیر اور جنگجو حکمران تھا' اتنا ہی انسان دوست بھی تھا۔ دکھی انسانوں کے جذبات کو سمجھتا تھا۔ اس نے طے کیا تھا کہ جب تک حضرت بادشاہ بابر مرحوم کا خاندان سوگوار رہے گا تب تک وہ آگرے کا رخ نہیں کرے گا۔

دلدار بیگم کا مزاج بدل گیا تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھ گئی تھی کہ گل رخ بیگم سے اتحاد کر کے خسارے میں رہے گی۔ اس نے اپنے بیٹے ہندال کو تاکید کی کہ وہ کبھی کامران اور عسکری پر بھروسہ نہ کرے۔ ہمیشہ ہر حال میں ہمایوں کا ساتھ دیتا رہے۔

گل رخ نے اپنے دونوں بیٹوں کو پیغام بھیجا۔ ''جو ٹوٹ رہا ہو' اسے توڑنا اور آسان ہو جاتا ہے۔ ہمایوں روزے نماز اور قرآن خوانی میں مصروف رہتا ہے۔ ابھی جنگجوئی کے سلسلے میں مستعد نہیں ہو سکے گا۔ دیر کس بات کی ہے؟ فوراً دونوں بھائی متحد ہو کر تمام لشکر کے ساتھ آگرہ پہنچو۔''

کامران مرزا نے جواباً لکھ بھیجا۔ ''آپ اپنے بیٹے عسکری مرزا کے مزاج کو خوب سمجھتی ہیں۔ وہ کسی حد تک بزدل بھی ہیں اور ضعیف الاعتقاد بھی.... انہوں نے خواب میں فردوس مکانی باوا حضور کو دیکھا ہے۔ ان کی نصیحتیں سنی ہیں۔ اور صاف کہہ رہے ہیں کہ چالیس دنوں تک اپنے سوتیلے بھائی کے خلاف لشکر کشی نہیں کریں گے۔

ہمیں اپنے مخبروں سے اطلاع ملتی رہتی ہے۔ ہمایوں اگرچہ دن رات عبادت میں مصروف رہتا ہے۔ لیکن اس کا سپہ سالار اپنے پورے لشکر کے ساتھ بہت ہی مستعد ہے۔ ابھی حالات ہمارے موافق نہیں ہیں۔ آپ ذرا صبر کریں۔''

ماہم بیگم بھی اپنے شوہر سے ابدی جدائی کا صدمہ سہہ رہی تھی۔ اس کے باوجود

اس کے اندر دنیاوی تقاضے چیخ رہے تھے۔ ان میں سے ایک تقاضہ یہ تھا کہ اتنی بہویں لانے کے باوجود تخت کا ایک وارث پیدا نہیں ہو رہا ہے۔ جیوتشی اور نجومی کی پیش گوئی سے ایک ڈھارس بندھی ہوئی تھی۔ اختری سے امیدیں وابستہ کر لی گئی تھیں۔

اس نے سوچا تھا کہ بیٹا کالنجر کی مہم سے واپس آئے گا تو فوراً اختری کے ساتھ نکاح پڑھا دیا جائے گا۔ وہ چاہتی تھی' جلد سے جلد اپنا مطلوبہ نتیجہ سامنے آ جائے۔

مگر حالات نے اسے مجبور کر دیا تھا۔ آئندہ چالیس دنوں کے بعد ہی وہ نئی بہو کو بیٹے کی سیج پر بھیج سکتی تھی۔ ایسے وقت ہمایوں کی بڑی بیوی بیگہ بیگم وہاں پہنچ گئی۔ ماہم بیگم نے اسے دل سے خوش آمدید نہیں کہا۔ کیونکہ وہ دوسری بار بھی ایک بیٹی کو جنم دے کر اسے میکے میں چھوڑ آئی تھی۔

بیگہ بیگم نے اپنی خوش دامن سے کہا۔ "اب آپ کے بیزار ہونے سے ہمارے لئے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ہمارے ہمایوں نے آتے ہی ہمیں گلے لگایا ہے اور ہمیشہ کی طرح وہ ہمیں اپنا سایہ بنا کر ساتھ رکھنے والے ہیں۔"

ماہم بیگم نے نفرت سے کہا۔ "تم ضرور ہمارے بیٹے کو کچھ گھول کر پلاتی ہو۔ اسی لئے وہ تمہارے پیچھے لگا رہتا ہے۔"

"ہم آپ کو یہ سمجھانے آئے ہیں کہ اب آپ کے اختیارات محدود ہو چکے ہیں۔ آپ کے بادشاہ سلامت..... سلامت نہیں رہے۔ اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔ ہمارے مجازی خدا..... خدائے سلطنت ہیں۔ اب ہم بڑی بیگم ہونے کے حوالے سے ملکہء معظمہ ہیں۔ آپ صرف بادشاہ کی والدہ ہونے کے حوالے سے معزز رہیں گی۔ ہم سب آپ کا احترام کرتے رہیں گے۔ لیکن آپ اپنے احکامات ہم پر مسلط نہیں کر سکیں گی۔"

ماہم بیگم نے ذرا تن کر کہا۔ "ہم محدود ہو کر بھی لامحدود رہیں گے۔ جب تک ایک وارث پیدا نہیں ہوگا۔ ہم اپنے بیٹے کے لئے بہویں لاتے رہیں گے اور اس سلسلے میں بیٹا ہماری حمایت کرتا رہے گا۔"

وہ مسکرا کر بولی۔ "تخت کے ایک وارث کو لانے کے لئے ہم بھی حمایت کرتے رہیں گے۔ یوں ہمارے سرتاج کا پیار اور اعتماد ہم پر مستحکم رہے گا۔"

پھر وہ دور کھڑی ہوئی کنیزوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "ویسے وہ کنول کہاں ہے' جسے آپ کیچڑ سے نکال کر بادشاہ وقت کی خوابگاہ میں پہنچانا چاہتی ہیں؟"

اختری کو طلب کیا گیا۔ اس نے فوراً ہی حاضر ہو کر بیگہ بیگم کو ادب سے سلام کیا۔

بیگہ نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا پھر ناگواری سے منہ بنا کر کہا۔ "کوئی خاص تو ہے نہیں۔ مگر نجومیوں نے اسے بہت ہی خاص بنا دیا ہے۔"

ماہم بیگم نے کہا۔ "کوئی اپنے حسن و شباب سے اور کوئی شاہانہ طمطراق سے خاص بن جاتی ہے۔ اسے مقدر نے سب سے اہم اور خاص بنا کر بھیجا ہے۔ اس دن کو سوچو... جب یہ ایک جانشین کو جنم دے کر تمام بیگمات سے برتر ہو جائے گی۔"

وہ بولی۔ "آپ ہمیں آنے والے کل کے بارے میں سوچنے کی بات کہہ رہی ہیں اور ہم تو پہلے ہی بہت کچھ سوچ سمجھ کر آئے ہیں۔"

وہ وہاں سے پلٹ کر جانے لگی۔ ماہم بیگم نے چونک کر پوچھا۔ "کیا سوچ سمجھ کر آئی ہیں؟ ذرا ہم بھی تو سنیں۔"

وہ دروازے کے پاس سے پلٹ کر بولی۔ "یہی کہ وہ جو آنے والا کل ہوتا ہے' وہ کبھی نہیں آتا۔"

وہ کمرے سے چلی گئی۔ نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ ماہم بیگم خالی دروازے کو ناگواری سے دیکھتی رہی پھر اختری سے بولی۔ "خدا کرے... پیش گوئی درست ہو۔ تم نہیں جانتیں۔ ایک بیٹے کو جنم دے کر کس طرح ہماری اس مغرور بہو کا سر جھکاؤ گی؟"

اختری نے ایک گہری سانس لی۔ پھر دل ہی دل میں کہا۔ "وہ وقت تو آتے آتے رہ گیا ہے۔ اب بات چالیس دنوں کے لئے ٹل گئی ہے۔ بیگہ بیگم کی اس بات کے پیچھے ضرور کوئی گہری بات ہے کہ کل کبھی نہیں آتا۔"

اس نے پریشان ہو کر اپنی ہونے والی ساس کو دیکھا۔ پھر سر جھکا کر سوچا۔ "یا خدا! اس محل میں سازشیں بہت ہوتی ہیں۔ یہ بیگہ بیگم تو کچھ زیادہ ہی سازشی لگ رہی ہیں۔ کیا یہ مجھے ہمایوں بادشاہ تک پہنچنے دیں گی...؟"

تاج و تخت' بادشاہت' حکمرانی' رعب اور دبدبہ اور وسیع اختیارات یا تو بہ زور

شمشیر حاصل ہوتے ہیں یا سازشوں کے ذریعہ... شاہی محلات میں بیگمات سازشی تلوار ور کے ذریعہ ایک دوسرے کا گلا کاٹتی رہتی ہیں۔ وہ معمولی سی لڑکی ایسی بیگمات کے درمیان پھنسی تھی جو ایک دوسرے کو تلواروں کی دھار پر پہنچاتی رہتی تھیں۔ وہ یہ سوچ کر الجھ رہی تھی کہ پتہ نہیں آنے والے دنوں میں کیا ہونے والا ہے؟

کچھ روز بعد ہمایوں کی مزید دو بیگمات چاند بی بی اور شاد بی بی آ گئیں۔ وہ خوش تھیں کہ ان کے شوہر کو بادشاہت ملی ہے۔ لیکن سسر کی وفات کا سوگ منایا جا رہا تھا۔ اس لئے انہوں نے خوشی کا اظہار نہیں کیا۔ وہ دونوں چار ماہ پہلے ہمایوں کے ساتھ دہلی میں وقت گزار چکی تھیں۔ چاند بی بی نے ساس کے گلے لگتے ہوئے کہا۔ ''اس سوگوار ماحول میں ایک اچھی خبر یہ ہے کہ ہم امید سے ہیں۔''

ماہم بیگم نے اس سے الگ ہو کر کہا۔ ''ہماری کتنی ہی بہوؤں نے امید کے چراغ روشن کئے اور بجھا دیئے۔ ہو سکتا ہے، تم سے امید بر آئے۔ تمہارے طبی معائنے کا اور عیش و آرام کا خاص خیال رکھا جائے گا۔ بے شک۔ تم اپنے جلیل القدر بادشاہ سے ملو لیکن.... جب تک زچگی نہ ہو جائے، تب تک اس کی خلوت میں نہ جاؤ۔''

وہ دل پر گھونسہ مارنے والا حکم صادر کر کے وہاں سے چلی گئی۔ بہوؤں کے حالات اور ان کی کارکردگی کے مطابق وہ انہیں بیٹے کی خوابگاہ میں بھیجتی تھی اور جب وہ ضروری نہ سمجھی جاتیں تو انہیں خوابگاہ سے نکال دیا کرتی تھی۔ صرف ایک بیگہ بیگم ایسی تھی جو ہمایوں کی منہ چڑھی تھی۔ بیٹا اس کی سفارش کرتا تھا تو وہ اسے چھوٹ دے دیتی تھی۔

جب بیگہ بیگم کو معلوم ہوا کہ اس کی سوکن چاند بی بی ماں بننے والی ہے تو سکون غارت ہو گیا۔ راتوں کی نیندیں اڑ گئیں۔ اگلے چوبیس گھنٹوں میں ماہر نجومی منیر احمد شامی نے ماہم بیگم کے حکم کے مطابق چاند بی بی کا زائچہ بنایا تھا۔ اس کا بغور مطالعہ کیا تھا پھر یہ پیش گوئی کی تھی کہ چاند بی بی کے ستارے ایک بیٹے کی نوید دے رہے ہیں۔ آگے جو اللہ کو منظور ہوگا، وہی ہوگا۔

یہ سنتے ہی ماہم بیگم نے چاند بی بی کو سر پر بٹھا لیا تھا۔ اس کے ناز نخرے برداشت کئے جانے لگے تھے۔ دوسری طرف بیگہ بیگم انگاروں پر لوٹنے لگی تھی۔ بے شک وہ ہمایوں کو

دل و جان سے چاہتی تھی، اس کی بہتری اور سلامتی کے ساتھ یہ بھی دلی خواہش تھی کہ ہمایوں کا ایک جانشین پیدا ہو۔ لیکن کسی سوکن سے نہ ہو۔ وہ دو بار بیٹیاں پیدا کرنے کے بعد اب بھی یقین سے کہتی تھی کہ اگلی بار ضرور ایک بیٹے کو جنم دے گی۔

اب اس کے دماغ میں یہ بات پک رہی تھی کہ نجومی منیر احمد شامی کی پیش گوئی درست نہ ہو۔ اگر صحیح ہو تو اسے غلط کر دیا جائے..... اور اسے غلط کس طرح کیا جا سکے گا؟ اس کے لئے ایک ٹھوس منصوبے کی ضرورت تھی۔

ادھر ماہم بیگم نے ہمایوں سے کہا۔ ''اختری جیسی ادنیٰ خادمہ کو عزت دی جا رہی ہے۔ اس کا مرتبہ بلند کیا جا رہا ہے۔ اسے جمنا کنارے والی ایک چھوٹی سی جاگیر دی گئی ہے۔ اسے اسی شرط پر تمہاری منکوحہ بنایا جائے گا کہ وہ ایک بیٹے کو جنم دے گی لیکن.....''

بیٹے نے ماں کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ بولی۔ ''ہمارے نجومی منیر احمد شامی نے چاند بی بی کے لئے پیش گوئی کی ہے۔ ہماری اس بہو سے ایک بیٹے کی امید ہے۔ اگر پیش گوئی درست ہوگی، ایک جانشین پیدا ہوگا تو پھر اختری جیسی ادنیٰ خادمہ کو کیوں سر پر چڑھایا جائے؟''

ہمایوں نے کہا۔ ''بے شک۔ شاہی خاندان کے وارث کا حسب و نسب صرف باپ کی طرف سے ہی نہیں.... ماں کی طرف سے بھی ارفع و اعلیٰ ہونا چاہئے۔ لیکن شامی کی پیش گوئی مبہم ہے۔ اگر وہ درست نہ ہوئی، چاند بی بی ایک بیٹے کو جنم نہ دے سکیں تب آپ کا فیصلہ کیا ہوگا؟''

''اگلے تین ماہ میں زچگی متوقع ہے۔ اگر ہمارا مطلوبہ نتیجہ سامنے نہ آیا تو چار ماہ بعد اختری سے تمہارا نکاح پڑھوا دیا جائے گا۔''

اختری نے یہ فیصلہ سنا تو اس کا دل ڈوبنے لگا۔ پہلے تو یہ کہا گیا تھا کہ ہمایوں کالنجر کی مہم سے واپس آئے گا تو نکاح پڑھایا جائے گا۔ اس کے بعد حضرت بادشاہ بابر نے وفات پائی تو یہ معاملہ چالیس دنوں کے لئے ٹل گیا۔ اب مزید چار ماہ کے لئے ٹل رہا تھا۔ وہ اپنے محبوب کو اب تک صرف ایک بار چھو پائی تھی۔ یعنی دروازے پر دستک دی تھی۔ دہلیز پر منتظر کھڑی تھی۔ اندر قدم رکھنے کے لئے نکاح کی سند نہیں مل رہی تھی۔ جدائی کا عرصہ طول کھینچتا

جار ہا تھا۔

اسے جو جاگیر عطا کی گئی تھی وہاں ایک خوبصورت سی حویلی تھی۔ ماہم بیگم نے حکم دیا کہ وہ چار ماہ تک اس حویلی میں رہے گی۔ اس کی حفاظت کے لئے چار کنیزیں' نگرانی کے لئے چار خواجہ سرا اور محافظ کے طور پر چار اُردابیگنیاں رہا کریں گی۔

اُردا بیگنی ایسی محافظ عورتوں کو کہا جاتا تھا جو سپاہیوں کی وردیوں میں رہا کرتی تھیں۔ تیر وتلوار چلانا خوب جانتی تھیں۔ جس طرح قربانی کے جانور کو چار دیواری کے احاطے میں باندھ کر رکھا جاتا ہے اسی طرح اختری کو حویلی کی چار دیواری تک محدود کر دیا گیا تھا۔

ادھر چالیس دن پورے ہونے سے پہلے ہی گجرات کے سلطان احمد شاہ نے بغاوت کا اعلان کر دیا۔ ہمایوں اپنے باوا حضور کے چالیسویں سے پہلے سلطنت کے اُمور میں دلچسپی نہیں لینا چاہتا تھا۔ لیکن ایک سلطان کی بغاوت سے دوسرے سلطان اور راجوں مہاراجوں کے بھی حوصلے بلند ہو سکتے تھے اور فردوس مکانی (حضرت بادشاہ بابر) کی قائم کردہ سلطنت کمزور ہوتی چلی جاتی۔ دوسروں کو بغاوت سے روکنے کے لئے سلطان احمد شاہ کی سرکوبی لازمی تھی۔ اس لئے ہمایوں کو مجبوراً اپنے لشکر کے ساتھ آگرے سے باہر جانا پڑا۔

کامران مرزا کو خبر ملی کہ آگرے کا تخت خالی پڑا ہے۔ وہ کسی جنگ و جدل کے بغیر وہاں قبضہ جما سکتا ہے۔ لیکن حالات پھر اس کے موافق نہ رہے۔ آس پاس کے راجاؤں نے متحد ہو کر ایک بڑا لشکر تیار کیا تھا۔ وہ لاہور کی طرف بڑھنا چاہتے تھے۔ کامران کو مجبوراً اپنے قریبی دشمنوں سے نمٹنا پڑا۔

دونوں بھائیوں کو فتح نصیب ہوئی۔ کامران نے ان راجاؤں کو بری طرح شکست دے کر بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ ہمایوں نے سلطان احمد شاہ سے گجرات کا علاقہ چھین لیا۔ یہ کہہ کر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ''تو مسلمان ہے لیکن دینی احکامات کا پابند نہیں ہے۔ تو نے فردوس مکانی حضرت بادشاہ بابر کی وفات پر تعزیت بھی نہیں کی۔ ہمارے باوا حضور کے چالیسویں کا بھی انتظار بھی نہیں کیا.... جا اب موت کا انتظار نہ کر۔ یہ آ چکی ہے۔''

اسے جہنم میں پہنچا دیا گیا۔ ہمایوں آگرے واپس آیا پھر باپ کے چالیسویں تک خیریت رہی۔ اس کے چند روز بعد ہی اطلاع ملی کہ شیر خان سوری ایک لشکرِ جرار کے ساتھ

بہار سے نکل پڑا ہے اور میدان مارتا ہوا قنوج کی طرف بڑھتا چلا آ رہا ہے۔

ہمایوں نے اپنے سپہ سالار کو حکم دیا کہ پورے لشکر کو دریا پار کوسوں دور تک پہنچایا جائے۔ دشمن کو اپنے علاقے سے بہت دور روکا اور پسپا کیا جائے گا۔ اسے آگے بڑھ کر دریا پار کرنے کا موقع نہیں دیا جائے گا۔

بیگہ بیگم نے ہمایوں سے کہا۔ ''آپ نے وعدہ کیا تھا کہ تخت پر بیٹھنے کے بعد ہمیں ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا کریں گے۔ لہٰذا ہمیں اپنے ساتھ دریا پار لے چلیں۔ جب تک جنگ شروع نہیں ہوگی ہم آپ کی خدمت کرتے رہیں گے۔''

وہ بولا۔ ''ہمیں اپنا وعدہ یاد ہے۔ لیکن آکم مادر اجازت نہیں دیں گی۔''

''بادشاہ سلامت بھول رہے ہیں۔ ہم ملکہ ہیں۔ اب کسی کی اجازت کے محتاج نہیں ہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ ہمارے لئے محترم ہیں۔ لیکن ہماری اور آپ کی ازدواجی زندگی میں انہیں مداخلت کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔''

ماہم بیگم نے سنا تو کہا۔ ''بے شک۔ ہمیں بادشاہ اور ملکہ کے معاملات میں مداخلت نہیں کرنی چاہئے۔ لیکن بادشاہ کو دوسری بیگمات سے بھی ناانصافی نہیں کرنی چاہئے۔ اگر تمہارے ساتھ ایک شریکِ حیات جائے گی تو چاند بی بی اور شاد بی بی کو بھی جانے کا حق پہنچتا ہے۔ اب تم شہزادے نہیں رہے ہو۔ تمہیں انصاف پسند بادشاہ بن کر حکومت کرنا ہے۔ سوچو۔ دوسری بیگمات کے ساتھ انصاف کرو گے یا نہیں؟''

یوں ماہم بیگم نے ایک پخ لگا دی۔ بیگہ بیگم نے بے بسی اور ناگواری سے اپنی خوش دامن کو دیکھا۔ ہمایوں نے فوراً ہی تسلیم کر لیا کہ وہ دوسری بیگمات کے ساتھ بھی انصاف کرے گا۔ ایسے وقت ایک خواجہ سرا نے آ کر دست بستہ عرض کیا۔ ''بادشاہ سلامت کا اقبال بلند ہو.... ہمارے سپاہیوں نے ایک مخبر کو پکڑا ہے۔ وہ شہزادہ کامران مرزا کا پیغام لے کر شیر خان سوری کے پاس جا رہا تھا۔''

اس نے ایک خط پیش کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ اس مخبر کے لباس سے برآمد ہوا ہے۔''

ہمایوں اسے کھول کر پڑھنے لگا۔ کامران مرزا نے لکھا تھا۔ ''بلند حوصلہ شیر خان سوری کا اقبال بلند ہو۔ تادم تحریر ہم لاہور میں ہیں۔ ہمارے درمیان یہ طے پایا ہے کہ آپ

قنوج فتح کرنے کے بعد چونسا کی طرف بڑھیں گے تو ہم آگرہ پر چڑھائی کریں گے۔ اس
طرح ہمایوں ہمارے درمیان پھنس جائے گا۔ آگے آپ ہوں گے' پیچھے ہم..... ہمارے اتحا
سے فتح یقینی ہوگی۔

آپ جواباً یہ تحریری عہد نامہ لکھ دیں کہ آگرہ کے تخت پر قبضہ کرنے کے بعد آگے
پیش قدمی نہیں کریں گے۔ لاہور ہمارے لئے چھوڑ دیں گے۔ آپ کا یہ عہد نامہ موصول
ہوتے ہی ہم اپنا لشکر لے کر آگرے کی سمت روانہ ہو جائیں گے۔"

اس تحریر کے نیچے کامران مرزا کا نام اور اس کی مہر دکھائی دے رہی تھی۔ چونکہ و
ہمایوں کی عدم موجودگی میں لاہور کا قائم مقام بادشاہ تھا۔ اس لئے اس نے بادشاہت کی مہ
اس تحریر پر لگائی تھی۔

ہمایوں غصے سے تلملانے لگا۔ ماہم بیگم نے اس تحریر کو پڑھنے کے بعد کہا۔ "گل
رخ بیگم لاہور پہنچی ہوئی ہیں۔ وہی اپنے بیٹے کو تمہارے خلاف بھڑکا رہی ہیں۔"

بیگہ بیگم نے کہا۔ "وہ سوتیلی ماں ہیں۔ وہ تو بھڑکائیں گی۔ لیکن سوتیلے بھائی بھی
سانپوں سے کم نہیں ہیں۔"

پھر وہ ہمایوں کو دیکھتے ہوئے بولی۔ "ہمارے بادشاہ سلامت پر برا وقت آیا ہے۔
آگے دشمن ہیں۔ پیچھے وہ سوتیلے سانپوں سے بھی زیادہ زہریلے ہیں۔ آپ پہلے ان کا سر
کچلنے کا انتظام کریں۔ پھر آگرے سے باہر نکلیں۔"

ہمایوں نے حالات سے مجبور ہو کر اپنے لشکر کا ایک حصہ آگرے میں ہی رہنے
دیا۔ پھر کامران مرزا کے نام ایک خط لکھا۔ "پدرزاد کامران مرزا! ہمارے دشمنوں سے ساز
باز تمہیں بہت مہنگی پڑے گی۔ تم نے ہمایوں کی طاقت کا غلط اندازہ کیا ہے۔ ہم دو طرفہ جنگ
لڑ سکتے ہیں۔ آؤ۔ اپنے لشکر کے ساتھ چلے آؤ۔ ہمارا لشکر تیروں' تلواروں' بندوقوں اور توپ
کے گولوں سے تمہارا استقبال کرنے والا ہے۔"

کامران مرزا کو اس بات نے خوفزدہ کر دیا کہ اس کا خط پکڑا گیا ہے اب ہمایوں کا
لشکر اسے آگرے کی حدود میں داخل نہیں ہونے دے گا۔ وہ جانتا تھا کہ ہمایوں فردوس مکانی
حضرت بادشاہ بابر کی طرح جتنا رحم دل ہے' اُتنا ہی سنگدل بھی ہے۔ اگر وہ آگرے پر یلغار

نہ کرے تو شاید اسے معافی مل جائے۔ ورنہ شکست ہوگی اور وہ گرفتار ہوگا تو ہمایوں اسے
زندہ زمین میں گاڑ دے گا۔

وہ تذبذب میں رہا کہ کیا کرنا چاہئے؟ شیر خان سوری اس کا ساتھ دے رہا تھا۔
لیکن قسمت ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ خط پکڑا گیا تھا۔ ہمایوں کے لشکر کا ایک حصہ اس کی
گوشمالی کے لئے تیار کھڑا تھا۔

ہمایوں آگرے سے نکل کر دریا پار گیا تو اس کے ہمراہ اس کی تین بیگمات'
کنیزیں اور خواجہ سرا وغیرہ بھی تھے۔ انہوں نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ بادشاہ اور بیگمات کے
لئے خیمے لگائے گئے۔ ان سے دس کوس آگے لشکرِ جرار شیر خان سوری کی آمد کا منتظر تھا۔ مخبر
نے خبر دی کہ شیر خان پچاس کوس آگے کسی مجبوری کے باعث رکا ہوا ہے۔ شاید دو چار دنوں
میں پیش قدمی کرے گا۔

دریا کنارے تمام بیگمات کے الگ الگ خیمے لگائے گئے تھے۔ ہمایوں بیگہ بیگم کے
ساتھ زیادہ وقت گزارتا تھا۔ مگر چاند بی بی اور شاد بی بی کا بھی بہت خیال رکھتا تھا۔ وہ شاد بی بی
کے ساتھ ایک رات گزارنے کے لئے اس کے خیمے میں گیا لیکن اس سے پہلے چاند بی بی سے
ملاقات کر کے کہا۔ "آکم مادر کا حکم ہے' زچگی ہونے تک ہمیں اپنے درمیان فاصلہ رکھنا
چاہئے۔ تین ماہ بعد تم ایک جانشین کو جنم دو گی۔ اس کے بعد ہم دن رات ساتھ رہا کریں گے۔"

چاند بی بی نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ وہ اسے تسلیاں دینے کے بعد شاد بی بی کے
خیمے میں آ گیا۔ بیگہ بیگم اپنے خیمے میں تنہا تھی۔ اس نے کنیز سے کہا' باہر جاؤ اور آفت جان کو
یہاں بھیج دو۔"

وہ حکم کی تعمیل کے لئے باہر چلی گئی۔ آفت جان ایک خواجہ سرا کا نام تھا۔ وہ بیگہ بیگم
کا وفادار بھی تھا اور راز دار بھی..... اس نے خیمے میں پہنچ کر آداب بجالاتے ہوئے کہا۔ "ملکہ
عالیہ کا اقبال بلند ہو۔"

بیگہ بیگم نے دھیمی آواز میں پوچھا۔ "تجھے جو کام دیا تھا' اس کا حساب دینے کیوں
نہیں آئی؟"

وہ ذرا قریب ہو کر بڑے رازدارانہ لہجے میں بولا۔ "آپ کے حکم کی تعمیل کر رہی

تھی۔ سارے انتظامات ہو چکے ہیں۔ آگرے واپس جانے سے پہلے ہی چاند بی بی اور شاد بی بی کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔"

بیگہ بیگم نے کہا۔ "چاند بی بی ایک جانشین کو جنم دینے والی ہے۔ جب بانس نہیں رہے گا تو بانسری وجود میں نہیں آئے گی۔ اس سوکن کو ہر حال میں ختم ہونا ہے۔"

تمام خیموں کے اندر شمعیں روشن تھیں۔ اور خیموں کے باہر مشعلیں جل رہی تھیں۔ ان خیموں سے دور مزید مشعلیں روشن تھیں۔ وہاں مسلح سپاہی بادشاہ سلامت اور اس کی بیگمات کی حفاظت کے لئے جاگ رہے تھے۔ ان وفاداروں کی موجودگی میں نہ دشمن آسکتے تھے' نہ موت آسکتی تھی۔ کوئی ضروری نہیں ہے کہ موت تیر' تلوار' بندوقوں اور توپوں کے دھماکوں سے ہی آئے۔ وہ تو دبے قدموں بھی آجاتی ہے اور وہ بڑی رازداری سے بیگہ بیگم کی سوکنوں کی طرف آنے والی تھی۔

دوسرے دن خبر ملی کہ شیر خان سوری جہاں رکا تھا' وہاں سے آگے چل پڑا ہے۔ دوسری صبح چونسا پہنچنے والا ہے۔ ہمایوں کا لشکر چونسا کے قریب تھا۔ اس نے بیگمات سے کہا۔ "اب تم تینوں کو واپس جانا چاہئے۔ ہمیں اپنے لشکر میں پہنچنا ہے۔"

پھر اس نے حکم دیا۔ "دو کشتیاں دریا میں ڈالی جائیں۔ بیگمات واپس جائیں گی۔"

بیگہ بیگم نے ہمایوں کا بازو تھام کر کہا۔ "دو نہیں۔ ایک کشتی ڈالی جائے۔ پہلے دو بیگمات یہاں سے جائیں گی۔ دشمن کل صبح چونسا پہنچنے والا ہے۔ ہم آج شام تک آپ کے ساتھ رہیں گے۔ پھر دوسری کشتی میں واپس چلے جائیں گے۔"

وہ ایسے پیار سے' ایسی دلربائی سے بات منواتی تھی کہ وہ فوراً ہی مان جاتا تھا۔ وہ اپنی بیگمات کے ساتھ دریا کنارے آگیا۔ ان کے لئے مخصوص رہنے والی کشتیاں بڑے ہی شاہانہ انداز میں آراستہ کی جاتی تھیں۔ بادشاہ اور بیگمات کے بیٹھنے کے لئے ملائم گدے' مخملی گاؤ تکیے اور طرح طرح کا آرائشی سامان ہوتا تھا۔ دریا کی لہروں پر لچک لچک کر چلنے والی کشتیوں میں ایک کنیز ساز بجاتی تھی اور دوسری گیت گاتی رہتی تھی۔ ہمایوں نے دونوں بیگمات کو بڑی محبت سے رخصت کیا۔ ان کے ساتھ دو کنیزوں کے علاوہ ایک خواجہ سرا تھا۔

ایک ملاح کشتی کے کے آخری سرے پر بیٹھا ہوا تھا اور دوسرا ملاح کشتی کو گہرے پانی میں لا رہا تھا۔ بیگہ بیگم ہمایوں کے ہمراہ کھڑی ان رخصت ہونے والی بیگمات کو دیکھ رہی تھی اور زیر لب مسکرا رہی تھی۔

وہ شاہی کشتی دوسرے کنارے کی طرف جا رہی تھی۔ دریا کا پاٹ کافی چوڑا تھا۔ دوسرا کنارہ دھند میں لپٹا ہوا تھا۔ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ کشتی میں بیٹھی ہوئی مطربہ نے ساز چھیڑا تھا اور گیت گانے لگی تھی۔

زندگی بڑی ناپائیدار ہوتی ہے اور موت بڑی سنگدل...... وہ مترنم گیتوں کا بھی گلا گھونٹ دیتی ہے۔ دریا لبالب بھرا ہوا تھا اور لہریں بپھری ہوئی تھیں۔ منجدھار میں اس کی گہرائی کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا تھا۔ ایک ملاح جگہ بدل بدل کر چپو چلا رہا تھا اور دوسرا ملاح ابتدا میں جہاں بیٹھا تھا' مستقل وہیں بیٹھ کر دائیں بائیں چپو چلاتا جا رہا تھا۔ اس کے یوں بیٹھنے کے پیچھے زبردست مکاری تھی۔

وہ پیتل کے ایک بڑے سے مضبوط ڈھکن پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے نیچے کشتی کے فرش میں پہلے ہی بہت بڑا سوراخ بنا دیا گیا تھا۔ اسی لئے وہ ابتدا سے اس ڈھکن پر جم کر بیٹھا ہوا تھا تاکہ پانی رکا رہے۔ کشتی کے اندر نہ آئے۔

پھر ایک ملاح نے دوسرے کو اشارہ کیا۔ اس نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہی اس پیتل کے ڈھکن کو اٹھا کر دور دریا میں پھینک دیا۔ پھر دونوں نے چپوؤں کو بھی پھینک کر اچانک ہی دریا میں چھلانگ لگادی۔ کشتی میں بہت بڑا سوراخ بنایا گیا تھا۔ پانی بڑی تیزی سے اندر آنے لگا۔ بیگمات چیخنے چلانے لگیں۔

دور ساحل پر کھڑے ہوئے ہمایوں نے گرج کر پوچھا۔ "وہاں کیا ہو رہا ہے؟ ملاحوں نے کشتی سے چھلانگیں کیوں لگائی ہیں؟"

اس نے سپاہیوں کو حکم دیا۔ "فوراً دریا میں چھلانگ لگاؤ اور کشتی تک پہنچنے کی کوشش کرو۔"

تمام سپاہی تیراکی جانتے تھے لیکن ایسے بھی ماہر تیراک نہیں تھے کہ فردوس مکانی بادشاہ بابر کی طرح تیرتے ہوئے ایک کنارے سے دوسرے کنارے پہنچ جاتے۔ دریا میں

فوراً ہی کشتیاں ڈال دی گئیں۔ سپاہی ان میں بیٹھ کر منجدھار کی طرف جانے لگے۔ بیگمات کی کشتی اتنی دور تھی کہ وہاں تک پہنچنے کے لئے اچھا خاصا وقت درکار تھا۔

دوسری طرف خواجہ سرا نے ایک بڑا سا کپڑا لے کر اس سوراخ میں ٹھونسنا چاہا تو پانی میں چھپے ہوئے دونوں ملاحوں نے کشتی کو پکڑ کر زور زور سے ہلانا شروع کر دیا۔ خواجہ سرا توازن قائم نہ رکھ سکا۔ ڈگمگاتا ہوا گہرے پانی میں گر گیا۔ دونوں بیگمات شاہانہ طرز کی کرسیوں سے لپٹی ہوئی تھیں۔ کنیزیں بھی چیخ رہی تھیں۔ پانی اتنا بھر چکا تھا کہ وہ کشتی آدھی سے زیادہ ڈوب چکی تھی۔

ساحل پر ہمایوں بے چین تھا۔ ادھر سے ادھر دوڑتا جا رہا تھا۔ بیگہ بیگم اس کے ساتھ ساتھ تھی۔ وہ پریشان ہو کر کہہ رہا تھا۔ ''ہم کیا کریں؟ بیگمات کو بچانے کے لئے ہمیں بھی دریا میں اترنا ہوگا۔''

اس نے فوراً ہی حکم دیا کہ دریا میں ایک اور کشتی ڈالی جائے۔ ہمایوں کے ساتھ بیگہ بیگم نے بھی چلنے کی ضد کی۔ وہ دونوں کشتی میں سوار ہو گئے۔ ایک ملاح بڑی تیزی سے اس کشتی کو کھینے لگا۔ لیکن بہت دیر ہو چکی تھی۔ وہ کشتی آہستہ آہستہ ڈوبتے ہوئے اپنے ساتھ بیگمات کو بھی ڈبو چکی تھی۔

یہ تو صرف بیگہ بیگم ہی جانتی تھی کہ اس نے چاند بی بی کے ساتھ کس طرح پیدا ہونے والے جانشین کو ڈبو دیا تھا؟ وہاں سے کچھ فاصلے پر مچھیروں کی بستی تھی۔ انہیں حکم دیا گیا کہ دریا میں جا کر جال پھینکے جائیں۔ فوراً ہی حکم کی تعمیل کی گئی۔ دریا کی لہریں بڑی ہی منہ زور تھیں۔ بڑی بڑی کشتیوں کو بھی اپنے ساتھ بہا کر لے جاتی تھیں۔ مہارت رکھنے والے ملاح ان لہروں سے لڑتے ہوئے چپو کھیتے ہوئے کشتیوں کو دوسرے کنارے تک پہنچاتے تھے۔

جال پھینکنے والے مچھیروں کی کوششیں بے سود رہیں۔ ان بیگمات کی لاشیں تک نہ مل سکیں۔ ان بے گناہوں کو ایسی موت ملی تھی کہ نہ جنازہ اٹھ سکتا تھا اور نہ ہی ان کا کہیں مزار بنایا جا سکتا تھا۔

ہمایوں صدمے سے سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ بیگہ بیگم اس سے ہمدردی کرتے ہوئے اس

کے قدموں میں بیٹھ کر بولی۔ ''ہم ایسی حالت میں آپ کو تنہا نہیں چھوڑیں گے۔ میدانِ جنگ میں بھی آپ کے ساتھ رہیں گے۔''

ہمایوں نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔ ''ہم چاند بی بی اور شاد بی بی کو اپنے ہمراہ لائے تھے۔ کاش انہیں اپنے ساتھ ہی واپس لے جاتے۔ لیکن مقدر کے لکھے کو کون بدل سکتا ہے؟ ہم تمہیں تنہا نہیں جانے دیں گے۔ خدا سے دعا کرو' ہمیں فتح نصیب ہو۔ تم ہمارے ساتھ واپس جاؤ گی۔''

دوسرے دن چونسا میں شیر خان سوری کے لشکر سے ٹکراؤ ہوا۔ گھمسان کا رن پڑا۔ دونوں طرف کے سپاہی جی دار تھے۔ مرنا بھی جانتے تھے اور مارنا بھی جانتے تھے۔ اس کے باوجود شیر خان سوری رفتہ رفتہ حاوی ہو رہا تھا۔ اس کے لشکر میں ہاتھیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ وہ پہاڑ جیسے ہاتھی ہمایوں کے سپاہیوں کو دور تک رگیدتے چلے جاتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لشکر منتشر ہو گیا۔ جس کا جہاں منہ پڑا وہ ادھر بھاگنے لگا۔ سپہ سالار نے ہمایوں سے کہا۔ ''جنگ کا پانسہ پلٹ گیا ہے۔ ظلِ سبحانی کی سلامتی ہمارا اولین فرض ہے۔ آپ آگرہ چلے جائیں۔ یہ خادم دشمن کے لشکر کو روکنے کی پوری کوشش کرتا رہے گا۔''

جنگ کے میدان میں آگے بڑھنے کے لئے کبھی مصلحتاً پیچھے ہٹنا پڑتا ہے۔ دریائے جمنا کے دوسرے کنارے پر اس کے ہزاروں فوجی کشتیوں پر موجود تھے۔ ہمایوں وہاں پہنچ کر انہیں اُس پار سے اِس پار لا کر شیر خان سوری کا راستہ روک سکتا تھا۔ لہٰذا وہ گھوڑا دوڑاتا ہوا شاہی خیمے کی طرف واپس آیا تو پتہ چلا' دشمن کے دو ہاتھی دندناتے ہوئے ادھر چلے آئے تھے۔ بیگہ بیگم جان بچانے کے لئے ایک گھوڑے پر سوار ہو کر کسی دوسری سمت چلی گئی ہے۔

سپہ سالار نے کہا۔ ''ظلِ الٰہی! یہ خادم ملکہ عالیہ کو آپ تک ضرور پہنچائے گا۔ آپ فوراً آگرہ کا رخ کریں۔''

ہمایوں دو سپاہیوں کے ساتھ گھوڑے دوڑاتا ہوا واپس دریا کنارے آ گیا۔ ادھر اس نے آگرہ پہنچنے کے لئے دریا کو عبور کیا' اُدھر اس کا سپہ سالار مارا گیا۔ شیر خان سوری کو اس کے سپاہیوں نے اطلاع دی کہ ہمایوں واپس اپنے دوسرے لشکر کی طرف گیا ہے۔ اس کی بیگم کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔

شیر خان سوری نے فوراً حکم دیا۔ ''خاتون کا احترام کیا جائے۔ کوئی نامحرم ان کے سامنے نہ جائے۔ نہ ہی کوئی انہیں ہاتھ لگانے کی جرات کرے۔ آگے جا کر دیکھو... ہمایوں حالتِ جنگ میں ہے یا نہیں؟''

شیر خان سوری نے سورج ڈھلنے تک انتظار کیا۔ اسے اطلاع ملی کہ ہمایوں کا جو لشکر منتشر ہو گیا تھا' وہ تمام سپاہی دریا کے کنارے پہنچ کر متحد ہو گئے ہیں۔ اس کنارے جتنی کشتیاں تھیں' انہیں دریا کے اُس پار لے گئے ہیں۔

اب صورتحال یہ تھی کہ شیر خان سوری دریا عبور نہیں کر سکتا تھا۔ دوسرے کنارے ہزاروں کشتیاں تھیں۔ ان پر مسلح سپاہی تازہ دم ہو کر پھر سے جنگ کے لئے تیار تھے۔ ادھر ہمایوں کا پلڑا اس لئے بھاری تھا کہ اس کنارے پر اس نے بڑی بڑی توپیں نصب کر رکھی تھیں اور ادھر شیر خان سوری کے ہاتھی دریا میں نہیں اتر سکتے تھے۔

شیر خان سوری انتہائی نیک اور پاکباز مسلمان تھا۔ اس نے مچھیروں کی بستی سے ایک کشتی منگوائی اور بیگہ بیگم کو اس میں بٹھا کر نہایت عزت واحترام کے ساتھ واپس بھیج دیا۔

ہمایوں آگرے کے محل میں واپس پہنچ گیا تھا۔ ماہم بیگم نے اسے گلے لگا کر دعائیں دیں۔ اس کی پیشانی کو چوم کر خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ زندہ سلامت واپس آیا ہے۔

ہمایوں صدمات سے چور تھا۔ وہ بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''ہم نے شکست نہیں کھائی ہے۔ عارضی طور پر پسپا ہوئے ہیں۔ شیر خان سوری دریا عبور کرنے کی جرات نہیں کر سکے گا۔ لیکن نہ ہارنے کے باوجود ہم بری طرح ہار گئے ہیں۔''

ماں نے شانے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔ ''اپنی بات کی وضاحت کرو۔''

وہ دلبرداشتہ ہو کر بولا۔ ''چاند بی بی اور شاد بی بی اللہ کو پیاری ہو گئی ہیں۔''

ماہم بیگم کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ وہ روداد سنا رہا تھا کہ کس طرح وہ دونوں دریا میں غرق ہو چکی ہیں؟ جن دو ملاحوں نے نمک حرامی کی ہے' انہیں تلاش کیا جا رہا ہے۔

چاند بی بی کے ساتھ پیدا ہونے والا جانشین بھی غرق ہو گیا تھا۔ ماہم بیگم ایک ہائے کے ساتھ نڈھال سی ہو کر بیٹھ گئیں۔ ہمایوں نے کہا۔ ''اور... اور ہماری بیگہ... بیگہ...''

وہ بولتے بولتے رک گیا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے آنسو حلق میں آ کر اٹک گئے

ہوں۔ ماہم بیگم نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ سر جھکا کر بولا۔ ''وہ میدانِ جنگ میں ہم سے بچھڑ گئی ہے۔ خدا جانتا ہے وہ کہاں ہوگی؟ کس حال میں ہوگی؟''

ماہم بیگم کے اندر مسرّت کی ایک لہر سی اُٹھی۔ چاند بی بی اور ایک جانشین کے ڈوب مرنے کا جتنا صدمہ تھا۔ بیگہ بیگم کے بچھڑ جانے' کہیں گم ہو جانے سے اتنی ہی آسودگی مل رہی تھی۔ دل سے دعا نکل رہی تھی کہ وہ کہیں مر کھپ جائے۔ کبھی واپس نہ آئے۔

وہ ایک آہ بھر کر بولی۔ ''ہمارے خاندان میں ایسا برا وقت پہلے کبھی نہیں آیا۔ بیک وقت تین بہوئیں اللہ کو پیاری ہو گئیں۔''

ہمایوں نے چونک کر ماں کو دیکھا پھر جلدی سے کہا۔ ''آپ سے اندازے کی غلطی ہو رہی ہے۔ خدا نہ کرے کہ بیگہ بیگم کو موت آئے۔ ہمارا دل کہتا ہے' وہ زندہ ہے۔''

ایسے وقت اطلاع ملی کہ کامران مرزا لاہور سے اپنے مصاحبین کے ساتھ آیا ہے اور شرفِ باریابی چاہتا ہے۔

ہمایوں نے حکم دیا۔ ''اسے فوراً پیش کیا جائے...''

تھوڑی دیر بعد ہی کامران مرزا دوڑتا ہوا آیا پھر اس کے قدموں سے لپٹ کر روتے گڑگڑاتے ہوئے معافی مانگنے لگا۔ ماہم بیگم نے اسے حقارت سے دیکھا اور بیٹے سے کہا۔ ''اسے ہرگز معاف نہ کرنا۔ یہ آستین کا سانپ ہے۔ اسی نے شیر خان کو حملے کی دعوت دی تھی۔''

ہمایوں نے کہا۔ ''ایسی بات نہیں ہے آکم مادر! شیر خان سوری جنگجو طبیعت کا حامل ہے۔ وہ دہلی کے تخت پر قبضہ جمانے کے خواب دیکھ رہا ہے۔ کامران مرزا اس سے ساز باز نہ کرتا تب بھی وہ ہم پر حملہ کرنے والا تھا۔''

''چلو یہی سہی۔ اس نے تمہارے خلاف دشمن سے ساز باز تو کی ہے؟''

''بے شک۔ اس نے بہت بڑا جرم کیا ہے۔ ایک بادشاہ کی نظروں میں اس کا جرم ناقابلِ معافی ہے۔ لیکن فردوس مکانی باوا حضور نے آخری سانسوں میں ہمیں نصیحت کی تھی کہ ہم بھائیوں کے حقوق ادا کرتے رہیں۔ اگر ان سے چھوٹی بڑی غلطی ہو جائے تو اسے فراخ دلی سے معاف کر دیں۔''

''فردوس مکانی کی نصیحتیں اپنی جگہ ہیں۔ ذرا عقل سے سوچو! اگر اس کی سازش کامیاب ہو جاتی تو کیا اس وقت تم زندہ سلامت نظر آتے؟''

''آکم مادر! آپ یہ دیکھیں کہ بھائی نے دشمنی کی لیکن اسے اپنے باپ کے لہو پر کتنا اعتماد ہے؟ یہ بڑے یقین سے یہاں آیا ہے کہ ہم اسے معاف کر دیں گے۔ ہم اس کے یقین کو مجروح نہیں ہونے دیں گے۔''

ہمایوں نے کامران مرزا کو دونوں بازوؤں سے تھام کر اٹھایا پھر اسے گلے لگاتے ہوئے کہا۔ ''ہم نے معاف کیا' ہمارے خدا نے معاف کیا۔ اگر صبح کے بھولے کی طرح شام کو گھر آئے ہو تو آئندہ ایسی غلطی کبھی نہ کرنا۔''

ماہم بیگم اپنے بیٹے کو دیکھ کر سوچنے لگی۔ ''یہ بیک وقت تین بیگمات سے محروم ہو کر صدمات سے ٹوٹ رہا ہے۔ اگر مرحوم والد کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے سوتیلے بھائی کو معاف کر کے قلبی سکون حاصل کر رہا ہے تو اسے ایسا کرنے دیا جائے۔''

عشاء کے وقت اطلاع ملی کہ ملکہ عالیہ تنہا دریا عبور کر کے واپس آ گئی ہیں۔ ہمایوں نماز سے فارغ ہوا تھا۔ یہ خبر سنتے ہی وہاں سے دوڑتا ہوا محل کے مختلف حصوں سے گزرتا ہوا بیگہ بیگم کے استقبال کے لئے جانے لگا۔ ایک راہداری میں سامنا ہوا تو اسے دیکھتے ہی فرطِ مسرت سے گلے لگا لیا۔ ندامت سے بولا۔ ''ہمیں شرمندگی ہے۔ ہم تمہیں بھٹکنے کے لئے چھوڑ آئے تھے۔''

وہ بولی۔ ''خدارا! آپ نادم ہو کر ہمیں شرمندہ نہ کریں۔ آپ حالات سے مجبور تھے۔ میدانِ جنگ میں بھگدڑ مچی تھی۔ دشمن کے ہاتھی پاگل ہو رہے تھے۔ ہم آپ کا انتظار نہ کر سکے۔ خود ہی آپ سے بچھڑ گئے۔''

ماہم بیگم ایک کنیز کے ساتھ وہاں آئی۔ کنیز کے ہاتھوں میں بڑا سا تھال تھا۔ اس میں سونے کے سکے بھرے ہوئے تھے۔ اس نے وہ تھال بہو پر سے نچھاور کر کے ایک خواجہ سرا کو دیتے ہوئے کہا۔ ''اسے مسکینوں اور محتاجوں میں تقسیم کر دیا جائے۔''

پھر اس نے بہو سے پوچھا۔ ''تم تنہا کیسے یہاں تک پہنچیں؟''

بیگہ بیگم نے ساس اور شوہر کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اگرچہ شیر خان سوری آپ کا

دشمن ہے لیکن نہایت ہی نیک طینت اور سچا مسلمان ہے۔ اس نے ہمیں حجاب میں رکھا پھر مچھیروں کی بستی سے ایک کشتی منگوا کر ہمیں یہاں پہنچا دیا۔ ہم اس نیک دل انسان کا احسان کبھی نہیں بھولیں گے۔''

ماہم بیگم ناگواری سے منہ بنا کر وہاں سے چلی گئی۔ ہمایوں نے کہا۔ ''بے شک۔ دشمن اگر اعلیٰ ظرف ہے تو اس کا احسان ماننا چاہئے اور اس کی قدر بھی کرنی چاہئے۔ ہم اپنے قاصد کے ذریعہ اس کا شکریہ ادا کریں گے۔''

وہ دونوں تھوڑی دیر تک باتیں کرتے رہے پھر بیگہ بیگم نے کہا۔ ''ہماری نگاہوں کے سامنے دو بیگمات دریا میں ڈوب گئیں۔ میدانِ جنگ میں ہاتھیوں نے ہمیں بہت ہی سراسیمہ کیا۔ ہم تھکن سے چور ہو گئے ہیں۔ اعصاب جواب دے رہے ہیں۔ ہم آرام کرنا چاہتے ہیں۔''

ہمایوں اسے اس کی خوابگاہ تک چھوڑ کر چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی اس نے اپنے راز دار خواجہ سرا آفت جان کو طلب کیا۔ پھر کہا۔ ''تو نے ہمارا بہت بڑا کام کیا ہے۔ ہم تجھے مالا مال کر دیں گے۔ کیا تجھے یقین ہے کہ وہ دونوں ملاح گرفتار نہیں کئے جا سکیں گے؟''

اس نے دست بستہ عرض کیا۔ ''میں نے کوئی کچا کام نہیں کیا ہے۔ وہ دونوں ملاح سونے کے پچاس پچاس سکے لے کر بہت خوش ہو گئے تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں پہلے کبھی اتنی دولت نہیں دیکھی تھی۔ اسی لئے جان پر کھیل کر انہوں نے اتنا بڑا کام کیا ہے۔''

''لیکن وہ کہاں گم ہو گئے ہیں؟ انہیں کسی کے ہاتھ نہیں آنا چاہئے۔''

''ملکہ عالیہ! خاطر جمع رکھیں۔ میں نے دونوں کو تاکید کی تھی کہ وہ تیرتے ہوئے باغ گل افشاں کی طرف جائیں۔ وہاں ہمارے وفادار سپاہی موجود ہوں گے۔ وہ انہیں تیز رفتار گھوڑوں پر بٹھا کر یہاں سے دور کسی دوسرے علاقے میں پہنچا دیں گے۔''

بیگہ بیگم نے پوچھا۔ ''کیا انہوں نے ایسا کیا ہے؟''

وہ اپنا ایک ہاتھ پیشانی تک لے جاتے ہوئے بولا۔ ''میں ایک بار پھر ملکہ عالیہ کے انعام کا حقدار ہوں۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی گل افشاں سے یہاں آئی ہوں۔ اطمینان رکھیں۔ آپ کا تمام کام حسب منشاء مکمل ہو چکا ہے۔''

"کیسے ہوا ہے؟ وضاحت کرو۔"

"وہ ملاح تیرتے ہوئے گل افشاں کے قریب پہنچے تو وہاں ہمارے سپاہی تیرو کمان کے ساتھ تیار کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے دونوں کو تیروں سے چھلنی کر دیا اور ان کی لاشیں اٹھا کر دریا میں پھینک دیں۔"

بیگہ بیگم خوشی سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ پھر بولی۔ "شاباش! تو واقعی ہمارا وفادار اور جاں نثار ہے۔ بے حساب انعامات کا مستحق ہے۔"

اس نے ایک صندوقچی سے سچے اور بیش قیمت موتیوں کا ہار نکالا۔ پھر اس کی ہتھیلی پر رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ دہلی پہنچ کر ہم دو کوس کے رقبے تک تیرے نام زمینیں لکھوا دیں گے۔"

اس نے خوش ہوکر کہا۔ "ملکہ عالیہ کا اقبال بلند ہو.....اس حقیر بندی نے آپ ہی کی خدمت کے لئے جنم لیا ہے۔ آپ نے فرمایا تھا' یہاں واپس آنے کے بعد مجھے ایک اور اہم فرض انجام دینا ہوگا؟"

بیگہ بیگم نے اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر کہا۔ "ہاں۔ ایک ہونے والی سوکن رہ گئی ہے۔ جانشین پیدا کرنے والا وہ کانٹا بھی نکالنا ہے۔"

آفت جان نے کہا۔ "وہ اپنے نام کی ہوئی حویلی میں عیش کر رہی ہے۔ وہاں اس کی خدمت کے لئے شاید دو چار کنیزیں' دو چار خواجہ سرا اور دو چار اُردا بیگیاں موجود رہتی ہیں؟"

بیگہ بیگم نے حکم دیا۔ "ان کی صحیح تعداد معلوم کرنا ہے پھر اپنے وفادار سپاہیوں کے ساتھ یوں اچانک حملہ کرنا کہ اُردا بیگیاں اور خواجہ سرا اس کی حفاظت نہ کر سکیں۔ بلکہ سب ہی اس کے ساتھ جہنم میں پہنچ جائیں۔"

"میں کل صبح ہی صحیح تعداد معلوم کروں گی۔ وہ گنتی کے پہریدار اور محافظ ہمارے سپاہیوں کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔"

بیگہ بیگم سوچنے کے انداز میں ادھر سے ادھر ٹہلنے لگی۔ پھر بولی۔ "اس معاملے میں احتیاط لازمی ہے۔ اس حویلی میں اختری کے ساتھ سب ہی کو موت کے گھاٹ اتر جانا چاہئے۔ اگر ایک بھی زندہ بچے گا تو وہ تیرے خلاف چشم دید گواہ بن جائے گا۔"

"ایسی نوبت نہیں آئے گی۔ ہمارے سپاہی وردی کے بجائے سادہ لباس اور نقاب میں رہیں گے۔ کوئی انہیں پہچان نہیں پائے گا۔"

"یہ کام انتہائی صفائی اور رازداری سے ہو جائے گا تو ہمیں قلبی سکون حاصل ہوگا۔"

"خدا نے چاہا تو آپ کی یہ مراد بھی پوری ہوگی۔ اگر ناگوارِ خاطر نہ ہو تو ایک سوال کرنے کی جرات کر رہی ہوں۔"

بیگہ بیگم نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ سر جھکا کر بولا۔ "آپ' ـــ خطرات سے کھیلتی رہیں گی؟ بیٹا پیدا کرنے والی کتنی سوکنوں سے پیچھا چھڑاتی رہیں ن؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "بس ایک برس اور.....انشا اللہ اگلے برس ہم ضرور ایک جانشین کو جنم دیں گے۔ اس کے بعد جتنی بھی سوکنیں آئیں' جتنے بھی بیٹے پیدا کریں۔ ہمارے لئے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ کیونکہ ہم پہلی بیگم ہیں اور پہلا جانشین ہم ہی پیدا کریں گے۔"

"میں جارہی ہوں۔ کل رات تک آپ کو خوشخبری سناؤں گی۔"

یہ کہہ کر وہ سر جھکائے الٹے قدموں چلتا ہوا خوابگاہ سے باہر چلا گیا۔

☆☆☆

اختری کے دن رات اس حویلی میں گزر رہے تھے۔ پہلے جو ایک معمولی سی لڑکی تھی' اب وہ زمین جائیداد والی ہوگئی تھی۔ اس کی خدمت کے لئے چار کنیزیں تھیں۔ نگرانی اور حفاظت کے لئے خواجہ سرا اور اُردا بیگیاں تھیں۔ اتنا سب کچھ پا کر بھی وہ مغرور نہیں ہوئی تھی۔ کنیزوں کے ساتھ ایک سہیلی کی طرح ہنستی بولتی رہتی تھی۔ کسی کو شاہانہ انداز میں کوئی حکم نہیں دیتی تھی۔ وہاں کا ماحول بالکل اپنے گھر جیسا بنا رکھا تھا۔ وہ سب جیسے اس کے رشتہ دار بنے ہوئے تھے۔

وہاں ایک خواجہ سرا کا نام روحی صبا تھا۔ وہ شاہی محل میں بھی اختری کی نگرانی کیا کرتا تھا۔ محل میں سب ہی خادماؤں سے بڑی سختی سے پیش آیا کرتے تھے۔ لیکن وہ اختری کے ساتھ بہت ہی نرمی اور محبت سے پیش آیا کرتا تھا۔ اس کی نظریں کہتی تھیں کہ وہ دل ہی

دل میں اسے چاہنے لگا ہے۔ ایک خسرے کی چاہت عزت آبرو کو نقصان نہیں پہنچاتی۔ وہ سب کچھ ہوسکتا ہے مگر بدنیت نہیں ہوتا۔ اس لئے اختری بھی بلا جھجک اس سے ہنستی بولتی رہتی تھی۔

اب تو وہ بادشاہ ہمایوں سے منسوب ہوگئی تھی۔ روحی صبا کچھ بجھ سا گیا تھا۔ اب ایک خدمت گار کی طرح محتاط اور مستعد رہتا تھا۔ اختری نے کہا۔ ''روحی! تم بہت اچھی ہو۔ مجھ پر ہمیشہ مہربان رہا کرتی تھیں۔ اب میں تم پر مہربان رہا کروں گی۔ بادشاہ سلامت کی منکوحہ بننے کے بعد بھی تمہیں اپنی سہیلی بنا کر رکھوں گی۔''

روحی نے کہا۔ ''میں تمہاری طرف سے فکرمند رہتی ہوں۔ دعائیں مانگتی رہتی ہوں۔ خدا تمہارے تمام خواب پورے کرے۔ مگر تم دیکھ رہی ہو' بیگمات کس طرح ایک دوسرے کے خلاف سازشیں کرتی رہتی ہیں؟ تم معصوم ہو۔ نادان ہو۔ شاہی ہتھکنڈوں کو نہیں سمجھتی ہو۔''

وہ بولی۔ ''میں نہیں سمجھتی لیکن تم نے لاہور سے دہلی تک شاہی محلوں میں بہت کچھ دیکھا ہے۔ مجھے سمجھاتی رہا کرو۔ تم کیا سمجھتی ہو' کیا میرے خلاف بھی سازشیں ہوں گی؟ کیا مجھے بادشاہ سلامت سے منسوب نہیں ہونے دیا جائے گا؟''

''یہ ملکہ عالیہ بیگہ بیگم بہت ہی خطرناک ہیں۔ بادشاہ سلامت کو کچھ گھول کر پلاتی رہتی ہیں۔ وہ ان کی حمایت میں زیادہ بولتے ہیں۔ انہی کو اپنے قریب رکھتے ہیں اور ہر بات مانتے رہتے ہیں۔ میں ڈرتی ہوں کہ وہ تمہاری طرف سے بادشاہ سلامت کا دل نہ پھیر دیں۔''

وہ بولی۔ ''کوئی کتنی ہی سازشیں کرلے' مجھے جیوتشی مہاراج کی پیش گوئی پر یقین ہے۔ میں ایک رات کی ملکہ ضرور بنوں گی۔''

''ایک رات کی بات نہ کرو۔ خدا تمہیں ہزار راتیں دے۔''

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی۔ ''تمہاری یہ دعا قبول نہیں ہوگی۔ جیوتشی مہاراج کی پیشگوئی اٹل ہوتی ہے۔ شاید ایک رات کے بعد میرے نصیب پھوٹ جائیں گے۔''

''اے ہے... نصیب پھوٹیں تمہارے دشمنوں کے.... ایسی باتیں زبان سے نہ نکالو۔''

''تم نے ایک کلی کو دیکھا ہے نا...؟ تمام رات اس پر شبنم پڑتی ہے۔ صبح تک وہ پھول بن جاتی ہے۔ اس کے بعد کلی نہیں رہتی... شمع کی زندگی ہے ایک رات دوسری صبح وہ تمام ہوجاتی ہے۔''

ایسے ہی وقت ایک کنیز دوڑتی ہوئی ان کی طرف آئی۔ وہ بری طرح سہمی ہوئی تھی۔ ہکلاتے ہوئے بولی۔ ''وہ... غضب ہوگیا۔ کچھ لوگ ننگی تلواریں لئے حویلی میں گھس آئے ہیں۔ اُردا بیگنیاں ان کا مقابلہ کررہی ہیں۔''

روحی صبا نے نیام سے تلوار نکالتے ہوئے کنیز سے کہا۔ ''تم کہیں جا کر چھپ جاؤ۔ میں اچھی طرح سمجھ گئی ہوں' وہ لوگ مستقبل کی ملکہ کو ہلاک کرنے آئے ہیں۔''

کنیز دوڑتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ روحی صبا نے دروازے کو اندر سے بند کیا پھر اختری سے کہا۔ ''میرے ساتھ آؤ۔''

اس نے پوچھا۔ ''کیا ہم حویلی کے پچھلے دروازے سے نہیں نکل سکتے؟''

''حملہ کرنے والے نادان نہیں ہوں گے۔ انہوں نے حویلی کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہوگا۔''

وہ تیزی سے چلتا ہوا ایک دیوار کے پاس آگیا۔ وہاں ایک بڑی سی تصویر لگی ہوئی تھی۔ اس نے اسے ایک طرف ہٹایا۔ اس کے پیچھے ایک خانہ دکھائی دینے لگا۔ اس خانے میں لوہے کی ایک کل لگی ہوئی تھی۔ اس نے اس کل کو پکڑ کر ایک طرف سے دوسری طرف گھمایا تو قریبی دیوار کا ایک حصہ دروازے کی طرح کھلتا چلا گیا۔

صدیوں سے راجاؤں' مہاراجاؤں' بادشاہوں اور شہنشاہوں کے محلوں اور حویلیوں میں خفیہ دروازے اور تہہ خانے ہوا کرتے تھے۔ ایسی خفیہ پناہ گاہوں کا علم صرف بادشاہوں کو ہوا کرتا تھا۔ جو معمار اور کاریگر رازداری سے یہ سب کچھ بناتے تھے' انہیں بعد میں قتل کرادیا جاتا تھا تاکہ محل کی خفیہ پناہ گاہوں کا راستہ کسی اور کو معلوم نہ ہوسکے۔

ماہم بیگم نے روحی صبا کو اختری کا نگرانِ خاص مقرر کیا تھا اور اسے یہ راز بتایا تھا۔

اختری نے بڑی حیرانی سے اس سرکتی ہوئی دیوار کو دیکھا جو دروازے کی طرح راستہ بنا رہی تھی۔ روحی صبا نے اس تصویر کو دوبارہ دیوار سے لگا دیا۔ پھر ایک شمعدان اٹھا کر بولا۔ ''فوراً

اندر چلو....''

وہ اس چور دروازے سے گزر کر ایک چھوٹے سے خالی کمرے میں آ گئے۔ وہاں بھی ایک دیوار پر لوہے کی کل لگی ہوئی تھی۔ روحی صبا نے اسے گھمایا تو دروازہ اسی طرح سرکتا ہوا بند ہو گیا۔ اندر کوئی کھڑکی یا روشندان نہیں تھا۔ اوپر کی طرف دو چار چھوٹے چھوٹے سوراخ بنے ہوئے تھے۔ وہ ایک اونچی سی چوکی پر چڑھ کر اس سوراخ کے ذریعہ دوسری طرف دیکھنے لگا۔

اختری کی خوابگاہ دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے دروازے کو باہر سے پیٹا جا رہا تھا' اسے توڑنے کی کوششیں کی جا رہی تھیں۔ اس نے اختری سے کہا۔ ''چوکی کے اوپر چلی آؤ۔ ہم یہاں سے دیکھیں گے کہ وہ دشمن کون ہیں؟''

وہ بھی اس چوکی پر چڑھ کر ایک سوراخ کے ذریعہ اپنی خوابگاہ میں جھانکنے لگی۔ روحی صبا نے شمع بجھا دی۔ تاکہ دشمنوں کو روشنی کی ہلکی سی بھی جھلک نہ ملے۔

کمرے کا دروازہ ٹوٹ گیا۔ چار افراد ننگی تلواریں لئے اندر آئے۔ ان کے چہروں پر ڈھاٹے بندھے ہوئے تھے۔ وہ کمرے میں ادھر ادھر بڑی تیزی سے اختری کو تلاش کر رہے تھے۔ ایک نے کہا۔ ''وہ یہاں نہیں ہے۔''

دوسرے نے کہا۔ ''اس کمرے کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ اس کا مطلب ہے' وہ کسی خفیہ دروازے سے دوسری طرف نکل گئی ہے۔ یہاں کوئی چور دروازہ تلاش کرو۔''

اس نے یہ کہتے ہوئے اپنے منہ پر سے نقاب اتار دیا۔ اختری اور روحی صبا دونوں ہی اسے دیکھ کر چونک گئے۔ وہ ملکہ عالیہ بیگہ بیگم کا خاص خدمت گار خواجہ سرا آفت جان تھا۔ وہ ایک تجوری کے پاس آ کر اسے توڑ رہا تھا۔ دوسرے تین افراد چور دروازہ تلاش کرتے پھر رہے تھے۔

اختری گہری تاریکی میں روحی صبا سے لگی کھڑی تھی۔ اس خواجہ سرا کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ اس نے اسے ایک بازو کے حصار میں لے لیا۔ وہ سرگوشی میں بولی۔ ''کیا کر رہی ہو؟''

وہ بولا۔ ''تم چوکی سے گر پڑو گی۔ یہاں کوئی کھٹکا ہو گا تو ادھر والے اس طرف

متوجہ ہو جائیں گے۔''

وہ سوراخ سے جھانکتے ہوئے بولی۔ ''وہ دیکھو! کم بخت آفت جان تجوری توڑ کر زیورات نکال رہا ہے..... ہائے اللہ! وہ قیمتی ہیرا ماہم بیگم نے مجھے انعام کے طور پر دیا تھا۔''

وہ دیکھ رہی تھی۔ آفت جان نے جلدی سے اس ہیرے کو اپنے لباس کے اندر چھپا لیا تھا۔ ادھر اختری کی قربت سے روحی صبا کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ وہ جذبات سے بے حال ہو رہا تھا۔ دل ہی دل میں کہہ رہا تھا۔ ''یا خدا! تو بہتر جانتا ہے' میں تیسری جنس نہیں ہوں۔ مجھے جبراً ایسا بنایا گیا ہے۔ میں کیا کروں؟ بہکنا بھی چاہوں تو بہک نہیں سکوں گی۔''

پھر وہ سرد آہ بھر کر سوچنے لگا۔ ''ہم جیسے خواجہ سراؤں کو سختی سے حکم دیا جاتا ہے کہ زنانہ لباس پہنیں اور عورتوں کے انداز میں بولتے رہیں۔''

سوچتے سوچتے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ایسے وقت وہ صرف رو ہی سکتا تھا' کچھ کر نہیں سکتا تھا۔ اختری نے چونک کر کہا۔ ''وہ دیکھو...! یہ لوگ اسی تصویر کے قریب آ رہے ہیں۔''

وہ بولا۔ ''فکر نہ کرو۔ میں نے یہاں کی کل ہٹا دی ہے۔ باہر والی کل بیکار ہو گئی ہے۔ وہ دروازہ نہیں کھول سکیں گے۔ ہمیں سرنگ کے راستے فرار ہو کر کسی بھی طرح محل میں پہنچنا ہو گا۔ وہیں ہماری سلامتی ہے۔''

دوسری طرف وہ چیخ چیخ کر ایک دوسرے سے بول رہے تھے۔ ''یہ دیکھو! اس تصویر کے پیچھے ایک لوہے کی کل ہے۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا' اسے کس طرح استعمال کیا جائے؟ یہ گھوم تو رہی ہے لیکن کہیں سے کوئی چور دروازہ نہیں کھل رہا ہے۔''

اندر تاریکی میں وہ دونوں اونچی چوکی سے اتر گئے تھے۔ روحی صبا اسے ایک بازو میں سمیٹ کر تاریکی میں راستہ ٹٹولتا ہوا ایک زینے تک آ گیا۔ پھر بولا۔ ''تم میرے پیچھے رہو۔ میرا دامن تھام لو۔ آگے زینہ ہے۔ ایک ایک پائدان پر سنبھل سنبھل کر قدم رکھتی رہو۔''

وہ اس کی ہدایت پر عمل کرتی ہوئی زینے سے اترنے لگی۔ نیچے پہنچ کر روحی صبا نے شمع روشن کر دی۔ پھر وہ دونوں اس کی روشنی میں ایک سرنگ سے گزرنے لگے۔ تقریباً ایک کوس کا فاصلہ طے کرنے کے بعد انہیں دوسرا زینہ ملا۔ وہ اس پر چڑھتے ہوئے اوپر آ گئے۔

اختری نے دیکھا' وہاں گھوڑوں کا اصطبل بنا ہوا تھا۔

سواری کے لئے گھوڑے مل گئے۔ وہ تقریباً ایک گھنٹے بعد آگرے کے شاہی محل میں پہنچے۔ ابھی رات کا پہلا پہر تھا۔ تقریباً سب ہی جاگ رہے تھے۔ وہ دونوں سیدھے ماہم بیگم کی خدمت میں حاضر ہو کر ادب سے جھک گئے۔ اس وقت بیگہ بیگم ہمایوں کے ساتھ وہاں موجود تھی۔ اختری اور روحی صبا کو زندہ سلامت دیکھ کر پریشان ہو گئی۔ وہ ماہم بیگم کو اپنی روداد سنا رہے تھے۔ کبھی اختری بول رہی تھی' کبھی روحی صبا بول رہا تھا۔ جب انہوں نے خواجہ سرا آفت جان کا نام لیا تو ماہم بیگم نے چونک کر بیگہ بیگم کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ آفت جان تو تمہارا خاص خدمت گار ہے؟''

بیگہ بیگم نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ ''نہیں۔ بھلا وہ اختری کو ہلاک کرنے کیوں جائے گا؟ یہ اسے پہچاننے میں غلطی کر رہے ہیں۔''

ماہم بیگم نے بیٹے سے کہا۔ ''سانچ کو آنچ کیا...؟ سپاہیوں کو حکم دو۔ اسے تلاش کیا جائے۔ جہاں بھی ملے اسے گرفتار کر کے یہاں حاضر کیا جائے۔''

حکم دیا گیا۔ فوراً ہی اس کی تعمیل کی گئی۔ تھوڑی دیر بعد ہی محل کی اُردا بیگنیاں آفت جان کو حراست میں لے کر ان کے سامنے حاضر ہو گئیں۔ ہمایوں نے سخت لہجے میں پوچھا۔ ''کیا تم اختری کو ہلاک کرنے اس کی حویلی میں گئی تھیں؟''

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا۔ ''مجھ سے بڑی سے بڑی قسم لے لیں۔ میں نے تو ادھر کا رخ بھی نہیں کیا ہے۔''

اختری نے ماہم بیگم کے سامنے دست بستہ سر جھکا کر کہا۔ ''اس نے وہاں میری تجوری توڑی ہے۔ زیورات نکالے ہیں۔ آپ نے مجھے ایک قیمتی ہیرا عنایت فرمایا تھا۔ اس نے وہ ہیرا چرا کر اپنے لباس میں چھپایا تھا۔ ممکن ہے' وہ ابھی اس کے لباس میں ہو؟''

ماہم بیگم نے ایک اُردا بیگنی کو حکم دیا۔ ''اس کی جامہ تلاشی لی جائے۔''

آفت جان کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔ اُردا بیگنی حکم کی تعمیل کر رہی تھی۔ اس کی تلاشی لے رہی تھی۔ جلد ہی وہ ہیرا اس کے لباس سے برآمد ہو گیا۔ آفت جان فوراً ہی ہمایوں کے قدموں میں گر کر گڑگڑانے لگا۔ ''مجھے معاف کر دیں بادشاہ سلامت! میں صرف چوری کی

نیت سے وہاں گئی تھی۔ چوری کا تمام مال واپس کر دوں گی۔ ایک بار میری اس غلطی کو معاف کر دیں۔''

روحی صبا نے کہا۔ ''یہ جھوٹ بول رہی ہے۔ یہ اور اس کے ساتھی ننگی تلواریں لئے اختری بیگم کو تلاش کر رہے تھے۔''

ہمایوں نے آفت جان کو ٹھوکریں مارتے ہوئے کہا۔ ''سچ اگل دے... ورنہ تجھے جلاد کے حوالے کر دیا جائے گا۔''

آفت جان نے بیگہ بیگم کو رحم طلب نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ ہی مجھے بچا سکتی ہیں ملکہ عالیہ! یہ ناچیز آپ کی نمک خوار ہے۔ میں تو وہی کرتی ہوں' جو آپ کہتی ہیں۔''

بیگہ بیگم نے پریشان ہو کر ہمایوں کو دیکھا۔ پھر آفت جان کو ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔ ''کم بخت! جھوٹی! مکار! تو ہمارے کہنے سے کیا کرتی ہے؟ کیا ہم نے تجھے اس حویلی میں چوری کرنے کا حکم دیا تھا؟''

ماہم بیگم نے سخت لہجے میں کہا۔ ''یہ چوری کرنے نہیں... اختری کو ہلاک کرنے گئی تھی۔''

ہمایوں نے آفت جان سے کہا۔ ''ہم آخری بار پوچھتے ہیں' جو سچ ہے وہ بولو۔ ورنہ ہمارے جلاد سچ اگلوانا خوب جانتے ہیں۔''

وہ سجدے میں گر کر بولا۔ ''نہیں نہیں۔ مجھے جلاد کے حوالے نہ کریں۔ میں سچ بولتی ہوں۔ ملکہ معظمہ نے حکم دیا تھا کہ چاند بی بی کو دریا میں غرق کر دیا جائے۔ کیونکہ وہ اس سلطنت کا جانشین پیدا کرنے والی تھیں۔''

ماہم بیگم اور ہمایوں نے ایکدم سے چونک کر بے یقینی سے بیگہ بیگم کو دیکھا۔ وہ ان سے نظریں چرا کر آفت جان کو گھورنے لگی۔ وہ بول رہا تھا۔ ''میں نے ان کی کشتی میں سوراخ کرایا تھا۔ اس کشتی میں ظل سبحانی کی ایک بیگم کے ساتھ دوسری بیگم بھی ڈوب مریں۔''

ہمایوں نے قہر آلود نظروں سے بیگہ بیگم کو دیکھا۔ وہ سہم کر پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔ ''یہ جھوٹ بول رہی ہے۔ ہم پر بہتان باندھ رہی ہے۔ کیا آپ ایک ذلیل خواجہ سرا کے الزامات کو درست مان لیں گے؟''

آفت جان سجدے سے اٹھ کر دونوں ہاتھ پھیلا کر بولا۔ "ملکہ عالیہ! سچ بول دیں۔ میں بے قصور ہوں۔ حکم کی بندی ہوں۔ جو حکم دیا جائے گا' وہی کروں گی اور میں نے وہی کیا ہے۔"

پھر اس نے ماہم بیگم کی طرف رخ کرتے ہوئے کہا۔ "ملکہ معظمہ نہیں چاہتی تھیں کہ ان کی کوئی بھی سوکن اس تخت کا جانشین پیدا کرے۔ دو بیگمات کو ڈبونے کے بعد اختری بیگم رہ گئی تھیں۔ یہ بھی بیٹا پیدا کرنے والی تھیں۔ اس لئے مجھے حکم دیا گیا کہ آج ہی ان کا بھی کام تمام کر دیا جائے۔"

پھر وہ ہمایوں کی طرف دونوں ہاتھ پھیلا کر بولا۔ "عالم پناہ! آپ سچے موتیوں کی اس مالا کو تو پہچان سکتے ہیں جو آپ نے ملکہ معظمہ کو عطا کی تھی۔ انہوں نے وہ مالا میری خدمات کے صلے میں مجھے عنایت کی ہے۔ وہ اس وقت میرے حجرے میں رکھی ہے۔ میں اسے ابھی پیش کر سکتی ہوں۔"

بیگہ بیگم بری طرح سہمی ہوئی تھی۔ ہمایوں اسے بڑے دکھ سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس پر اندھا اعتماد کرتا تھا۔ مگر آج وہ اعتماد کا شیش محل ٹوٹ کر چکنا چور ہو گیا تھا۔ ماہم بیگم نے بیٹے سے کہا۔ "تم یہی سمجھتے تھے کہ ہم خواہ مخواہ بڑی بہو کی مخالفت کرتے رہتے ہیں۔ بے شک۔ خدا کے گھر دیر ہے' اندھیر نہیں ہے۔ آج بیگہ بیگم کا اصلی چہرہ بے نقاب ہو گیا ہے۔"

ہمایوں نے حکم دیا کہ آفت جان کو جلادوں کے حوالے کر دیا جائے اور اختری کو شاہی محل میں بہ حفاظت آرام سے رکھا جائے۔

اس کے حکم کے مطابق وہ سب وہاں سے چلے گئے۔ بیگہ بیگم بڑی سخت جان تھی۔ لیکن اس وقت اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ جس ہمایوں کو دل و جان سے چاہتی تھی۔ اسے ہمیشہ کے لئے کھونے والی تھی۔ ماہم بیگم نے کہا۔ "جانِ مادر! جب تک یہ ناگن ہمارے خاندان میں رہے گی۔ کبھی تمہارا جانشین پیدا نہیں ہونے دے گی اور نہ ہی خود پیدا کر سکے گی۔ ہماری صلاح ہے کہ اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا۔ "نہیں۔ آکم مادر! ہم نے اس کے ساتھ بہت اچھا وقت گزارا ہے۔ اس کے آباؤ اجداد کے ساتھ ہمارے آباؤ اجداد کے بہت اچھے مراسم رہے

ہیں۔ اس نے ہمارے ہونے والے ایک جانشین کو دریا میں ڈبویا ہے۔ دوسرے کو بھی ہلاک کرانے والی تھی۔ اس کا جرم ناقابلِ معافی ہے۔ لیکن ہم اسے سزائے موت نہیں دیں گے۔ یہ زندہ رہ کر عمر بھر یہ ذلتیں اٹھاتی رہے گی کہ بادشاہ نے اسے ہمیشہ کے لئے ٹھکرا دیا ہے۔ یہ اس محل میں اور ہماری سلطنت میں نہیں رہے گی۔"

اُردابیگنیوں کو بلایا گیا۔ وہ عورتیں سپاہیوں کی وردی میں ننگی تلواریں شانوں پر رکھے گھومتی پھرتی تھیں۔ ہمایوں نے انہیں حکم دیا۔ "یہ ہماری ملکہ نہیں رہی ہے۔ اسے محل سے باہر لے جاؤ۔ سپاہیوں سے کہا جائے کہ راتوں رات سفر کرتے ہوئے اسے ہماری سلطنت سے باہر پہنچا دیا جائے۔"

بیگہ بیگم اُردابیگنیوں کے درمیان سر جھکائے اس خوابگاہ سے باہر چلی گئی۔ ماہم بیگم نے کہا۔ "جانِ مادر! اپنے حالات کو اچھی طرح سمجھو۔ دشمن محل کے باہر ہی نہیں اندر بھی ہیں۔ سوتیلے بھی ہیں۔ بیگمات بھی ہیں۔ تمہیں کسی بیگم کی محبت میں اندھے بن کر نہیں رہنا چاہئے۔"

وہ قریب آ کر بولی۔ "اپنی ماں کی اس تڑپ اور بے چینی کو سمجھو۔ ہم اپنی زندگی میں تمہارا ایک جانشین چاہتے ہیں۔ جس طرح یہ بیگہ بیگم نہیں چاہتی تھی اسی طرح تمہارے سوتیلے بھائی بھی نہیں چاہیں گے کہ تمہارا کوئی جانشین پیدا ہو۔ وہ تمہارے بعد اور اپنے بعد اپنے ہی بیٹوں کو جانشین بنانا چاہیں گے۔"

وہ بولا۔ "بے شک۔ آپ جہاں دیدہ ہیں۔ حکمرانوں کے ہتھکنڈوں کو خوب سمجھتی ہیں۔ ہم تدبّر سے اور زورِ بازو سے فردوس مکانی باوا حضور کی سلطنت کو قائم رکھنے کی کوششیں کرتے رہتے ہیں۔ لیکن ان کی نسل کو آگے بڑھانا ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ قدرت کو جب منظور ہو گا' تب ہی ایک جانشین پیدا ہو گا۔"

وہ بولی۔ "جانِ مادر! قدرت کو منظور ہے۔ چاند بی بی ایک بیٹے کو جنم دینے والی تھی۔ لیکن اس ناگن نے اسے ڈس لیا۔ اختری سے بھی پوری توقع ہے۔ وہ ضرور ایک پوتا ہماری گود میں دے گی۔"

"خدا کرے۔ ایسا ہی ہو۔"

"نیک کام میں دیر نہیں کرو گے تو ایسا ضرور ہو گا۔ دیر کرو گے تو دشمنوں کو موقع

ملے گا۔"

"دشمنوں کو یہ بھی کہنے کا موقع ملے گا کہ دو بیگمات کے مرتے ہی ہم چوتھی شادی کر رہے ہیں۔"

"تین دنوں تک محل میں ان کا سوگ منایا گیا ہے۔ یوں بھی ہم کوئی دھوم دھام نہیں کر رہے ہیں۔ اس محل کی چار دیواری میں خاموشی سے نکاح کی رسم ادا کی جائے گی۔ لڑکی محل میں ہے۔ جو کام آج ہو سکتا ہے' اسے کل پر کیوں ٹالا جائے؟ آج ہی تمہارا نکاح پڑھایا جائے گا۔"

اس نے چونک کر ماہم بیگم کو دیکھا۔ وہ دروازے تک گئی پھر پلٹ کر بولی۔ "ابھی رسمِ نکاح ادا کی جائے گی اور کل تمام اُمراء اور دیگر معززین کے لئے پُرتکلف دعوت کا اہتمام کیا جائے گا۔ ہم ابھی حکم دیتے ہیں کہ قاضی کو بلایا جائے اور اختری کو دلہن بنایا جائے۔"

یہ کہہ کر وہ چلی گئی۔ ہمایوں خالی دروازے کو تکتے ہوئے سوچنے لگا۔ "یہ کیسی لڑکی ہے؟ اچانک ہی ہماری زندگی میں آئی' اچانک ہی اس نے ہمارے اور والدہ ماجدہ کے سامنے ایک رات کا مطالبہ کیا اور آج اچانک ہی ہماری شریکِ حیات بننے والی ہے۔"

اختری نے بڑے یقین سے کہا تھا کہ اس کے جیوتشی کی پیش گوئی کبھی غلط نہیں ہوتی اور واقعی وہ درست ہو رہی تھی۔ آج رات وہ اپنے محبوب ہمایوں کے حجلۂ عروسی میں آنے والی تھی۔

☆☆☆

شادی دھوم دھام سے نہیں ہوئی۔ پھر بھی محل کے اندر اچھی خاصی رونق ہو گئی تھی۔ باہر راستے چراغ اور اندر راتی شمعیں روشن کی گئی تھیں کہ رات میں دن نکل آیا تھا۔

جھونپڑی میں رہنے والے محلوں کے خواب نہیں دیکھتے۔ لیکن وہ خواب دیکھنے والی دلہن بن کر ہندوستان کے بادشاہ ہمایوں کی خوابگاہ میں پہنچ گئی تھی۔ ایک معمولی سی ملازمہ اپنی محبت سے' لگن سے' کوششوں سے اور مقدر کی مہربانیوں سے ناممکن کو ممکن بنا چکی تھی۔

ماہم بیگم حجلۂ عروسی کے سامنے ایک تخت پر بیٹھی ہوئی تھی۔ دو بہوؤں کے سوگ

میں رقص و سرود کی محفل نہیں جمائی گئی تھی۔ پھر بھی کنیزیں اور قلماقنیاں خوش رنگ لباس میں تھیں۔ اس کے آگے بیٹھی اشعار اور چٹکلے سنا رہی تھیں۔ وہ سن رہی تھی' لطف اندوز ہو رہی تھی لیکن اس کا سارا دھیان حجلۂ عروسی کی طرف تھا۔

اس نے ایسی عجلت میں نکاح پڑھوایا تھا' جیسے نئی بہو رات کو حجلۂ عروسی میں جائے گی اور صبح ہوتے ہی تخت کا جانشین گود میں لے کر باہر آئے گی۔ ویسے بعض حالات میں انسان ایسا ہی عجلت پسند ہو جاتا ہے۔ وہ اس سلسلے میں چار بہوؤں کو آزماتی رہی تھی اور مایوس ہوتی رہی تھی۔ ایک جانشین کے معاملے میں ہونے والی سازشوں نے اسے مجبور کر دیا تھا کہ وہ ہتھیلی پر سرسوں جمائے اور کل ہونے والا کام آج ہی کر ڈالے۔

خواجہ سرا روحی صبا ایک طرف ہاتھ باندھے سر جھکائے کھڑا تھا۔ جھکی جھکی نظروں سے حجلۂ عروسی کے بند دروازے کو دیکھ رہا تھا اور سرد آہیں بھر رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا' جیسے زندگی کی ساری پونجی اس سے چھین لی گئی ہو۔ وہ ایسی پونجی تھی' جسے وہ دیکھ سکتا تھا' سینے سے لگا سکتا تھا مگر خرچ نہیں کر سکتا تھا۔

وہ دل کی گہرائیوں سے دعائیں مانگ رہا تھا کہ اس کی تمام خواہشات پوری ہوتی رہیں۔ وہ جلد ہی ایک جانشین کو جنم دے اور پورے ہندوستان کی ملکۂ معظمہ کہلائے۔

لکڑی کے تخت پر یا چارپائی پر سونے والی شاہ کی مخملی سیج پر تھی اور ہواؤں میں اڑ رہی تھی۔ مسرتوں کے ہجوم میں کبھی کبھی رونے لگتی تھی۔

ہمایوں نے کہا۔ "ہماری زندگی میں کتنی ہی دلہنیں آئیں مگر تم ان سب سے مختلف ہو۔ تمہارا انداز جداگانہ ہے۔ آج تک ہماری کسی دلہن نے آنسوؤں سے مسرتوں کا اظہار نہیں کیا۔ ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ خوشیاں لوٹ رہے ہیں یا تمہارے ہاتھوں لٹ رہے ہیں؟"

وہ بولی۔ "بے شک۔ میں خوشی کے مارے بار بار رو پڑتی ہوں۔ لیکن وصال کے لمحات میں جدائی کا خیال بھی رُلا رہا ہے۔"

"خاطر جمع رکھو۔ ہم تمہیں جدا نہیں ہونے دیں گے.... یہ بتاؤ' یہ آنسو اور کیا کہتے ہیں؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "یہ کہتے ہیں......

اے شمع تیری عمرِ طبعی ہے ایک رات
چاہے ہنس کر گزار یا رو کر گزار دے''

ہمایوں نے کہا۔''اب سے پہلے تم نے ہماری ایک رات مانگی تھی۔اب تو منکوحہ بن چکی ہو۔ہماری ہزار راتیں تمہاری ہیں۔پھر شمع کی ایک رات کا ذکر کیوں کر رہی ہو؟''

وہ بولی۔''آپ علمِ نجوم اور علمِ ہیئت کو مانتے ہیں۔اہم معاملات میں نجومیوں کی رائے ضرور لیتے ہیں۔آپ مانتے ہیں نا؟''

''بے شک۔ہم مانتے ہیں۔ہر انسان اپنے برج کی حد میں ستاروں کے زیرِ اثر رہتا ہے۔''

''میرے ستارے بھی یہی کہتے ہیں' بس یہی ایک رات ہماری ہے....میں ایک رات کی ملکہ ہوں۔اس کے بعد خواب ٹوٹ جائے گا۔''

''ایسا نہ کہو۔ہم تمہیں ٹوٹنے نہیں دیں گے۔''

گھڑیالی رات کے تین بجا رہا تھا۔ہمایوں کی بات ختم ہوتے ہی دور سے توپوں کی دندناتی ہوئی آوازیں سنائی دیں۔وہ ایکدم سے ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔''یا خدا! خیر ہو....''

وہ بڑی پھرتی سے چادر لپیٹتا ہوا تیزی سے چلتا ہوا جھروکے میں آ کر بولا۔''سلامت خان! یہ توپیں کیوں داغی جا رہی ہیں؟''

نیچے کھڑے ہوئے مسلح محافظ نے دست بستہ عرض کیا۔''ظلِ سبحانی پر سبحان تعالیٰ کا سایہ ہمیشہ سلامت رہے۔شیر خان سوری رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر دریا عبور کر چکا ہے۔مخبر نے اطلاع دی ہے' اس کا لشکر یہاں سے چار کوس کے فاصلے پر ہے اور وہ مزید آگے بڑھتا چلا آ رہا ہے۔''

''ہم ابھی اپنے لشکر میں جائیں گے۔فوراً گھوڑا تیار کیا جائے۔''

اس نے پلٹ کر اختری کے پاس آتے ہوئے کہا۔''دشمن شب خون مارنے آ رہا ہے۔ہمیں ابھی جانا ہوگا۔تم آکم مادر کے پاس جاؤ۔''

وہ اسے آغوش میں لے کر بولا۔''واپسی میں تم سے ملاقات ہوگی۔یہ ہماری پہلی رات تھی' اسے آخری نہ سمجھو۔ہم ضرور واپس آئیں گے۔''

پھر وہ خدا حافظ کہہ کر غسل خانے میں چلا گیا۔اختری کے سینے سے ایک آہ نکلی۔

''میرے بادشاہ! میرے سرتاج! آپ دشمنوں سے جنگ لڑ سکتے ہیں۔مقدر سے نہیں لڑ سکتے...''

اس نے چاروں طرف گھوم گھوم کر اس شاہانہ خوابگاہ کو الوداعی نظروں سے دیکھا۔پھر سر جھکا کر وہاں سے جانے لگی۔

وہ شبِ شادمانی گزار چکی تھی۔اگر ستاروں کی چال لڑکھڑاتی نہیں ہے تو آئندہ شبِ غم گزارنے والی تھی۔

(جاری ہے)

ہائے لہو... ہائے پانی......

حضرت بادشاہ نصیر الدین ہمایوں کی زندگی میں ایک معمولی سی لڑکی آئی......ایک رات کے لئے آئی اور وہ رات تمام ہوگئی۔شاہوں کے شب عشرت کدوں میں ایسی کتنی ہی آتی ہیں اور گزر جاتی ہیں۔

نجومی اور ہیئت دان کہتے ہیں کہ انسانوں کی پوری زندگی ان کی ہتھیلیوں پر لکھی ہوتی ہیں۔جو لکیروں کی زبان پڑھنا جانتے ہیں۔وہ اپنی پوری زندگی کے واقعات ہتھیلیوں کے صفحات پر پڑھ لیتے ہیں۔

ایک ہندو جیوتشی اور ایک مسلمان نجومی منیر احمد شامی نے اختری کی ہتھیلیوں کو پڑھ کر کہہ دیا تھا کہ وہ صرف ایک رات کی ملکہ بنے گی اور زائچے کے حساب سے اس ہاتھ کی دوسری لکیر کہہ رہی تھی کہ وہ ایک بیٹے کو جنم دے گی۔

ان کی پہلی پیشگوئی درست ثابت ہوئی تھی۔بادشاہ ہمایوں اس کے ساتھ ایک رات گزار کر میدان جنگ کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔اب یہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ میدان

جنگ سے زندہ سلامت واپس آئے گا یا نہیں؟اگر وہ واپس آئے گا تو اختری اس کے ساتھ سہاگ کی دوسری رات گزار سکے گی یا نہیں....؟

نجومیوں کے بیان کے مطابق ایسا ہو چکا تھا۔حالات نے اچانک پلٹا کھا کر بادشاہ ہمایوں کو ایک باؤلی محبوبہ سے دور کر دیا تھا۔ان پیشگوئی کرنے والوں کو پورا یقین تھا کہ اس بدنصیب لڑکی کی زندگی میں سہاگ کی دوسری رات نہیں آئے گی۔

اختری بھی ابتداء سے یہی کہتی آئی تھی کہ وہ صرف ایک رات کے لئے ہمایوں کی زندگی میں آنا چاہتی ہے۔اس نے ایک رات سے زیادہ کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔اگرچہ ایک شب کے شہزادے کو ایک بار پانے کے بعد بار بار پا لینے کی خواہش دل میں مچل رہی تھی۔لیکن ایسی خواب خواب خواہشیں درِ تعبیر تک پہنچ نہیں پاتیں۔

نجومیوں کی دوسری پیشگوئی اختری کو مطمئن کر رہی تھی' اس کا دل بہلا رہی تھی کہ اب بادشاہ نہ سہی اس کا لہو اس کی کوکھ میں پرورش پائے گا۔وہ تخت کے ایک وارث کو جنم دے سکے گی۔ہیرے جواہرات لٹانے والے بادشاہ نے اسے صرف ایک رات دی تھی۔لیکن وہ قیامت تک نسل در نسل اس کے نام کو روشن رکھے گی۔

یہ اتنی اہم بات تھی کہ ماہم بیگم اس معمولی سی لڑکی کو سر پر بٹھائے ہوئے تھی۔وہ یہ سوچ سوچ کر الجھ رہی تھی کہ نجومیوں کی بات درست ہوئی ہے۔بیٹے نے اس کے ساتھ ایک ہی رات گزاری ہے۔اگر پیشگوئی کے مطابق وہ آئندہ اس کے ساتھ کوئی دوسری رات نہیں گزارے گا تو کیا ایک ہی رات کے نتیجے میں وہ ماں بن سکے گی؟کیا اس کے لئے ایک پوتے کو جنم دے سکے گی؟

اب اس بات کی کوئی اہمیت نہیں رہی تھی کہ وہ ایک رات کی ملکہ رہے گی یا ہزار راتوں کی سہاگن بنتی رہے گی؟اہمیت صرف اس بات کی تھی کہ وہ تخت کا ایک وارث پیدا کر سکے گی یا نہیں؟اس سوال کا جواب نجومی ہی دے سکتے تھے۔جبکہ وہ بہت پہلے اختری کے ماں بننے اور ایک بیٹے کے جنم دینے کی پیشگوئی کر چکے تھے۔

ماہم بیگم اس پیشگوئی کی تصدیق کرنا چاہتی تھی۔للہٰذا اس نے ہندو جیوتشی اور مسلمان نجومی منیر احمد شامی کو طلب کیا۔انہیں حکم دیا کہ وہ محل میں بڑے آرام سے بیٹھ کر

حضرت جہاں بانی (ہمایوں) کے زائچے اور اختری کے زائچے کا بغور مطالعہ کریں اور بتائیں کہ وہ دونوں دوبارہ ازدواجی زندگی گزار سکیں گے یا نہیں؟

یہ بھی بتایا جائے کہ اختری کی زندگی میں سہاگ کی ایک ہی رات ہے تو کیا وہ ایک رات کے بعد ماں بن سکے گی؟ ایک وارث کو جنم دے سکے گی؟

اور یہ بتائیں کہ موجودہ جنگ کا نتیجہ کیا ہوگا؟ کیا اس جنگ سے حضرت جہاں بانی کامیاب وکامران لوٹیں گے؟

اور یہ بتائیں کہ ہمایوں کا فی الوقت بدترین اور خطرناک دشمن کون ہے؟ ایک طرف چھوٹے بڑے راجے مہاراجے تھے۔ دوسری طرف شیر خان سوری تھا اور تیسری طرف سوتیلے بھائی تھے۔ جنہیں ہمایوں بڑی محبت اور نرمی سے اپنی طرف مائل کرنے کی کوششیں کرتا رہتا تھا۔

ایک سوتیلی ماں گل رخ بیگم سے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام کامران مرزا اور دوسرے کا نام عسکری مرزا تھا۔ دوسری سوتیلی ماں دلدار بیگم سے ایک بیٹا تھا۔ جس کا نام ہندال تھا۔ اس حساب سے ہمایوں کے تین سوتیلے بھائی تھے اور وہ ان تینوں کو سمجھاتا تھا کہ اگر ہم چاروں متحد ہو جائیں تو کوئی دشمن ہمارے خلاف ہتھیار اٹھانے کی جرات نہیں کر سکے گا۔ پورے ہندوستان پر ہماری حکومت قائم ہو جائے گی۔ ہم چاروں بھائی مختلف علاقوں میں حکمران بن کر رہا کریں گے۔

لیکن حاسدوں کے دماغوں میں عقل کی بات کبھی نہیں سماتی۔ ان کے اندر بس یہی حسد، بغض اور کینہ تھا کہ فردوس مکانی بادشاہ بابر نے ان کے مقابلے میں ہمایوں کو تخت اور تاج کا وارث کیوں بنایا؟

ان چاروں کی رگوں میں ایک ہی باپ کا لہو گردش کر رہا تھا۔ لیکن ان کے مزاج' ان کی سوچ اور ان کے ارادے الگ الگ تھے۔ یہ کہاوت غلط ہو رہی تھی کہ خون..... خون کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ یہ درست ثابت ہو رہا تھا کہ خود غرضی اور اقتدار کی ہوس لہو کو پانی کر دیتی ہے۔

وہ جیوتشی اور نجومی محل میں جم کر بیٹھ گئے تھے۔ اختری اور ہمایوں کے زائچے کا

بغور مطالعہ کر رہے تھے۔ ماہم بیگم کا جان سے زیادہ عزیز بیٹا جان پر کھیلنے کے لئے میدانِ جنگ کی طرف گیا ہوا تھا۔ اس نے باہر پہرہ دینے والے مسلح سپاہیوں کے داروغہ کو بلا کر حکم دیا۔ ''ہمیں اپنے بیٹے کے بارے میں پل پل کی خبر پہنچائی جائے۔ یہ بتایا جائے کہ اس وقت سورتحال کیا ہے؟''

داروغہ نے دست بستہ عرض کیا۔ ''ملکہ عالم کا اقبال بلند ہو۔ ہمارے بادشاہ سلامت خوش نصیب ہیں۔ دشمن شیر خان سوری نے دریا عبور نہیں کیا ہے۔ پہلے جو اطلاع ملی تھی۔ وہ سراسر غلط تھی۔''

ماہم بیگم نے مطمئن ہو کر کہا۔ ''خدا کا شکر ہے۔ دشمن پیش قدمی کے سلسلے میں ناکام رہا ہے۔''

بیٹا میدان جنگ میں تھا۔ ماں کی نیند اڑی ہوئی تھی۔ پچھلی رات تو وہ اس خوشی میں جاگتی رہی تھی کہ اختری کے ساتھ بیٹے کی پہلی سہاگ رات تھی۔ ایک پوتے کو گود میں کھلانے کی ایسی بے چینی تھی کہ نیند نہیں آ رہی تھی۔

صبح ہونے سے پہلے ہی اس خبر نے نیند اڑا دی کہ دشمن لشکرِ جرار کے ساتھ دریا پار کر چکا ہے اور دندناتا ہوا آگرے کی طرف چلا آ رہا ہے۔ بیٹا اسے روکنے کے لئے گیا تھا۔ جب تک اس جنگ کا نتیجہ خاطر خواہ نہ ہوتا' اسے نیند نہ آتی۔

اختری شاہی محل کی ایک شاہی خواب گاہ میں تھی۔ وہاں عیش وعشرت کا تمام سامان موجود تھا۔ صرف دلی سکون نہیں تھا۔ پچھلی تمام رات جاگنے کے بعد اسے سو جانا چاہئے تھا۔ لیکن ہر کروٹ میں ہمایوں کی قربت یاد آ رہی تھی۔ وہ زیر لب اس سے کہہ رہی تھی۔ ''اس ایک رات سے پہلے جو زندگی تھی۔ وہ تیری آرزو میں گزری۔ اس ایک رات کے بعد تیری واپسی کی خوش فہمی میں عمر کٹے گی۔''

وہ دوسری کروٹ لیتے ہوئے بولی۔ ''ہائے! میں تو جانتی بھی نہیں تھی' سہاگ رات کیا ہوتی ہے؟ تیرے لئے جتنی خواہشات تھیں۔ وہ سب معصوم تھیں۔ بے ادب قربتوں کو نہیں سمجھتی تھیں۔ میرا بدن تو گونگا تھا۔ تو نے ایک ہی رات میں اسے بولنا سکھا دیا۔''

اس کی جدائی میں تڑپنا‘ اس کے لئے مچلنا اور اسے یاد کرنا بہت اچھا لگ ر
تھا۔ دل سے دعائیں نکل رہی تھیں کہ جنگ مختصر ہو اور بادشاہ فتح حاصل کرنے کے بعد ایک با
پھر اسے فتح کرنے آجائے۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ”شتاب آ کہ نہیں تاب اب جدائی کی..... میرے بادشاہ! میں
مانگتی رہتی تو تُو مجھے ہیرے جواہرات میں تول دیتا۔ تُو مانگتا رہتا تو میں مول تول کے بغیر تجھے
سب کچھ دیتی رہتی۔ میری بے حساب سخاوت کے صدقے ہی آجا۔ جو راستہ جاتا ہے۔ وہ
واپس بھی آتا ہے۔ مسافر کو بھی واپس آجانا چاہئے۔“

اختری نے تنہائی سے گھبرا کر روحی صبا کو طلب کیا۔ وہ فوراً ہی حاضر ہو کر کورنش بجا
لایا۔ اختری نے کہا۔ ”میں نے تمہیں پہلے بھی سمجھایا ہے‘ تنہائی میں یوں جھک کر مجھے سلام نہ
کیا کرو۔ میں تمہیں خادمہ نہیں سمجھتی ہوں۔ اپنی سہیلی مانتی ہوں۔ اس لئے دل گھبراتا ہے تو
پہلے تمہیں ہی یاد کرتی ہوں۔“

صبا روحی نے کہا۔ ”خدا آپ کا اقبال بلند کرے۔ فی الوقت آپ بادشاہ سلامت
کی ایک ہی شریک حیات ہیں۔ اس لئے آپ کو ملکہ معظمہ کا درجہ حاصل ہے۔ لہٰذا جلوت ہو
یا خلوت ہر جگہ آپ کا احترام اور تعظیم لازمی ہے۔“

وہ بولی۔ ”یہ ملکہ معظمہ پانی کا بلبلہ ہے۔ بادشاہ سلامت حالات سے مجبور ہو گئے
اور مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔ اب نجومی حضرات میرا زائچہ لے کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ پتہ نہیں
آگے کیا کہنے والے ہیں؟“

صبا روحی نے کہا۔ ”آپ کے ساتھ بادشاہ سلامت کا بھی زائچہ ہے۔ میں
دعائیں مانگ رہی ہوں‘ وہ جلد واپس آجائیں اور نجومیوں کی یہ پیشگوئی غلط ثابت ہو جائے
کہ آپ کو ازدواجی زندگی کی ایک ہی رات نصیب ہوگی۔ خدا نے چاہا تو بادشاہ سلامت کی
تمام راتیں آپ ہی کے لئے وقف رہا کریں گی۔“

”آمین۔ خدا تمہاری دعا قبول کرے۔ میں چاہتی ہوں‘ تم ابھی وہاں
جاؤ۔ جہاں جیوتشی اور نجومی بیٹھے ہوئے ہیں۔ معلوم کر کے آؤ کہ وہ ماہم سے کیا کہہ رہے ہیں؟ وہ
میرے متعلق اچھا کہیں یا برا۔ تم مجھ سے کوئی بات نہیں چھپاؤ گی۔ جو سچ ہے وہی میرے

سامنے بیان کرو گی۔“

وہ سر جھکائے رہتا تھا۔ لیکن چور نظروں سے اختری کو دیکھتا رہتا تھا۔ جب بھی
سامنا ہوتا تو بے اختیار اس کی طرف کھنچا چلا جاتا تھا۔ اس نے بڑی چاہت سے اسے دیکھتے
ہوئے کہا۔ ”خدا مجھے سچ بولنے کی توفیق دے۔ میں جھوٹ بول کر آپ کو تاریکی میں نہیں
رکھوں گی۔“

وہ جھک کر سلام کرتا ہوا۔ الٹے قدموں چلتا ہوا خواب گاہ سے باہر آگیا۔ اختری
کی چاہت میں یہ سوچ کر دل ڈوب رہا تھا کہ اسے خواب کی تعبیر ملی۔ بادشاہ ملا۔ مگر اب بھی
ہزاروں خواہشیں ایسی تھیں کہ ساری زندگی ہر خواہش پر اس کا دم نکلتا رہتا۔

اختری اس خواجہ سرا کے دل و دماغ پر چھائی ہوئی تھی۔ وہ بنیادی طور پر خواجہ سرا
نہیں تھا۔ مگر حالات نے اسے ایسا بنا دیا تھا۔ اس کی مردانگی کو اوپر سے قتل کیا گیا تھا۔ لیکن
اندر سے آج بھی اس کی مردانگی پورے زور شور کے ساتھ تھی۔ دل میں امنگیں بھڑکتی تھیں‘
جذبات شور مچاتے تھے۔ وہ جذبات کی توانائی کے حوالے سے ایک کے بعد ایک قلعہ فتح کر
سکتا تھا۔ لیکن اس سپاہی سے ہتھیار چھین کر اسے میدان عمل میں دھکیل دیا گیا تھا۔

وہ بابر کے دور حکومت سے شاہی محل میں تھا۔ دن رات حسین بیگمات اور بڑی
دلربا ادائیں دکھانے والی کنیزوں کے درمیان رہتا تھا۔ اس کے اندر شاعرانہ جذبات ہلچل
مچاتے رہتے تھے۔ وہ خود کو اندر ہی اندر کچلتا رہتا تھا۔ ایسے ہی وقت اختری ایک معمولی
خادمہ کی حیثیت سے اس کے صبر کو آزمانے شاہی محل میں آگئی تھی۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ اس لڑکی میں کیسی قدرتی کشش تھی؟ وہ بے اختیار کھنچا چلا جاتا
تھا۔ دل کرتا تھا کہ صرف اس کے سامنے عورتوں کے انداز میں آتی ہوں‘ جاتی ہوں۔ والی
بولی نہ بولے۔ ایک مرد کی ٹھوس آواز اور لہجے میں اور مردانہ طرز گفتگو سے بولتا ہوا اس کے
دل میں اترتا چلا جائے۔

یہ ایسی خواہشات تھیں۔ جو کبھی پوری ہونے والی نہیں تھیں۔ وہ اس کہاوت کے
تحت صبر کر رہا تھا کہ جسے چھو لیا جائے اسے پوجا نہیں کرتے۔ وہ دل ہی دل میں دور ہی دور
سے اس کی پرستش کرتا رہتا تھا۔

وہ محل کے اس حصے میں گیا۔ جہاں جیوتشی اور نجومی بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے ماہم بیگم کو اطلاع بھیجی تھی کہ بادشاہ سلامت ہمایوں اور ملکہ معظمہ اختری بیگم کے زائچوں کا اچھی طرح مطالعہ کیا جا چکا ہے اور وہ دونوں اب کچھ کہنا چاہتے ہیں۔

ماہم بیگم فوراً ہی ایک باریک ریشمی پردے کے پیچھے آ کر شاہانہ طرز کے ایک تخت پر بیٹھ گئی۔ صبا روجی بھی وہاں آ کر اس کے پیچھے ہاتھ باندھے سر جھکائے کھڑا ہو گیا۔ وہ موجودہ ملکہ معظمہ اختری بیگم کا خاص خدمت گار تھا۔ اس لئے محل کے کسی بھی حصے میں بلا روک ٹوک جا سکتا تھا۔

جیوتشی اور نجومی آداب شاہی سے اور شاہوں کے مزاج سے اچھی طرح واقف رہتے تھے۔ وہ کوئی ایسی بات کہنے سے گریز کرتے تھے۔ جس سے بیگمات کو اور بادشاہوں کو صدمہ پہنچتا ہو۔ وہ کوئی اچھی خبر سناتے تو انہیں انعام و اکرام سے نوازا جاتا اور کوئی بری خبر ہوتی تو انہیں حراست میں رکھا جاتا۔ یہ دیکھا جاتا کہ ان کی بری پیشگوئی کس حد تک درست ہے؟ جب تک اچھے دن لوٹ کر نہ آتے۔ وہ بے چارے اپنی بیویوں اور بچوں سے محروم ہو کر قید خانے میں پڑے رہتے تھے۔ اگر ایسی خوش خبری سناتے جو بعد میں جھوٹی ثابت ہوتی تو جھوٹ بولنے پر انہیں سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔

ماہم بیگم کو بلانے سے پہلے ان دونوں جیوتشی اور نجومی نے چپکے چپکے باتیں کی تھیں اور یہ فیصلہ کیا تھا کہ اپنی سلامتی کی خاطر گھما پھرا کر باتیں کی جائیں گی۔ ایسی بات ہر گز نہیں بتائی جائے گی۔ جسے سن کر ماہم بیگم کا دل ٹوٹ جائے۔ بادشاہ سلامت کی ماں کو صدمہ پہنچے گا تو ان دونوں کی بھی شامت آ جائے گی۔

ستاروں کی چال انہیں بتا رہی تھی کہ ہمایوں ایک طویل عرصے تک گردش میں رہے گا۔ سازشوں کا شکار بھی ہوتا رہے گا اور شیر خان سوری کے مقابلے میں بھی شکست سے دو چار ہوتا رہے گا۔

منیر احمد شامی نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔ ''آ کم ملکہ اور بادشاہ سلامت پر خیر و برکت نازل ہو۔ جان کی امان پاؤں تو کچھ عرض کروں؟''

ماہم بیگم نے کہا۔ ''جو ستارے کہتے ہیں۔ انہیں من و عن بیان کرو۔ جو سچ ہے

وہی بولو۔ جھوٹ بولنے والے سزا کے مستحق ہوتے ہیں۔''

منیر احمد شامی نے کہا۔ ''بادشاہ سلامت کے مقدر میں کامیابی و کامرانی، فتح و نصرت ہے۔ مگر.... ذرا دیر سے ہے۔''

منیر احمد شامی نے یہ کہہ کر جیوتشی کو دیکھا۔ اس نے کہا۔ ''وہ پرمیشور۔ سب کا پالن ہار ہے۔ وہ دیر کرتا ہے۔ اندھیر نہیں کرتا۔ یہ جو جنگ ہو رہی ہے۔ اس میں مہاراج ادھیراج (ہمایوں) کی نہ ہار ہوگی۔ نہ جیت۔''

ماہم بیگم نے سخت لہجے میں کہا۔ ''بات کو نہ الجھاؤ۔ وضاحت سے بولو۔''

جیوتشی نے کہا۔ ''بادشاہ سلامت اس جنگ میں پہلے پیچھے ہٹ جائیں گے۔ تاکہ آئندہ دشمن پر بھاری پڑ سکیں اور اسے میدان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور کر دیں۔''

وہ سوچ سوچ کر باتیں بنا رہے تھے۔ یہ نہیں جانتے تھے کہ خواہ مخواہ بنائی جانے والی باتیں آئندہ درست ہونے والی ہیں۔ ایسے ہی وقت ایک پیغامبر نے آ کر اطلاع دی۔ ''بادشاہ سلامت چونسہ کے میدان میں شیر خان سوری سے برسرِ پیکار ہیں۔ گھمسان کا رَن پڑا ہے۔ دشمن اپنے لشکرِ جرار کے ساتھ ہے اور بادشاہ سلامت تنہا رہ گئے ہیں۔ کامران مرزا اور عسکری مرزا کو اپنا اپنا لشکر لے کر ان کی مدد کے لئے وہاں آنا چاہئے تھا۔ لیکن کوئی نہیں آ رہا ہے۔''

کامران مرزا نے کہلا بھیجا تھا کہ وہ سخت بیمار ہے۔ طبیعت سنبھلتے ہی اپنے لشکر کے ساتھ بادشاہ سلامت کی مدد کے لئے ضرور پہنچے گا۔

اور عسکری مرزا نے کہلوایا تھا کہ اس کے نجومیوں نے پیشگوئی کی ہے' بادشاہ سلامت کے ستارے گردش میں ہیں۔ ان کا ساتھ دینے والے بھی گردش میں آ جائیں گے۔ لہٰذا وہ شیر خان سوری کے مقابلے پر آنے کی حماقت نہیں کرے گا۔

تیسرا سوتیلا بھائی ہندال وہاں سے بہت دور قندھار میں تھا۔ اس سے کوئی شکایت نہیں کی جا سکتی تھی۔ ہمایوں نے خود ہی کہا تھا کہ وہ قندھار میں رہے اور اس کے اگلے احکامات کا انتظار کرتا رہے۔

ان حالات کی روشنی میں ماہم بیگم نے سمجھ لیا کہ جیوتشی اور منیر احمد شامی درست

کہہ رہے ہیں۔اس کے تمہارہ جانے والے بیٹے کو پہلے شکست ہوگی۔پھر خدا نے چاہا تو فتح نصیب ہوگی۔

اس نے دونوں نجومیوں سے کہا۔''ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر یہ بتاؤ' ہمارا بیٹا زندہ وسلامت واپس آئے گا یا نہیں؟''

دونوں نے کہا۔''بے شک وشبہ وہ زندہ وسلامت واپس آئیں گے۔ان پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔''

ماہم بیگم نے اطمینان کی ایک گہری سانس لی۔پھر کہا۔''موجودہ ملکہ معظمہ اختری بیگم کے متعلق بیان کرو۔''

جیوتشی نے کہا۔''بھگوان کی کرپا سے ہماری ایک پیشگوئی درست ہوئی ہے۔مہارانی کے نصیب میں ایک ہی سہاگ رات تھی۔وہ گزر چکی ہے۔اب ان کی زندگی میں سہاگ کی دوسری رات نہیں آئے گی۔''

ماہم بیگم نے کہا۔''جب تم یہ کہتے ہو کہ ہمارا بیٹا زندہ سلامت واپس آئے گا۔تو پھر وہ ہماری بہو کے ساتھ ازدواجی رشتہ قائم کیوں نہیں کر سکے گا؟''

منیر احمد شامی نے کہا۔''ہمارا علم ہمیں ہر بات وضاحت سے نہیں بتاتا۔ہم زائچے اور ستاروں کی چال کے مطابق حساب لگاتے ہیں۔پھر اپنی سمجھ کے مطابق پیشگوئی کرتے ہیں۔بالالفاظ دیگر ہم معلومات کی دھند میں سے گزرتے ہوئے کچھ دیکھتے ہیں اور کچھ دیکھ نہیں پاتے۔یہ تو یقین سے کہتے ہیں کہ بادشاہ سلامت خیر خیریت سے واپس آئیں گے۔لیکن یہ معلوم نہیں ہو رہا ہے کہ ملکہ معظمہ کے ساتھ ازدواجی زندگی کیوں نہیں گزار سکیں گے؟''

ماہم بیگم نے پریشان ہو کر کہا۔''تمہاری اس بات نے ہمیں تشویش میں مبتلا کر دیا ہے۔کیا ایک رات گزارنے کے نتیجے میں وہ ہمارے پوتے کو جنم دے سکیں گی؟''

جیوتشی نے کہا۔''اوشے۔جنم دیں گی۔مہارانی کے ستارے' جنم کنڈلی اور ہاتھ کی ریکھا کہہ رہی ہے ایک بیٹا اوشے ہوگا۔''

ایسا کہتے وقت جیوتشی اور منیر احمد شامی نے ایک دوسرے کو چور نظروں سے دیکھا۔انہوں نے یہ حقیقت بیان نہیں کی کہ اختری کتنے بدترین حالات سے گزرنے کے

بعد بیٹے کو جنم دے گی؟ پھر وہ بیٹا اپنے باپ کے ہاتھوں تک اور دادی جان کی آغوش تک پہنچ بھی پائے گا یا نہیں؟ دنیا کے تمام نجومی بہت کچھ بتاتے ہیں۔لیکن سب کچھ بتا نہیں پاتے۔

ماہم بیگم نے حکم دیا۔''جب تک ہمارا بیٹا ہمایوں خیر خیریت سے واپس نہ آئے۔تب تک دونوں محل کے مہمان خانے میں رہو گے۔اور بادشاہ پر آنے والی بری گھڑیوں کو ٹالنے کا راستہ تلاش کرتے رہو گے۔''

وہ حکم صادر کر کے اپنی خواب گاہ میں آ گئی۔اسے بار بار یہ سوال پریشان کر رہا تھا۔

''کیا اختری ایک ہی رات کی دلہن رہ جائے گی؟ اگر پیشگوئی درست ہے تو کیا وہ ہمارے پوتے کی ماں بن سکے گی؟''

وہ ادھر سے ادھر ٹہلتے ہوئے سوچنے لگی۔''خدا کرے جنگ مختصر ہو اور ہمارا بیٹا صحیح سلامت واپس آ جائے۔پھر ہم دیکھیں گے کہ اختری کی دوسری تیسری راتیں ہمارے بیٹے کے ساتھ کیسے نہیں گزریں گی؟ کیوں نہیں گزریں گی؟''

وہ ایک جگہ تھکے ہوئے انداز میں بیٹھ گئی۔پھر سوچنے لگی۔''ایک ہی رات سہی... جب تک اختری کے پاؤں بھاری نہ ہوں۔تب تک ہم اس پر کسی مرد کا سایہ نہیں پڑنے دیں گے۔اسے سات پردوں میں چھپا کر رکھیں گے۔وہ امید سے ہوگی۔نجومیوں کی پیشگوئی درست ہوگی۔تو پھر ہم اختری کو کلیجے سے لگا کر رکھیں گے۔اپنی سوکنوں اور سوتیلے بیٹوں پر کڑی نظر رکھیں گے۔انہیں کبھی اختری کے قریب پھٹکنے نہیں دیں گے۔''

ادھر صبا روحی نے اختری کے پاس آ کر کہا۔''جیوتشی پر آپ کا اعتماد درست ہے۔نجومی منیر احمد شامی بھی یہی کہہ رہا تھا کہ بادشاہ سلامت خیر خیریت سے واپس آئیں گے۔لیکن آپ سے وصال نہیں ہوگا۔''

اختری نے بڑی حسرت سے پوچھا۔''کیا کبھی نہیں ہوگا؟''

وہ بولا۔''نجومیوں نے کبھی کی بات نہیں کی ہے۔بہت دور تک کی پیشگوئی سے گریز کیا ہے۔مگر ایک بات آپ کے حق میں ہے۔''

اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔وہ بولا۔''نجومیوں نے یہ یقین کے ساتھ کہا ہے کہ آپ ایک بیٹے کو جنم دیں گی۔خدا ان کی زبان مبارک کرے۔اگر یہ پیشگوئی

سچی ثابت ہوگئی تو آپ کا وقار سب سے بلند ہوگا۔ آپ تخت وتاج کے وارث کی والدہ محترمہ کہلائیں گی۔''

وہ خوش ہو رہی تھی اور کچھ فکر مند بھی تھی۔ اس نے کہا ''یہ بات سمجھ میں نہیں آرہی ہے کہ بادشاہ سلامت یہاں خیر خیریت سے آئیں گے تو مجھے شرف باریابی کی اجازت کیوں نہیں دیں گے؟ میرے اور ان کے درمیان ایسی کون سی دیوار حائل ہو جائے گی؟''

وہ بولا ''یہ بات تو میں بھی سمجھ نہیں پا رہی ہوں۔ ایسا کیا ہو جائے گا؟ اللہ کرے بادشاہ سلامت ابھی واپس آئیں۔ ابھی ہم دیکھیں کہ نجومی حضرات کس حد تک درست فرما رہے ہیں؟''

جو ہونی ہے' وہ ضرور ہونی ہے۔ جو تماشہ پیش آنے والا ہوتا ہے' وہ ضرور پیش آتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد ہی ہمایوں بادشاہ نے اپنے خاص قاصد کو ایک تحریری پیغام کے ساتھ بھیجا۔ ماہم بیگم نے اسے پڑھا۔ بیٹے نے لکھا تھا ''آکم مادر کا سایہ ہمارے سر پر ہمیشہ سلامت رہے۔ اس وقت حالات ہمارے ناموافق ہیں۔ بھائیوں نے منہ پھیر لیا ہے۔ ہم شیر خان سوری کے لشکرِ جرار کے مقابلے میں تنہا رہ گئے ہیں۔

ہم نہیں جانتے' آگے کیسے حالات پیش آنے والے ہیں؟ دانشمندی کا تقاضہ یہ ہے کہ آپ دوسری بیگمات اور خاص کنیزوں کے ساتھ فوراً ہی آگرہ چھوڑ دیں۔ اس تحریر کو پڑھتے ہی لاہور کی طرف روانہ ہو جائیں۔ ہم اپنے حالات سے نمٹنے کے بعد مناسب وقت اور موقع دیکھ کر آپ کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہو جائیں گے۔

ہمیں امید ہے' آپ فوراً آگرہ چھوڑ کر ابھی لاہور کے لئے روانہ ہو جائیں گی۔

سفر کے دوران ہمارے لئے دعائیں کرتے رہیں۔ ہم میدانِ جنگ میں آپ کے لئے دعائیں مانگتے رہیں گے۔ انشاءاللہ جلد ہی ملاقات ہو گی۔ فی امان اللہ.... آپکا فرمانبردار بیٹا... نصیر الدین ہمایوں.....''

بیٹے کی وہ تحریر ماں کے ہاتھوں میں تھی۔ وہ سر اٹھائے چھت کو یوں تک رہی تھی' جیسے آسمان کو دیکھ رہی ہو۔ خدا کی قدرت کو سمجھ رہی ہو۔ کچھ دیر پہلے تک یہ بات سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ بیٹا زندہ سلامت واپس آنے کے بعد بھی اختری کے ساتھ وقت کیوں نہیں

گزار سکے گا؟ اب بیٹے کی تحریر نے سمجھا دیا تھا۔ شاہی بیگمات کی سلامتی اسی میں ہے کہ وہ آگرہ چھوڑ کر فوراً ہی لاہور کی طرف روانہ ہو جائیں۔ گویا کاتبِ تقدیر نے اس بہانے اختری کو بادشاہ ہمایوں سے جدا کر دیا تھا۔

اختری نے یہ خبر سنی تو دل پکڑ کر بیٹھ گئی۔ ویسے تو وہ ذہنی طور غمِ ہجراں کے عذاب سے گزرنے کے لئے تیار بیٹھی تھی۔ لیکن ایک موہوم سی امید تھی کہ شائد ایسا نہ ہو۔ مگر ایسا ہی ہو رہا تھا۔ سہاگ رات کی صبح ہونے سے پہلے ہی بادشاہ ہمایوں میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ اب اس کی واپسی کا انتظار تھا تو پیغام آ گیا کہ شاہی بیگمات کو آگرہ چھوڑ کر لاہور کی طرف کوچ کرنا ہے۔ گویا اس ہجراں نصیب کو بادشاہ سے بہت دور ہو جانا تھا۔ پہلے سے کچھ معلوم ہو نہیں پاتا۔ گردشِ ایام سے گزرتے وقت دکھائی دیتا ہے کہ گردش کس نوعیت کی ہے؟

☆☆☆

چند روز پہلے ہی ہمایوں کی جنگ شیر خان سوری سے ہوئی تھی۔ اس وقت حتمی طور پر نہ کسی کی ہار ہوئی تھی' نہ کسی کی جیت۔ دوسری بار ہمایوں کا لشکر پھر دریا پار کر کے چلا آیا تھا اور اسی مقام پر جنگ ہو رہی تھی۔ شیر خان سوری کے لشکر میں ہاتھیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ وہ پہاڑ جیسے ہاتھی اندھا دھند دوڑتے ہوئے سپاہیوں کو کچلتے ہوئے آگے بڑھتے چلے جاتے تھے۔ اس طرح فوج منتشر ہو جاتی تھی اور سپاہی ایک دوسرے کی مدد کرتے ہوئے دشمن سے صحیح طرح مقابلہ نہیں کر پاتے تھے۔

ہمایوں کی دوسری کمزوری یہ تھی کہ عین وقت پر بھائیوں نے منہ پھیر لیا تھا۔ وہ اپنا لشکر لے کر اس کی مدد کے لئے نہیں آئے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہمایوں کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس نے مجبوراً فوج کو حکم دیا کہ وہ پسپا ہو کر دریا عبور کریں اور آگرے پہنچیں۔

وہاں سے فرار ہونے والوں میں ایسی بدحواسی طاری ہوئی تھی کہ کسی نے بادشاہ کا بھی خیال نہیں کیا۔ جس کا جدھر منہ پڑا' وہ ادھر بھاگتا چلا گیا۔ ہمایوں تن تنہا گھوڑا دوڑاتا ہوا بہت دور دریا کے کنارے پہنچا۔ دشمن کے چند سپاہی اس کے تعاقب میں تھے۔ آگے دریا کی لہریں منہ زور تھیں۔ پار اترنے کے لئے کوئی کشتی نہیں تھی۔

آگے کنواں' پیچھے کھائی والا معاملہ تھا۔ دونوں طرف موت للکار رہی تھی۔ پوچھ

رہی تھی۔ ''کدھر آؤ گے؟ جدھر آؤ گے وہاں شامت آجائے گی۔''

ادھر دریا کا پاٹ زیادہ چوڑا نہیں تھا۔ ایک امید تھی کہ گھوڑا دریا پار کرلے گا اور اسے پار کرادے گا۔ اس نے اللہ کا نام لے کر گھوڑے کو دریا میں اتار دیا۔

پانی چڑھا ہوا اور لہروں کی رفتار طوفانی ہو تو ماہر ملاح بھی دریا میں کشتی نہیں ڈالتے۔ اس نے دشمن سے بچنے کے لئے خطرے سے کھیلنا گوارا کرلیا۔ آخر شیر دل بابر کا بیٹا تھا۔ بہت ہی حوصلہ مند تھا۔ لیکن اپنے باپ کی طرح مخالف لہروں سے لڑتے ہوئے تیرنا نہیں جانتا تھا۔ اگر لہریں ذرا شانت ہوتیں تو یقیناً وہ دریا عبور کرلیتا۔

اس پار کھڑے ہوئے ایک شخص نے بڑی حیرانی سے دیکھا کہ کوئی سپاہی جان جوکھم میں ڈال کر دریا پار کر رہا ہے۔ وہ فوراً ہی ایک مشک کو پھلا کر دریا میں کود پڑا۔ اس کے ایک ہاتھ میں مضبوط رسی تھی۔ اس رسّی کا ایک سرا درخت کے تنے سے بندھا ہوا تھا اور دوسرا سرا پانی میں دور تک چلا گیا تھا۔

ادھر ہمایوں کا گھوڑا منجدھار میں پہنچتے پہنچتے اس کی رانوں کے نیچے سے نکل گیا۔ وہ ہاتھ پاؤں مار کر تیرنے کی کوشش کرنے لگا۔ ایسے ہی وقت اس شخص نے اپنا مشک ہمایوں کے حوالے کیا۔ وہ اس کے ذریعے تیرتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ زور و شور سے بہتی لہریں اسے دور لے جانا چاہتی تھیں۔ لیکن اس مشک نے اور درخت سے بندھی رسی نے ہمایوں کو اس پار پہنچا دیا۔

وہ بے دم سا ہو کر ساحل پر گر پڑا۔ چاروں شانے چت ہو کر گہری گہری سانسیں لیتا ہوا آسمان کو تکنے لگا۔ آسماں نامہربان تھا اور زمین اس پر تنگ ہو رہی تھی۔ شاہی محل کے نرم اور لچکدار بستر پر سونے والا بادشاہ مٹی میں رُل رہا تھا۔ دشمنوں کی دشمنی اور اپنوں کی بے مروتی کانٹوں میں گھسیٹ رہی تھی۔

اسے یوں لگ رہا تھا۔ جیسے وہ ڈوب چکا تھا۔ اس کی موت ہو چکی تھی۔ ایک دستِ غیب نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا اور اب نئی زندگی مل رہی تھی۔

وہ شخص دور کھڑا اسے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ ''یہ کون ہے؟ زرہ بکتر پہنے ہوئے ہے۔ میان میں تلوار ہے۔ کوئی سپاہی لگتا ہے۔ لیکن انگلیوں میں ہیرے جڑی ہوئی

انگوٹھیاں ہیں۔ گلے میں سچے موتیوں کی مالا ہے۔ سنا ہے، جو بادشاہ ہوتے ہیں۔ وہی ایسی چیزیں پہنا کرتے ہیں۔''

ہمایوں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''تم نے ہماری جان بچائی ہے۔ ہم تمہارا احسان کبھی نہیں بھولیں گے۔ تم کون ہو؟''

وہ بولا۔ ''میرا نام نظام الدین ہے۔ میں ایک سقہ ہوں۔ یہاں سے مشک میں پانی بھر کر پاس والی بستی میں لے جاتا ہوں۔''

ہمایوں اس کا نام سن کر ایکدم سے چونک گیا۔ اسے بڑی عقیدت سے دیکھنے لگا اور سوچنے لگا۔ ''یہ صرف نظام الدین نہیں ہیں۔ بلکہ نظام الدین اولیاء ہیں۔ میری دستگیری کے لئے آئے ہیں۔ انہوں نے مجھے ڈوبنے سے بچایا ہے۔''

اپنوں اور بیگانوں سے مایوس ہو جانے والا بادشاہ بالکل ہی تنہا اور بے یار و مددگار رہ گیا تھا۔ ایسے میں یہی سوچ سکتا تھا کہ جب ساری دنیا ساتھ چھوڑ دیتی ہے تو کوئی غیبی مدد ہی معجزے کے طور پر حاصل ہوتی ہے۔

نظام سقہ نے کہا۔ ''یہاں قریبی بستی میں میرا چھوٹا سا گھر ہے۔ کیا آپ وہاں چل کر آرام کرنا پسند کریں گے؟''

وہ وہاں سے اٹھ کر اس کے ساتھ جانے لگا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''یہاں تک خبر پہنچی ہے کہ اس پار دو بادشاہوں کے درمیان بڑی زبردست جنگ ہو رہی ہے۔ میں نے بادشاہوں کے بارے میں بہت کچھ سنا ہے۔ لیکن آج تک انہیں دیکھا نہیں ہے۔''

ہمایوں نے مسکرا کر پوچھا۔ ''بادشاہوں کے بارے میں تم نے کیا سنا ہے؟''

''یہی کہ وہ بڑی شان و شوکت، رعب و دبدبے والے ہوتے ہیں۔ ہم جیسے لوگوں سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ جتنا کھیتوں سے اناج اگتا ہے، اس سے زیادہ ان کے پاس دھن ہوتا ہے۔ مجھے سو سے اوپر گنتی نہیں آتی۔ سنا ہے، ان کے لشکر میں ہزاروں لاکھوں سپاہی ہوتے ہیں۔ وہ جہاں سے گزرتے ہیں، لوگوں کی گردنیں جھک جاتی ہیں۔ میں سوچتا ہوں، جب وہ سر پر تاج پہن کر تخت پر بیٹھتے ہوں گے تو کتنے زبردست اور کتنی شان و شوکت والے دکھائی دیتے ہوں گے؟''

ہمایوں نے پوچھا۔ ”کیا تم کسی بادشاہ کو دیکھنا چاہو گے؟“

وہ اپنے سینے پر دل کی جگہ ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ ”میں بادشاہ کو دیکھنا بھی چاہتا ہوں اور خود بھی بادشاہ بننا چاہتا ہوں۔ یہاں دل میں یہی آرزو مچلتی رہتی ہے۔ جب میں اپنی ماں سے کہتا ہوں کہ ایک دن ضرور بادشاہ بنوں گا تو وہ مجھے گالیاں دینے لگتی ہے۔“

ہمایوں ہنسنے لگا۔ وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے ایک چھوٹی سی کٹیا کے سامنے پہنچ گئے۔ بادشاہ نے زندگی میں پہلی بار ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں قدم رکھا تھا۔ وہ تھکن سے چور تھا۔ بھوکا پیاسا تھا۔ اس کے سامنے جَو کی روٹی' پیاز اور پودینے کی چٹنی لا کر رکھی گئی۔ اس نے پہلا لقمہ لینے کے لئے روٹی توڑی تو یوں لگا' جیسے پتھر توڑ رہا ہو۔ اس لقمے کو چٹنی کے ساتھ منہ میں رکھا۔ ایک عجیب سی لذت ملی۔ لیکن چباتے وقت جبڑے دکھنے لگے۔ وہ دل ہی دل میں کہنے لگا۔ ”یا اللہ تعالیٰ! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ تو نے ہمیں بادشاہ بنایا۔ اگر ایک سقہ بناتا تو کیا میں ایسی زندگی گزار پاتا؟“

وہ دو چار لقموں سے زیادہ نہ کھا سکا۔ پیٹ بھر کر پانی پینے کے بعد بولا۔ ”اب ہم چلیں گے۔ ہمیں جلد سے جلد آگرے پہنچنا ہے۔“

اس نے ایک انگوٹھی اتاری۔ پھر سچے موتیوں کا ہار گلے سے اتار کر اسے دیتے ہوئے کہا۔ ”ابھی ہم در ماندہ ہیں۔ خانماں خراب ہیں۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں دے سکتے۔ تم نے ہماری جان بچائی ہے۔ ایک نئی زندگی دی ہے۔ ہمارے ساتھ آگرہ چلو۔ ہم تمہاری کوئی سی بھی تین خواہشیں ضرور پوری کریں گے۔“

نظام سقہ کی ماں نے سچے موتیوں کا ہار ہاتھوں میں لے کر اسے دیکھا پھر خوش ہو کر کہا۔ ”یہ تو بہت قیمتی ہے۔ اسے بیچنے جائیں گے تو ہمیں ہزاروں سکے ملیں گے۔“

ہمایوں نے کہا۔ ”ہزاروں نہیں۔ لاکھوں ملیں گے......“

بوڑھی خاتون نے کہا۔ ”بیٹے! تم بہت امیر کبیر معلوم ہوتے ہو۔ میرے بیٹے کو آگرہ لے جانا چاہتے ہو۔ اس کی تین خواہشیں پوری کرنا چاہتے ہو۔“

”بے شک۔ ہم نے جو کہا ہے۔ اسے ضرور پورا کریں گے۔“

خاتون نے اپنے بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر اسے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ ”ارے بد

بخت! جتنی دولت مانگ سکتا ہے' مانگ لے۔ خدا نے ہمارے گھر ایک فرشتہ بھیجا ہے۔“

نظام سقہ نے کہا۔ ”میری پہلی خواہش یہ ہے کہ میں کسی بادشاہ کو دیکھوں۔“

ماں نے اسے دو ہتھڑ جماتے ہوئے کہا۔ ”ارے بد بخت! کسی بادشاہ کو دیکھ کر تجھے کیا مل جائے گا؟ اپنی غریبی دور کرنے کی بات کر......“

ہمایوں نے کہا۔ ”تمہاری یہ پہلی خواہش ہم ابھی پوری کرتے ہیں۔ ہمیں دیکھو! ہم ہیں' بادشاہ نصیر الدین ہمایوں......“

دونوں ماں بیٹے حیرانی سے اچھل کر پیچھے چلے گئے۔ بے یقینی سے اس کا منہ تکنے لگے۔ اس نے کہا۔ ”ہماری بات کا یقین کرو۔ بادشاہ بھی تمہارے جیسے انسان ہوتے ہیں۔ ان کا بھی ایک سر' دو ہاتھ اور دو پاؤں ہوتے ہیں۔ تقدیر کی ٹھوکروں نے ہمیں تمہارے دروازے پر پہنچایا ہے۔ اب ہم تمہیں اپنے شاہی محل میں پہنچائیں گے۔ تم اپنی دوسری خواہش بیان کرو۔“

ماں بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتی ہوئی دوسرے کمرے میں لے گئی۔ پھر بولی۔ ”یہ اپنی سخاوت سے بادشاہ لگتا ہے۔ یہ سچ مچ ہمایوں بادشاہ ہو سکتا ہے۔ دیکھ! دوسری خواہش سوچ سمجھ کر بیان کر۔ یہ ہمیں مالا مال کر دے گا۔“

سقہ نے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا۔ ”بچپن سے بادشاہوں کے متعلق سنتا آیا ہوں۔ سوچتا آیا ہوں۔ زندگی میں پہلی بار اپنے روبرو ایک بادشاہ کو دیکھ رہا ہوں۔ وہ کہہ رہا ہے کہ میرے خواب کی تعبیر پوری کرے گا تو میں ضرور اپنی دوسری خواہش بیان کروں گا۔“

وہ تیزی سے چلتا ہوا اس کمرے میں آیا جہاں ہمایوں ان کا منتظر تھا۔ نظام سقہ نے اس کے آگے گھٹنے ٹیک کر سر جھکا کر کہا۔ ”اگر آپ سچ مچ ہمایوں بادشاہ ہیں تو میرے بچپن سے اب تک کی ایک خواہش پوری کر دیں۔ میں بادشاہ بننا چاہتا ہوں...... صرف ایک دن کا بادشاہ......“

اس کی یہ بات سنتے ہی ہمایوں کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ یہ جھٹکا اس بات کا نہیں تھا کہ ایک معمولی سا سقہ اس کا تاج و تخت مانگ رہا تھا۔ دراصل اسے اچانک ہی اختری یاد آ گئی تھی۔ وہ ایک رات کی ملکہ بن کر اس کی زندگی میں آئی تھی اور ادھر یہ سقہ ایک دن کا

بادشاہ بننا چاہتا تھا۔

"اری او آرزو! تو کہاں چھپی رہتی ہے؟ ایک غریب کی جھونپڑی میں آ کر اس غریب لڑکی کی یاد دلا رہی ہے۔ وہ بھی کچھ زیادہ نہیں مانگ رہی تھی۔ صرف ایک رات کی ملکہ بننا چاہتی تھی۔ افسوس! بدترین حالات نے اسے ہم سے اور ہمیں اس سے دور کر دیا ہے۔"

نظام سقہ کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "بادشاہ سلامت! میں اپنی اوقات سے زیادہ مانگ رہا ہوں۔ مجھے معاف کر دیں۔"

ہمایوں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "اٹھو اور ہمارے ساتھ آگرے چلو۔ تمہاری یہ دوسری خواہش بھی پوری ہوگی۔"

پھر اس نے بوڑھی خاتون کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "اپنی ماں کی خوشیوں کا خیال کرتے ہوئے تیسری خواہش بیان کرو۔"

اس نے اپنی ماں کو دیکھا۔ پھر کہا۔ "میں جہاں کھڑا ہوں۔ وہاں سے سو گز کے رقبے تک زمینیں میرے نام کر دی جائیں۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "سو گز تو کچھ بھی نہیں ہوتے۔ تم جہاں کھڑے ہو اس کے اطراف دس کوس کے رقبے تک تمام زمینیں تمہارے نام لکھ دی جائیں گی۔ تم یہاں کے جاگیردار بن کر رہو گے۔"

بوڑھی ماں نے بیٹے کو دیکھا۔ اس وقت اس کے سر پر تاج نظر آ رہا تھا۔ وہ تخت پر بیٹھا ہوا تھا اور دس کوس کے رقبے تک کی پھیلی ہوئی زمینوں کا مالک بن گیا تھا۔ ایک ماں نے تو خواب میں بھی ایسا نہیں سوچا تھا۔ جبکہ حقیقت میں ایسا ہو رہا تھا۔ وہ خوشی سے چکرا کر زمین پر گر پڑی۔

☆☆☆

کامران مرزا بیمار نہیں تھا۔ لیکن محل سے باہر یہ اعلان کرا چکا تھا کہ وہ سخت بیمار ہے۔ یہ خبر ہمایوں تک پہنچائی گئی تھی کہ وہ بیماری کی وجہ سے اپنا لشکر لے کر اس کی مدد کے لئے نہیں آ سکتا۔ یوں اس نے ہمایوں کو شیر خان سوری کے مقابلے میں تنہا چھوڑ دیا تھا۔

کامران مرزا کے لئے یہ بات پریشان کن تھی کہ وہ شیر خان سوری سے دوستی کر کے اس کے حق میں ہمایوں کو تنہا کر رہا ہے۔ کمزور بنا رہا ہے۔ اس کے باوجود وہ شکست کھا کر بھی پوری طرح شکستہ نہیں ہو رہا ہے۔ شیر خان اس پر غالب آنے کے باوجود آگرے تک نہیں پہنچ پا رہا ہے۔

اسے خبر ملی تھی کہ شیر خان سوری کے مقابلے میں ہمایوں کی فوج منتشر ہو گئی ہے۔ وہ پھر ایک بار شکست کھا کر فرار ہو گیا ہے۔ شائد آگرے واپس آنے والا ہو۔

اس نے اپنے خاص اطباء کو بلا کر کہا۔ "ہم آگرے جائیں گے۔ بادشاہ ہمایوں پر یہ ثابت کرنا ہے کہ ہم واقعی بیمار تھے۔ لہٰذا آپ طبیب حضرات بھی ہمارے ساتھ رہیں گے۔ ہمیں ایسی دوا دیں گے، جس سے ظاہر ہو کہ ہم بیمار ہیں۔ لیکن ہمیں اندر سے کوئی نقصان نہ پہنچے۔" پھر اس نے اپنے لشکر کے سپہ سالار اور دوسرے خاص افسروں کو طلب کیا اور کہا۔ "ہمیں ایک طرف شیر خان سوری سے دوستی اور اتحاد قائم رکھنا ہے اور دوسری طرف ہمایوں بادشاہ کا اعتماد بھی حاصل کرنا ہے۔ ابھی ایک قاصد کو شیر خان کے پاس بھیجا جائے۔ اس سے یہ معلوم کیا جائے کہ دو بار ہمایوں پر غالب آنے کے باوجود وہ آگرے تک کیوں نہیں پہنچ پا رہا ہے؟ ہم اس کے لئے کیا کر سکتے ہیں؟"

وقت بہت کم تھا۔ کامران مرزا کو جلد سے جلد آگرے پہنچنا تھا۔ کیونکہ ہمایوں بھی ادھر پہنچنے والا تھا۔ جس روز کامران مرزا وہاں جانے کے لئے روانہ ہوا۔ اسی دن ہمایوں کی بیگمات آگرے سے لاہور کی طرف روانہ ہو گئی تھیں۔ جب کامران مرزا وہاں پہنچا تو محل بیگمات سے خالی تھا۔ ہمایوں کے لشکر کا ایک حصہ آگرے میں موجود تھا۔

ہمایوں کے جو سپاہی شکست کھا کر میدانِ جنگ سے فرار ہوئے تھے۔ وہ واپس آگرہ پہنچ گئے تھے۔ کامران مرزا نے دیکھا کہ وہاں کے سپاہی پھر یکجا ہو رہے ہیں۔ یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ وہ ہمایوں کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا سکے گا۔ اس نے اپنے امراء اور فوجی افسروں سے مشورہ کیا۔

اس کے سپہ سالار نے کہا۔ "شیر خان سوری کی کمزوری اور ہمایوں کی طاقت یہ ہے کہ جمنا کے ساحل پر توپیں دندناتی رہتی ہیں۔ شیر خان اپنے پورے لشکر کے ساتھ دریا

"عبور کرنے میں ناکام رہتا ہے۔"

امراء میں سے ایک نے کہا۔ "سیدھی سی بات سمجھ میں آتی ہے' ان توپوں کا رخ پھیر دیا جائے تو شیر خان بہ آسانی آگرہ پہنچ جائے گا۔"

کامران مرزا نے ہمایوں کے قابلِ اعتماد امراء کو خریدنے کا سلسلہ شروع کیا۔ بڑی بڑی جاگیروں کی پیشکش کیں اور انہیں جلد ہی اپنا ہم راز بنالیا۔ پھر سب نے مل کر یہ طے کیا کہ ہمایوں کو کسی بھی بہانے سے آگرہ میں نہ رہنے دیا جائے۔ اسے لاہور جانے پر آمادہ کیا جائے۔

کامران مرزا نے کہا۔ "ہمیں یہی کرنا ہوگا۔ اس طرح برادر بادشاہ ہمایوں کو ہم پر کسی طرح کا شبہ نہیں ہوگا اور ہم درپردہ شیر خان سوری کے لئے یہاں کا راستہ ہموار کردیں گے۔"

شکست کھانے والے سپاہی واپس آرہے تھے۔ ہمایوں کا کوئی پتہ نہیں تھا۔ پہلے تو یہ خیال قائم کیا گیا کہ وہ مارا گیا ہے۔ لیکن ایسا ہوتا تو شیر خان سوری اور اس کے سپاہی میدانِ جنگ میں اس کی لاش کو پہچان لیتے۔ وہ کہیں گم ہوگیا تھا اور یہی رائے قائم کی جارہی تھی کہ وہ فرار ہوکر کسی دوسری سمت نکل گیا ہے۔ لیکن واپس آگرے کی طرف ہی آئے گا۔

اس کے خلاف سازشیں ہو رہی تھیں اور اس کا انتظار بھی ہو رہا تھا۔ ایسے ہی وقت خبر ملی۔ بادشاہ سلامت پر سات پیروں کا سایہ ہے۔ وہ زندہ وسلامت واپس آرہے ہیں۔

کامران مرزا فوراً ہی بستر پر آکر لیٹ گیا۔ اس کے خاص طبیب نے اسے ایک ایسی دوا کھلائی جو زود اثر تھی۔ عارضی طور پر کمزوری طاری کرتی تھی۔ اس کے اطباء نے یقین دلایا۔ "آپ فکر نہ کریں۔ اس دوا کا توڑ ہے۔ دوسری خوراک سے کمزوری دور ہوجائے گی اور پہلے کی طرح توانائی بحال ہوجائے گی۔"

ہمایوں کو پہلے ہی اس کی بیماری کی اطلاع مل چکی تھی۔ وہ عیادت کے لئے سیدھا خواب گاہ میں آگیا۔ کامران مرزا کا چہرہ زرد پڑ چکا تھا۔ چھونے سے بدن گرم محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے بادشاہ کے احترام کے لئے اٹھنا چاہا تو ہمایوں نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگاتے ہوئے کہا۔ "آرام سے لیٹے رہو۔ ہمیں شبہ ہوا تھا کہ تم بیمار نہیں ہو اور ہماری فوجی مدد کرنے سے گریز کر رہے ہو۔ لیکن واقعی تم بیمار ہو۔"

اس نے اطباء سے پوچھا۔ "بیماری طول کیوں پکڑ رہی ہے؟ افاقہ کیوں نہیں ہو رہا ہے؟"

کامران کے تمام طبیب حضرات پہلے ہی سے سیکھے پڑھے تھے۔ انہوں نے ہمایوں کو اطمینان دلایا کہ یہ جلد ہی اچھے ہوجائیں گے۔ ہم نے سمجھایا تھا' بیماری میں آگرہ کا سفر نہیں کرنا چاہئے۔ لیکن یہ آپ کی مدد نہ کرنے پر شرمندہ تھے۔ قدم بوسی کے لئے یہاں آنا چاہتے تھے۔

ہمایوں نے خوش ہوکر بھائی کو تھپکتے ہوئے کہا۔ "تمہیں اپنے اطباء کی ہدایت پر عمل کرنا چاہئے تھا۔ یہاں آنا ضروری نہیں تھا۔ ہمارے دل میں شکوک وشبہات تو پیدا ہو سکتے ہیں۔ لیکن تمہارے خلاف کبھی نفرت پیدا نہیں ہوسکتی۔ ہم ایک ہی باپ کے بیٹے ہیں۔ باپ دادا کے زمانے سے یہ کہاوت سنتے آرہے ہیں کہ پانی میں لاٹھی مارو تو پانی جدا نہیں ہوتا اور ہماری رگوں میں پانی نہیں..... ایک باپ کا لہو دوڑ رہا ہے۔"

تمام امراء اور مشیر وہاں حاضر ہوگئے۔ ہمایوں نے کہا۔ "ہمارا بھائی انشاءاللہ آج یا کل تک صحت یاب ہوجائے گا۔ پھر ہم متحد ہوکر شیر خان سوری کو پسپا کریں گے۔"

ایک امیر نے کہا۔ "آپ کے دوسرے برادر عسکری مرزا اتحاد کے لئے راضی نہیں ہیں۔"

ہمایوں نے کہا۔ "فردوس مکانی (بابر) نے ہمیں نصیحت کی تھی' بھائیوں سے ہمیشہ محبت اور رواداری سے پیش آتے رہو۔ اگر وہ ناراض ہوں تو انہیں پیار سے منالو۔ ان سے انصاف کرتے رہو۔ عسکری مرزا نادان ہیں۔ ہم سے بدظن ہیں۔ ہم انہیں منالیں گے۔"

پھر ہمایوں نے تمام حاضرین کو بتایا کہ میدانِ جنگ سے فرار ہونے کے بعد اس پر کیا بیتی تھی؟ وہ دریا میں ڈوبنے والا تھا۔ ایسے وقت ایک نیک دل انسان نے اس کی مدد کی۔ اسے ڈوبنے سے بچایا اور نئی زندگی دی۔

پھر اس نے ان سب کے سامنے نظام الدین سقہ کو پیش کیا۔ کامران مرزا اور تمام امراء اسے شاباشی دینے لگے۔ تعریفیں کرنے لگے کہ اس نے ہندوستان کے بادشاہ کو نئی زندگی دی ہے۔

وہ سب اپنے اپنے طور پر اسے انعام دینے کا اعلان کرنے لگے۔ ہمایوں نے کہا۔ ''ہم اسے ایک کوس کے رقبے پر پھیلی ہوئی زمینیں عطا کرنے والے ہیں۔ یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ جھونپڑیوں میں رہنے والے محلوں کے خواب دیکھتے رہتے ہیں۔ یہ غریب بھی بادشاہ بننے کے خواب دیکھتا رہا ہے۔ اس کی آرزو ہے کہ یہ ایک بار بادشاہ بن جائے اور ہم اس کی یہ آرزو پوری کریں گے۔''

یہ ایسی بات تھی کہ سب ہی چونک کر ہمایوں کا منہ تکنے لگے۔ اس نے کہا۔ ''ہم نے وعدہ کیا کہ اسے ایک دن کا بادشاہ بنائیں گے۔''

کامران مرزا کے ذہن کو ایک دھچکا سا لگا۔ وہ بادشاہ ہمایوں کے تخت پر بیٹھنا چاہتا تھا۔ اس کا تاج پہننا چاہتا تھا۔ لیکن یہ آرزو اب تک پوری نہیں ہوئی تھی۔

اور یہ کتنی توہین آمیز بات تھی کہ مٹی کے کیڑوں کی طرح زندگی گزارنے والا وہ سقہ اپنی آرزو پوری کرنے آیا تھا۔ ہمایوں کے تخت پر بیٹھنے والا تھا۔ کامران مرزا نے ذلت کے احساس سے تڑپ کر پوچھا۔ ''برادر بادشاہ! یہ آپ کیا فرما رہے ہیں؟ بادشاہ بنانے کا مطلب تو یہ ہوا کہ آپ اسے اپنے تخت پر بٹھائیں گے؟''

''بے شک۔ جب تک کوئی تخت پر نہیں بیٹھتا' سر پر تاج نہیں رکھتا۔ اس وقت تک بادشاہ نہیں کہلاتا۔''

''برادر بادشاہ! یہ تخت اور تاج فردوس مکانی کا ورثہ ہے۔ اس کے وارث صرف ہم ہیں۔ یہ ہمارے فردوس مکانی حضرت بادشاہ بابر کا تخت ہے۔ کسی ماں کی گود نہیں ہے کہ جو چاہے اپنی ماں کی گود سمجھ کر آئے اور تخت پر بیٹھ جائے۔''

ایک امیر نے کہا۔ ''جو دلیر' جنگجو' ذہین اور امور سلطنت کو جاری و ساری رکھنے کے اہل ہوتے ہیں۔ وہی تخت پر بیٹھتے ہیں۔''

دوسرے امیر نے کہا۔ ''تخت و تاج کی اپنی ایک شان شوکت ہوتی ہے۔ بلند مرتبہ ہوتا ہے۔ اس پر باوقار ہستیاں ہی بیٹھتی ہیں۔''

ایک مشیر نے کہا۔ ''بے شک۔ نظام الدین سقہ نے آپ کو نئی زندگی دی ہے۔ ہم اس کا یہ احسان زندگی بھر مانتے رہیں گے۔ آپ اسے اور زیادہ سے زیادہ انعامات دے کر

خوش کر سکتے ہیں۔''

بادشاہ ہمایوں نے کہا۔ ''ہمارے فردوس مکانی بابا حضور زبان کے دھنی تھے۔ جو وعدہ کرتے' اسے ضرور پورا کرتے تھے۔ ہم بھی اپنی زبان سے نہیں پھریں گے۔ اس غریب آدمی سے جو وعدہ کیا گیا ہے۔ اسے ہر حال میں پورا کیا جائے گا۔ ہمارے حکم کی تعمیل کی جائے۔ کل اسے تخت پر بٹھایا جائے گا اور اس کی تاج پوشی ہوگی۔''

پھر اس نے اپنے امراء کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''ہمارے ستارے گردش میں ہیں۔ حالات بہت ہی ناموافق ہیں۔ دشمن پھر پلٹ کر حملہ کر سکتا ہے۔ ہمیں اپنے لشکر کو منظم اور مستحکم کرنا ہوگا۔''

کامران مرزا کے ایک امیر مشیر نے کہا۔ ''بزرگوں کا قول ہے' جس جگہ بار بار ناکامی ہو رہی ہو۔ وہ جگہ چھوڑ دینی چاہئے۔ دشمن پر جھپٹنے میں ناکامی ہو تو شاہین کی طرح واپس پلٹ جانا چاہئے۔ پلٹ کر پھر جھپٹنا چاہئے۔''

کامران مرزا نے کہا۔ ''لاہور میں ہمارا لشکر ہے۔ آپ کا لشکر یہاں سے جائے گا۔ پھر ہم عسکری مرزا کو سمجھائیں گے۔ منائیں گے۔ وہ آخر کو بھائی ہے۔ ہمارے گلے لگ جائے گا۔ اپنا لشکر لے کر چلا آئے گا۔ ہم تین بھائیوں کے متحد ہوتے ہی شیر خان سوری کے ہوش اڑ جائیں گے۔ ضرورت پڑی تو بھائی ہندال بھی اپنے لشکر کے ساتھ ہم سے آ ملے گا۔''

یہ ایسا مدلل اور قابل قبول مشورہ تھا کہ ہمایوں قائل ہونے لگا۔ ایک بزرگ مشیر نے کہا۔ ''چاروں بھائیوں کو ایک مرکز پر متحد ہونا چاہئے۔ بہتر ہے' چاروں لشکروں کو یکجا کرنے کے لئے لاہور کو مرکز بنایا جائے۔''

وہاں سب ہی کامران مرزا کی تائید کرنے لگے۔ ہمایوں نے کہا۔ ''اس وقت ہم بدترین حالات سے دوچار ہو رہے ہیں۔ یہی سمجھ میں آ رہا ہے کہ چاروں بھائی متحد ہوں گے تو ہمارے پاس بہت بڑی فوجی قوت ہوگی۔ شیر خان سوری ہمارے سامنے ٹھہر نہیں سکے گا۔ اسے واپس بہار کی طرف بھاگنا ہوگا۔''

اس نے اپنے امراء کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ہم آپ کے مشوروں سے متفق ہیں۔ کل نظام الدین سقہ کو ایک دن کا بادشاہ بنایا جائے گا۔ ہم پرسوں اپنے لشکر کے ساتھ

یہاں سے کوچ کریں گے۔"

کامران مرزا نے کہا۔"ہم بھائی ہیں۔لیکن آپ کے محکوم بھی ہیں۔آپ کے کسی بھی حکم سے نہ اختلاف کر سکتے ہیں۔نہ انکار کر سکتے ہیں۔البتہ آپ سے ایک استدعا ہے۔"

ہمایوں نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔وہ بولا۔"ہم بیمار ہیں۔اپنے اطباء کے منع کرنے کے باوجود آپ کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔جبکہ لاہور کی آب و ہوا ہمارے لئے موافق ہے۔وہاں ہماری صحت بھی بحال ہو سکتی ہے۔آپ ہمیں اجازت دیں۔ہم آج ہی یہاں سے لاہور کے لئے روانہ ہونا چاہتے ہیں۔"

ہمایوں نے کہا۔"کیا ضروری ہے کہ آج ہی یہاں سے جاؤ؟ دو دن بعد ہم بھی روانہ ہونے والے ہیں۔ہمارے ساتھ جانا مناسب رہے گا۔"

"آپ ہمارے اطباء سے دریافت کریں۔یہاں کا پانی ہمارے لئے موافق نہیں ہے۔ہمارا ہاضمہ خراب ہو چکا ہے۔دوائیں اثر نہیں کر رہی ہیں۔ہم جتنی جلدی لاہور پہنچیں گے۔اتنی ہی جلدی صحت بحال ہوگی۔اور اپنے لشکر کو منظم کر سکیں گے۔"

ہمایوں نے قائل ہو کر کہا۔"خدا آپ کو جلد از جلد صحت یاب کرے۔آپ آج ہی یہاں سے روانہ ہو سکتے ہیں۔"

وہ اسے لاہور جانے کی اجازت دے کر وہاں سے چلا گیا۔اس کے پیچھے نظام الدین سقہ، امراء اور مشیر بھی چلے گئے۔کامران مرزا کی خوابگاہ میں صرف اس کے اپنے امراء، مشیر اور اطباء رہ گئے۔جب انہیں یقین ہو گیا کہ ہمایوں بادشاہ اپنی خوابگاہ میں آرام کرنے جا چکا ہے تو کامران مرزا نے شدید نفرت سے کہا۔"ہمارا جی چاہتا ہے، ابھی ہمایوں کو قتل کر دیں۔وہ ہمارے بابا حضور فردوس مکانی کے تخت پر ایک حقیر فقیر کو بٹھانا چاہتے ہیں۔اس سے زیادہ ہماری توہین اور کیا ہو سکتی ہے؟"

ایک امیر نے کہا۔"بادشاہ ہمایوں محل کے اندر نہتا ہیں۔چند مسلح سپاہی ان کی حفاظت کر رہے ہیں۔آپ کے مسلح محافظ انہیں تہہ تیغ کر سکتے ہیں اور بادشاہ ہمایوں کا بھی کام تمام کر سکتے ہیں۔کیا اس کے بعد ان کے لشکر کے تمام سپاہی آپ کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالیں گے؟"

کامران مرزا نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔"بادشاہ ہمایوں کا سپہ سالار بہت ہی جانثار اور وفادار ہے۔کسی بھی قیمت پر خریدا نہیں جا سکے گا۔اسے ہمایوں کی ہلاکت کا علم ہوگا تو وہ محل کا محاصرہ کر لے گا۔ہمیں یہاں سے زندہ نکلنے نہیں دے گا۔"

ایک اور امیر نے کہا۔"کوئی ضروری نہیں ہے کہ یہاں بادشاہ ہمایوں کا کام تمام کیا جائے۔ہم تو انہیں بڑی آسانی سے دودھ کی مکھی کی طرح نکال رہے ہیں۔"

ایک اور مشیر نے کہا۔"بے شک۔ہمایوں بادشاہ یہاں سے لاہور جائیں گے تو وہاں آپ کا لشکر ہوگا۔پھر آپ کے بھائی عسکری مرزا اپنے لشکر کے ساتھ چلے آئیں گے۔وہاں آپ بادشاہ سے نمٹ سکیں گے۔"

وہ نرم خو، نیک دل اور رحم دل بادشاہ ہمایوں اس وقت آگرہ کے محل میں بالکل تنہا تھا۔اگرچہ ایک چھت کے نیچے دو بھائی تھے۔دونوں کی رگوں میں ایک ہی باپ کا لہو دوڑ رہا تھا۔لہو کی کشش صرف ہمایوں کے دل میں تھی۔کامران مراز کے دل میں بغض، کینہ اور خود غرضی بھری ہوئی تھی۔اس نے پہلے بھی عداوتی اقدامات کئے تھے۔لیکن ہمایوں نے بڑی فراخدلی سے اسے معاف کر دیا تھا۔بادشاہ کو اس قدر رحم دل نہیں ہونا چاہئے تھا۔اس کی نیک دلی اسے نقصان پہنچاتی جا رہی تھی۔

کامران مرزا اجازت ملتے ہی وہاں سے لاہور کے لئے روانہ ہو گیا۔اسے ایک حقیر فقیر سقہ کی تخت نشینی دیکھنا گوارا نہیں تھی۔جو تاج وہ اپنے سر پر رکھنا چاہتا تھا۔وہ ایک فقیر کے سر پر رکھا جانے والا تھا۔شاہی وقار کو مٹی میں ملایا جانے والا تھا۔یہ ذلت اس سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

☆☆☆

ماہم بیگم اپنی بہو اختری بیگم اور دوسری بیگمات کے ساتھ لاہور کے شاہی محل میں پہنچی تو اس کی سوکن گل رخ بیگم نے دل پر پتھر رکھ کر اس کا استقبال کیا۔کیونکہ ماہم بیگم کا پلڑا اب بھی اس سے بھاری تھا۔وہ بادشاہ وقت کی والدہ محترمہ تھی۔اس کا احترام ہر حال میں لازمی تھا۔

ماہم بیگم نے وہاں پہنچتے ہی حکم صادر کیا۔"ہم اپنی بہو اختری بیگم کے ساتھ محل

کے جس حصے میں رہیں گے۔ ہماری اجازت کے بغیر وہاں کوئی نہیں آئے گا۔"

گل رخ بیگم نے کہا۔" یہ لڑکی آپ کی بہو بننے سے پہلے کیا تھی؟ یہ ہم ہی نہیں پورا آگرہ جانتا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا ہم اس سے ملنے اور اسے نظر لگانے آئیں گے؟"

ماہم بیگم نے کہا۔" ہم اتنا جانتے ہیں کہ سانپ کا زہر نکالا جا سکتا ہے۔ لیکن سوتیلوں کے کاٹے کا کوئی منتر نہیں ہوتا۔ آپ نے ہمارے لختِ جگر ہمایوں کے خلاف جو تعویز گنڈے کیئے تھے۔ وہ سب ہمیں یاد ہیں۔ اپنے بیٹے کامران مرزا سے کہہ دیں کہ وہ ہمیں سلام کرنے بھی نہ آئے۔"

گل رخ بیگم نے کہا۔" آپ ادھر آئی ہیں اور ہمارا بیٹا ادھر آگرہ گیا ہے۔ آپ ہمارے بیٹے کو سوتیلا سمجھتی ہیں اور وہ لہو کی کشش سے مجبور ہو کر بادشاہ ہمایوں کی قدم بوسی کے لئے گیا ہوا ہے۔"

" یہ سب دکھاوے کی محبت ہے۔ اگر بھائی سے دلی محبت ہوتی تو وہ اپنا لشکر لے کر وہاں جاتا۔ ہمارے بیٹے سے متحد ہو کر دشمن کا مقابلہ کرتا۔"

" وہ سخت بیمار ہے۔ صحیح وقت پر بادشاہ کی مدد کو نہ پہنچ سکا۔ لیکن آپ اسے سوتیلا پن اور دشمنی ہی سمجھیں گی۔"

گل رخ بیگم نے ادھر سے ادھر جاتے ہوئے طنزیہ انداز میں کہا۔" ویسے آپ اب تک سمجھ چکی ہوں گی کہ ہمایوں بادشاہت کے قابل نہیں ہیں۔ ایک معمولی جنگجو شیر خان سوری کے مقابلے میں شکست کھا چکے ہیں۔ ابھی کچھ دیر پہلے اطلاع ملی ہے کہ چونسہ کے مقام پر پھر انہیں شکست ہوئی ہے۔ وہ راہِ فرار اختیار کر چکے ہیں۔ مغل خاندان کے لئے یہ کتنے شرم کی بات ہے کہ ہمارا ایک بادشاہ بھگوڑا ہے۔"

" آپ جھوٹ بول رہی ہیں۔ ہمارا بیٹا پیٹھ دکھا کر بھاگنے والوں میں سے نہیں ہے۔"

" اُونہہ... جب کبھی وہ واپس آئیں تو ان سے پوچھ لیجئے گا کہ انہوں نے سینے پر تیر کیوں نہیں کھایا؟ پیٹھ دکھا کر کیوں واپس چلے آئے؟ فردوس مکانی بابر کے نام پر داغ لگانے کے بعد آئندہ کبھی انہیں تخت پر نہیں بیٹھنا چاہئے۔ شرم سے ڈوب مرنا چاہئے۔"

گل رخ بیگم طعنوں کے تیر چلاتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ ماہم بیگم کا دل یہ سوچ کر ڈوب رہا تھا کہ بیٹے کو دوسری بار شکست ہوئی ہے اور وہ میدان جنگ سے فرار ہو کر کہیں لاپتہ ہو گیا ہے۔

اختری اس کے سامنے سر جھکائے کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے ناگواری سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔" جب سے تم ہمارے لختِ جگر کی زندگی میں آئی ہو۔ تب سے اس پر آفتیں نازل ہو رہی ہیں۔ سہاگ رات کی صبح ہونے سے پہلے ہی اسے میدان جنگ کی طرف بھاگنا پڑا۔ وہ گھر سے بے گھر ہو گیا ہے۔ خدا جانے اس وقت کہاں در بدر نگر نگر بھٹک رہا ہو گا؟ ہمیں تو یہ بھی نہیں معلوم کہ اس کے ساتھ کوئی محافظ یا اس کا کوئی خیال رکھنے والا ہے یا نہیں.....؟"

اختری سر جھکائے باتیں سن رہی تھی اور دل میں کہہ رہی تھی۔" مجھ سے پہلے بھی بادشاہ نے شیر خان سوری کا مقابلہ کیا تھا اور شکست کھائی تھی۔ اس وقت میں ان کی زندگی میں نہیں آئی تھی۔ اب مجھے سبز قدم کیوں سمجھا جا رہا ہے؟"

ماہم بیگم نے کہا۔" تم اسی خوابگاہ میں رہو گی۔ ہماری اجازت کے بغیر یہاں سے باہر قدم نہیں نکالو گی۔ کوئی ملاقات کے لئے آئے تو دروازہ نہیں کھولو گی۔ صرف اپنی خاص خدمت گار صباروحی کی خدمات حاصل کرتی رہو گی۔"

وہ اسے حکم دے کر خوابگاہ سے باہر آئی۔ وہاں صباروحی مؤدب کھڑا ہوا تھا۔ اس نے حکم دیا۔" دروازہ بند کرو اور ہماری اجازت کے بغیر کسی کو اندر نہ جانے دو۔"

اس نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ دروازے کو باہر سے بند کر دیا۔ اختری یہ سن کر پریشان ہو گئی تھی کہ ہمایوں میدان جنگ سے فرار ہو کر کہیں لاپتہ ہو گیا ہے۔ بادشاہ پر جو مصیبتیں آرہی تھیں۔ ان کا ذمہ دار اسے ٹھہرایا جا رہا تھا۔ اسے اس بات کی پرواہ نہیں تھی کہ ساس صاحبہ اس کے بارے میں کیسی رائے قائم کر رہی ہیں؟ اسے تو بس اپنے بادشاہ کی فکر لاحق تھی۔ وہ دل ہی دل میں اس کی سلامتی اور بخیریت واپسی کی دعائیں مانگ رہی تھی۔

یوں ہمایوں کا کہیں بھٹک جانا اور واپس نہ آنا بھی یہ ثابت کر رہا تھا کہ نجومیوں کی پیشگوئی درست ہے۔ نہ وہ آئے گا نہ اختری سے سامنا ہو گا اور نہ ہی وہ سہاگ کی دوسری

رات اس کے ساتھ گزار سکے گی۔

دل سے نکلنے والی دعا یہ بھی تھی کہ بلا سے اس سہاگن کو دوسری رات نہ ملے۔ مگر بادشاہ صحیح سلامت واپس آ جائے۔ اس کا دل گھبرا رہا تھا۔ اس نے دروازے پر دستک دی۔ صبا روحی نے دروازہ کھول کر سر جھکاتے ہوئے کہا۔ ''ملکہ معظمہ کی یہ خادمہ حاضر ہے۔''

وہ بولی۔ ''میرا دل گھبرا رہا ہے۔ میں تم سے باتیں کرنا چاہتی ہیں۔''

وہ دروازے پر کھڑا ہوا تھا۔ اس نے کہا۔ ''اس راہداری کے آخری سرے پر دو اُردا بیگنیاں کھڑی ہوئی ہیں۔ میں یہیں دہلیز پر رہ کر باتیں کر سکتی ہوں۔ اندر آؤں گی، دروازہ بند ہوگا تو وہ دونوں شبہ کریں گی۔''

اختری نے پوچھا۔ ''میرے اور تمہارے بارے میں بھلا وہ کس بات کا شبہ کریں گی؟''

''یہی کہ ہم نے راز کی باتیں کرنے کے لئے دروازہ بند کیا ہے۔ آپ کے خلاف طرح طرح کی رائے قائم کی جائے گی کہ آپ اپنی خوش دامن سے بدظن ہو کر ان کی سوکن سے میل جول بڑھانا چاہتی ہیں۔ یہ سوال سب کے ذہن میں چبھتا رہے گا کہ آپ بند دروازے کے پیچھے ایک خواجہ سرا سے کیا باتیں کرتی ہیں؟ کیوں کرتی ہیں؟ آپ کے ساتھ میری بھی شامت آ جائے گی۔''

''ٹھیک ہے۔ دروازہ کھلا رکھو اور وہیں کھڑی رہو۔ اگر کوئی اُردا بیگنی قریب آئے تو مجھے اشارہ کر دینا۔''

پھر وہ ایک گہری سانس لیتے ہوئے بولی۔ ''شبہ کرنے والے اپنی جگہ درست ہیں۔ کیونکہ میں تم سے ہی اپنے دل کی باتیں کرتی ہوں۔ میرے اندر عجیب سی بے کلی ہے۔ کسی کل چین نہیں آ رہا ہے۔ بار بار بادشاہ سلامت کا خیال آتا ہے۔ وہ کہاں ہوں گے؟ کیا تقدیر انہیں مجھ سے دور رکھنے کے لئے بھٹکا رہی ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر میں اپنی خوش دامن کے خیال کے مطابق واقعی منحوس ہوں۔ بد بخت ہوں۔ مجھے ان کی زندگی میں نہیں آنا چاہئے تھا۔''

وہ رونے لگی۔ آنسو پونچھنے لگی۔ صبا روحی اسے بڑی محبت اور ہمدردی سے دیکھ رہا

تھا۔ اس نے کہا۔ ''حضرت بادشاہ جہاں بانی (ہمایوں) کانٹوں میں گھرے رہتے ہیں۔ اپنے پرائے سب ہی ان کے دشمن ہیں۔ جس کا تخت کانٹوں کا ہے اس کی سیج بھی کانٹوں کی بن گئی ہے۔ وہ کانٹے چبھ رہے ہیں اور آپ کو رلا رہے ہیں۔''

''تمہارا دل کیا کہتا ہے صبا....! وہ واپس آ جائیں گے ناں......؟''

''ہماری دعائیں ڈھارس بندھاتی ہیں کہ وہ آئیں گے۔''

''میں تو دن رات انہیں یاد کرتی رہتی ہوں۔ یہ بتاؤ، کیا وہ مجھے یاد کرتے ہوں گے؟''

وہ بولا۔ ''بادشاہوں کی زندگی میں عورت ایک ہوا کے جھونکے کی طرح آتی ہے اور گزر جاتی ہے۔ اس کے محل میں بے شمار کھڑکیاں ہوتی ہیں۔ وہ جدھر کی کھڑکی کھولتا ہے۔ ادھر سے خوشبو کا جھونکا آ کر گزر جاتا ہے۔ بادشاہ امن کے زمانے میں ایک مطلق العنان حکمران ہوتا ہے اور جنگ کے زمانے میں ایک سپاہی.... بزورِ شمشیر حکومت کرنے والے شاعر اور عاشق نہیں ہوتے۔ ان کی زندگی میں حسیناؤں کا میلا لگا رہتا ہے۔ انہیں کسی کو یاد کرنے کی فرصت نہیں ملتی۔ ان کی فطرت کہتی ہے۔ تُو نہ سہی اور سہی..... اور نہ سہی اور سہی...''

''صبا....! تم مجھے مایوس کر رہی ہو۔''

''مایوسی کی باتیں دل ضرور توڑتی ہیں۔ لیکن آپ کو تصویر کا دوسرا رخ بھی دیکھنا چاہئے۔ سمجھنا چاہئے۔ آپ نے بادشاہوں کو دیکھا بھی ہے اور ان کے قصے بھی سنے ہیں۔ ان کی حرم سرا میں بیشمار کنیزیں ہوتی ہیں۔ ایک رات کے لئے آتی ہیں۔ اس کے بعد بادشاہوں کو ان کے چہرے یاد نہیں رہتے۔ کبھی ان کی یاد نہیں آتی۔ جب تازہ کھانا ملتا رہے تو باسی کھانا ہانڈی میں رکھا رہ جاتا ہے۔''

''تمہارا انداز بدل گیا ہے۔ تم میری دل جوئی نہیں کر رہی ہو۔''

''میں چاہتی ہوں، آپ بدلتے ہوئے حالات کو سمجھیں۔ میرا تو انداز بدلا ہے۔ حالات نے تیور بدل لئے ہیں۔ آپ جس سیج سے گزر کر آئی ہیں۔ اب وہ سیج پھولوں کی نہیں رہی ہے۔''

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ایک مخملی تخت پر آ کر بیٹھ گئی۔ پھر بڑی مایوسی سے

بولی۔ ''میں تمہارا رہنا چاہتی ہوں.... تم جاؤ۔''

وہ بولا۔ ''خدا جانتا ہے' میں نے محبت سے آپ کی بھلائی کی خاطر آپ کا دل دکھایا ہے۔ میں چاہتی ہوں' آپ خوابوں کی دنیا میں نہ رہیں۔ جب خواب ٹوٹتے ہیں' آنکھ کھلتی ہے تو زندگی کی زہریلی سچائیاں بہت رلاتی ہیں۔''

صباروحی نے یہ کہتے ہوئے دروازے کو باہر سے بند کر دیا۔ اختری سوچ رہی تھی۔ ''میں خوابوں کی دنیا میں نہیں رہتی۔ بہت پہلے ہی یہ سمجھ گئی تھی کہ میرے مقدر میں صرف ایک رات کی مسرتیں ہیں۔ مجھے خدا سے کوئی گلا نہیں ہے۔ بس فکر ہے تو اپنے بادشاہ کی..... ہائے یہ دل ایک ہی رات میں کیسا دیوانہ ہو گیا ہے؟ میں اپنا غم بھول کر اسی کا غم اٹھا رہی ہوں۔ اسی کی فکر میں مبتلا ہوں۔ اب تو بس ایک ہی دعاء ہے کہ میرا بادشاہ خیر خیریت سے واپس آجائے۔''

دوسرے دن دعا قبول ہو گئی۔ ایک قاصد نے آکر خوشخبری سنائی کہ بادشاہ سلامت خیر خیریت سے آگرہ پہنچ گئے ہیں۔ اگر اختری تنہائی میں یہ خبر سنتی تو مستی میں ناچنے لگتی۔ ماہم بیگم نے سنا تو خوشی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ گلے کا ہار اتار کر ریشمی پردے کے پیچھے سے قاصد کی طرف اچھال دیا۔ اس نے لپک کر اسے اٹھایا۔ پھر فرشی سلام کیا۔ گل رخ بیگم کو اپنے بیٹے کی فکر تھی کہ پتہ نہیں ہمایوں اس کے ساتھ کیا سلوک کر رہا ہوگا؟

اس نے قاصد سے پوچھا۔ ''ہمارے صاحبزادے کامران مرزا کے متعلق بتاؤ؟ ہمارے فرزند بادشاہ (ہمایوں) کا سلوک کامران مرزا کے ساتھ کیسا ہے؟''

قاصد نے جواب دیا۔ ''یہ ناچیز محل کے اندرونی معاملات سے قطعی ناواقف ہے۔ ایک بار مجھے محل میں طلب کیا گیا تھا۔ تب میں نے ظلِ سبحانی حضرت جہاں بانی (ہمایوں) اور آپ کے فرزندِ ارجمند کو ایک ہی دستر خوان پر کھاتے پیتے دیکھا تھا۔''

گل رخ بیگم نے فخریہ انداز میں اپنی سوکن ماہم بیگم کو دیکھا۔ اس نے قاصد کو وہاں سے جانے کا حکم دیا۔ پھر گل رخ بیگم کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ہمارا بیٹا محبت اور مروت میں مارا جاتا ہے۔ فردوس مکانی (بابر) کی نصیحتوں پر عمل کرتے ہوئے آستین کے سانپوں کو ڈسنے کا موقع دیتا رہتا ہے۔ آئندہ ہم اسے سمجھائیں گے کہ باپ کی نصیحتوں پر عمل کرتے

ہوئے انسانوں سے محبت کرو۔ سانپوں سے نہیں....''

گل رخ بیگم وہاں سے چلتی ہوئی دروازے تک گئی۔ پھر پلٹ کر بولی۔ ''بیچارہ بادشاہ ہمایوں.....وہ ہمارا سوتیلا بیٹا ہے۔ مگر اس پر بہت پیار آتا ہے۔ خدا اسے سلامت رکھے۔ اس کی شرافت اور نیک نفسی ہمارے بہت کام آرہی ہے۔''

وہ طنزیہ انداز میں مسکراتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ ماہم بیگم غصے سے دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ سوچ رہی تھی اور دل ہی دل میں اپنے بیٹے کی شرافت اور رحم دلی پر کڑھ رہی تھی۔

اختری اس کے سامنے سر جھکائے کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے کہا۔ ''خدا کا شکر ہے۔ بادشاہ بخیریت واپس آگئے ہیں۔ آپ ان کی والدہ محترمہ ہیں۔ ان کے لئے صدقہ خیرات دیں گی۔ میری ایک گزارش ہے کہ مجھے بھی ان کا صدقہ اتارنے اور خیرات دینے کی اجازت دی جائے۔''

ماہم بیگم نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ہم تمہاری یہ خواہش پوری کریں گے۔ مگر تم ہماری خواہش کب پوری کرو گی؟ کب ہمیں خوشخبری سناؤ گی؟''

اختری نے سر جھکائے شرماتے اور جھجکتے ہوئے کہا۔ ''آج سے دو یا تین دنوں میں کسی بھی دن ہمارا مہینہ پورا ہوگا۔ اس کے بعد اگر ماہانہ تکلیف شروع نہ ہوئی تو پھر آپ کے لئے بہت بڑی خوشخبری ہوگی اور اللہ تعالیٰ مجھے بھی عزت اور بلند مرتبہ دے گا۔''

''ہم بڑی بے صبری سے دو چار دنوں تک انتظار کرتے رہیں گے۔''

یہ کہتی ہوئی وہ وہاں سے چلی گئی۔ اس محل میں سب ہی کو کسی نہ کسی بات کا انتظار تھا۔ اختری بے تابی سے منتظر تھی کہ اس کا محبوب بادشاہ آگرہ سے لاہور کب آئے گا؟ آئندہ ازدواجی خوشیاں ملیں یا نہ ملیں۔ بس وہ آجائے۔ وہ اسے دیکھ لے تو آنکھوں کی عید ہو جائے۔

ماہم بیگم کو انتظار تھا کہ وہ دو چار دن کب گزریں گے؟ کب اختری یہ خوشخبری سنائی گی کہ وہ امید سے ہے؟ یہ امیدیں بڑی بندہ پرور ہوتی ہیں۔ بندوں کے اندر نئی زندگی کی روح پھونکتی رہتی ہیں۔

گل رخ بیگم کو انتظار تھا کہ اس کے بیٹے کامران مرزا کی سازشیں کب بار آور

ہوں گی؟ کب وہ ہمایوں کو شیر خان کے مقابلے میں کمزور بنا پائے گا؟ اب تک تو یہی دیکھنے میں آرہا تھا کہ شیر خان سوری سے شکست کھانے کے باوجود ہمایوں کے قدم آگرہ میں جمے ہوئے ہیں۔

گل رخ بیگم کو انتظار تھا کہ اس کے قدم آگرہ سے بلکہ پورے ہندوستان سے کب اکھڑیں گے؟ کب اس کے بیٹے کامران اور عسکری مرزا فردوس مکانی کے تخت پر بیٹھ کر اس کا تاج پہنیں گے؟

وہ دن اور وہ رات بھی گزر گئی۔ دوسری صبح اچانک ہی محل میں یہ خبر پہنچی کہ کامران مرزا آگرہ سے واپس آگیا ہے۔ ماہم بیگم نے ناگواری سے سوچا۔ ”ایسی کیا بات ہوگئی ہے؟ وہ پانچ روز پہلے یہاں سے آگرہ گیا تھا۔ اور اب آٹھویں روز ہی واپس چلا آرہا ہے؟ آگرے سے لاہور تک درپردہ ضرور کچھ ہو رہا ہے۔“

گل رخ بیگم نے بیٹے کی آمد کی خبر سنی تو خوشی سے دوڑتی ہوئی محل کے زنانہ حصوں سے گزرتی ہوئی دروازے پر آگئی۔ بیٹے کو دیکھ کر بولی۔ ”خوش آمدید۔ جانِ مادر! تمہیں دیکھ کر آنکھیں روشن ہوئیں اور دل شاد ہوا۔“

اس نے آگے بڑھ کر ماں کے سامنے سر جھکایا۔ گل رخ بیگم نے اس کی پیشانی کا بوسہ لیتے ہوئے سرگوشی میں کہا۔ ”کوئی اچھی خبر سناؤ ہم دیکھ رہے ہیں، ہمایوں اپنی تمام تر بد بختی کے باوجود خوش قسمت ہے۔ نہ تمہارے عدم تعاون سے کمزور پڑ رہا ہے۔ نہ شیر خان اسے شکست دینے کے باوجود آگرے تک پہنچ رہا ہے۔“

وہ بھی سرگوشی میں بولا۔ ”آکم مادر! دیر آید درست آید۔ آپ خوابگاہ میں چلیں۔ وہیں باتیں ہوں گی۔“

وہ دونوں ماں بیٹے ایک راہداری سے گزرنے لگے۔ کامران مرزا نے کہا۔ ”آگرے پہنچ کر معلوم ہوا کہ ماہم بیگم اپنی بہو اختری بیگم کے ساتھ یہاں آئی ہوئی ہیں۔“

گل رخ بیگم نے ناگواری سے منہ بناتے ہوئے کہا۔ ”ہاں۔ آتے ہی محل کے ایک حصے پر قبضہ جما رکھا ہے اور سختی سے حکم دیا ہے کہ ہم میں سے کوئی اس حصے میں قدم نہ رکھے۔“

وہ طنزیہ انداز میں بولا۔ ”یہاں ہم ہیں، ہمارا لشکر ہے، ہماری حکمرانی ہے اور وہ ماہم بیگم ہمیں محکوم بنانا چاہتی ہیں؟ دیکھتے ہیں، وہ ہمیں محل کے کسی بھی حصے میں جانے سے کس طرح روک سکیں گی؟“

وہ دونوں ایک خوابگاہ میں پہنچے۔ کامران مرزا نے کہا۔ ”اب سے دو یا تین دنوں بعد وہ برادر بادشاہ یہاں پہنچنے والا ہے۔“

گل رخ بیگم نے پریشان ہو کر بیٹے کو دیکھا۔ وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ ”یہ ہماری ہی سازش ہے۔ وہ اپنے لشکر کے ساتھ یہاں آئے گا تو پھر واپس نہیں جا سکے گا۔“

اس نے خوش ہو کر پوچھا۔ ”وہ کیسے....؟“

”یہ ہماری اور ہمارے امراء کی حکمتِ عملی ہے۔ وہ اپنے لشکر کے ساتھ یہاں آئے گا تو ساحل پر نصب کی ہوئی توپوں کا رخ پھیر دیا جائے گا۔ وہ توپیں اس قدر بھاری بھرکم ہیں۔ کہ برادر بادشاہ انہیں آگرے سے یہاں تک نہیں لا سکے گا۔ صرف اپنے لشکر کے ساتھ آئے گا۔“

وہ خوش ہو کر بولی۔ ”تمہارا یہ منصوبہ سمجھ میں آرہا ہے۔ انشاءاللہ کامیابی ہوگی اور تم فردوس مکانی کے تخت پر ضرور بیٹھو گے۔“

وہ بولا۔ ”آپ ابھی عسکری مرزا کے پاس جائیں گی۔ اسے سمجھائیں گی کہ جب ہمایوں اپنے لشکر کے ساتھ یہاں آئے تو وہ بھی اپنا لشکر لے کر پہنچ جائے۔ ہم دونوں بھائی متحد ہو کر برادر بادشاہ پر بھاری پڑیں گے۔ اس طرح وہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جائے گا۔“

گل رخ بیگم نے بیٹے کی بلائیں لیتے ہوئے کہا۔ ”ہم صدقے۔ ہم قربان.... ابھی یہاں سے روانہ ہوتے ہیں۔ شام تک عسکری کے پاس پہنچ جائیں گے۔ پھر جب بھی تم پیغام بھیجو گے۔ ہم اس کے لشکر کے ساتھ یہاں چلے آئیں گے۔“

اس نے اپنی خاص کنیزوں کو بلا کر حکم دیا۔ ”ہماری خوابگاہ میں جاؤ اور ہمارا سامانِ سفر تیار کرو۔ داروغہ کو یہاں حاضر ہونے کا حکم دو۔“

حرم میں جتنے خواجہ سرا ہوتے تھے۔ وہ ایک داروغہ کے ماتحت رہتے تھے۔ وہ داروغہ بھی خواجہ سرا ہی ہوتا تھا۔ وہ گل رخ بیگم اور کامران مرزا کے سامنے حاضر ہو کر

بولا۔''کنیز حاضر ہے۔حکم فرمائیں۔''

کامران مرزا نے کہا۔''ہماری آکم مادر عسکری مرزا کے پاس جارہی ہیں۔ابھی یہاں سے روانہ ہوجائیں گی۔ان کے آرام دہ سفر کے انتظامات کیے جائیں۔''

وہ داروغہ حکم کی تعمیل کے لئے چلا گیا۔کامران مرزا نے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔''یہ ہماری مادر ماہم اپنی بہو کو لئے پھر رہی ہیں۔یہاں بھی لے آئی ہیں۔کیا ایک ادنیٰ ملازمہ کو بہت زیادہ سر نہیں چڑھا رہی ہیں؟''

''تم تو جانتے ہو' ماہم بیگم کسی کے بھی بطن سے ایک پوتا پیدا کرانے کی فکر میں لگی رہتی ہیں۔انہوں نے اعلیٰ خاندان کی شہزادیوں کو بھی بہو بنایا اور کنیزوں کو بھی....اور یہ تو ہم نے تمہیں بتایا ہی تھا کہ اس ادنیٰ ملازمہ کو کس لئے بہو بنایا گیا ہے؟''

کامران مرزا نے ہاں کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔''آپ نے بتایا تھا کہ ایک جیوتشی اور ایک نجومی نے اس نئی بہو اختری کے بارے میں پیشگوئی کی ہے کہ وہ ایک بیٹے کو یعنی تخت کے وارث کو جنم دے گی۔''

پھر وہ طنزیہ انداز میں ہنستے ہوئے بولا۔''کوئی ضروری ہے کہ نجومیوں کی پیشگوئی درست ہو؟''

گل رخ بیگم نے کہا۔''ان کی ایک پیشگوئی درست ہوئی ہے۔انہوں نے کہا تھا' اختری صرف ایک رات کی دلہن بنے گی۔پھر اسے دوسری سہاگ رات نصیب نہیں ہوگی اور اب تک اس کے ساتھ یہی ہو رہا ہے۔''

وہ بیٹے کے قریب ہو کر بولی۔''دوسری پیشگوئی کے مطابق بیٹا ہوگا یا نہیں ہوگا؟ مگر ہمیں محتاط رہنا ہے۔جب ہم عسکری کے ساتھ یہاں واپس آئیں گے تو اس چھوکری کو ماں بننے کا موقع ہی نہیں دیں گے۔''

کامران مرزا نے ماں کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔''یہ اختری دیکھنے سننے میں کیسی ہے؟''

''تم سمجھ سکتے ہو' اسے حسین ہونا چاہئے۔محل میں صرف اُردابیگیاں ذرا بد صورت ہوا کرتی ہیں۔ورنہ حرم سرا میں کسی بھی بدصورت عورت کا داخلہ منع ہے۔''

وہ ادھر سے ادھر جاتے ہوئے بولا۔''ہمارا برادر بادشاہ کچھ دیکھ کر ہی اس کی طرف جھکا ہوگا۔ہمیں بھی دیکھنا چاہئے کہ وہ جھکانے والی چیز کیا ہے؟''

گل رخ بیگم نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔''کیا ارادہ ہے تمہارا...؟''

''آپ یہ نہ پوچھیں......یہ ہمارا معاملہ ہے۔ہم سمجھ لیں گے۔''

''نہیں۔ہمیں معلوم ہونا چاہئے۔کیا تم اس بدبخت ہمایوں کے جھوٹے برتن میں کھانا چاہتے ہو؟''

''جھوٹا کیا ہوتا ہے آکم مادر....؟ ہم فردوس مکانی کے اس تخت پر بیٹھنا چاہتے ہیں۔جسے ہمایوں جھوٹا کر چکا ہے۔وہ تاج پہننا چاہتے ہیں۔جو ہمایوں کی اترن ہوگا۔جب ہم اس سے تخت و تاج چھین سکتے ہیں تو پھر اس دو کوڑی کی لڑکی کو چھیننے لینے پر آپ معترض کیوں ہیں؟''

وہ بولی۔''اس محل میں حسین ترین کنیزوں کی کمی نہیں ہے۔تم چاہو گے تو اور بھی حسینائیں آجائیں گی۔لیکن اختری پر ہمیں اعتراض ہے۔ہم ایک عورت ہیں۔ایک ماں ہیں۔یہ کبھی نہیں چاہیں گے کہ ایک ماں بننے والی کی آبرو پر حرف آئے۔''

''تعجب ہے۔آپ اس کی حمایت بھی کر رہی ہیں اور یہ بھی چاہتی ہیں کہ وہ کبھی ماں نہ بن پائے؟''

''بے شک۔تم اسے ماں بننے سے پہلے قتل کردو۔یہ ہمیں منظور ہے۔لیکن اس کی آبرو پر حرف لاؤ۔یہ منظور نہیں ہے۔ایک ماں بننے والی کو داغدار نہ کرو۔اس سے بہتر ہے' اسے مار ڈالو۔''

وہ ماں کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔''طیش میں نہ آئیں۔آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ہم اسے ہاتھ بھی نہیں لگائیں گے۔''

کامران مرزا نے دن کے پہلے پہر میں ہی اپنی ماں کو وہاں سے رخصت کر دیا۔پھر چند اُردابیگنیوں کو بلا کر حکم دیا۔''بادشاہ سلامت کی والدہ ماہم بیگم کو اور نئی ملکہ معظمہ اختری بیگم کو ان کی اپنی اپنی خوابگاہ میں قیدی بنا کر رکھا جائے۔تمام کنیزوں اور خواجہ سراؤں کو وہاں سے ہٹا دیا جائے۔''

ان احکامات کی فوراً ہی تعمیل کی گئی۔ جب ماہم بیگم کو معلوم ہوا کہ اسے خوابگاہ کی چار دیواری تک محدود کر دیا گیا ہے۔ باہر نکلنے کی اجازت نہیں دی جا رہی ہے تو وہ غصے سے تلملانے لگی۔ ایک اُردبیگنی سے بولی۔ ''کامران مرزا سے جا کر کہو۔ یہ اقدامات اسے بہت مہنگے پڑیں گے۔ ہمارا بیٹا ہمیشہ اسے معاف کرتا آیا ہے۔ لیکن اس بار وہ ماں کی توہین برداشت نہیں کرے گا۔''

کامران مرزا نے وہاں آ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ ''کیوں انگاروں پر لوٹ رہی ہیں؟ آپ نے تو ہماری مادر کو حکم دیا تھا کہ وہ بغیر اجازت محل کے اس حصے میں قدم نہیں رکھیں گی۔ ہم نے آپ کے قدموں کو اس چار دیواری تک محدود کر دیا ہے۔''

وہ اس کے قریب آتے ہوئے بولا۔ ''آج تک آپ حاکم بن کر رہیں۔ اب محکوم بن کر تماشہ دیکھیں کہ یہاں آپ کے بیٹے کے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟''

ماہم بیگم نے غصے سے پوچھا۔ ''کیا تم اس خوش فہمی میں ہو کہ لاہور کے تخت پر بادشاہ بن کر بیٹھ جاؤ گے؟''

''یہ ہماری خوش فہمی نہیں ہے۔ شیر خان سوری سے معاملات طے ہو چکے ہیں۔ ہم آگرہ اور دہلی تک پہنچنے کے سلسلے میں اس کی مدد کر رہے ہیں۔ اس نے وعدہ کیا ہے' وہ لاہور کی طرف پیش قدمی نہیں کرے گا۔ کبھی ہم سے جنگ نہیں کرے گا۔''

ماہم بیگم پریشانی سے سن رہی تھی کہ اس کے بیٹے کے خلاف کیسی سازشیں کی جا رہی ہیں؟ ایک بات سمجھ میں آ گئی تھی کہ اسے بے دست و پا بنا دیا گیا ہے۔ وہ اپنے کسی مخبر کے ذریعے بیٹے کو یہ پیغام نہیں پہنچا سکتی تھی کہ وہ ادھر کا رخ نہ کرے۔

کامران مرزا نے فاتحانہ انداز میں کہا۔ ''آپ اسے ہماری خوش فہمی کہتی ہیں۔ لیکن آپ اور آپ کے بیٹے کو قید خانے میں یہ معلوم ہو گا کہ اگلے جمعے کو ہمارے نام کا خطبہ پڑھایا جائے گا اور ہماری بادشاہت کا اعلان کیا جائے گا۔''

ماہم بیگم نے ایک ذرا بے بسی سے کہا۔ ''کامران! یہ تم اچھا نہیں کر رہے ہو۔''

''آپ نے ہمارے ساتھ کیا اچھا کیا تھا؟ فردوس مکانی بابا حضور جب تک زندہ رہے' آپ ان کے دل و دماغ پر چھائی رہیں۔ اپنے بیٹے کی جاں نشینی کا اعلان کرا

دیا۔ پھر ان کی زندگی میں ہی بیٹے کو تخت پر بٹھا دیا۔ یہ دنیا طاقتوروں کی ہے۔ جس کا زور چلتا ہے۔ وہی اپنی بات منواتا ہے۔ آج آپ کے بیٹے کی مقابلے میں' ہم شہزور ہیں اور وہ کمزور ہے۔ اس میں حکمران بن کر رہنے والی ذہانت اور حکمتِ عملی نہیں ہے۔ آئندہ آپ دیکھیں گی کہ ہم کس طرح لاہور سے آگرہ تک شاہانہ طمطراق سے حکومت کرتے رہیں گے۔''

وہ بڑے فخر سے شاہانہ انداز میں ماہم بیگم کے سامنے ٹہل رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔ ''سازشیں کرنا' جنگیں لڑنا اور حکومت کرنا یہ سب مردوں کے کام ہیں۔ آپ یہ معاملات ہمارے لئے رہنے دیں۔ خواتین کے معاملات پر گفتگو کریں۔''

وہ ایک جگہ رک کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''سنا ہے... برادر بادشاہ نے آپ کی نئی بہو کے ساتھ صرف ایک ہی رات گزاری ہے؟''

ماہم بیگم نے جواب نہیں دیا۔ اسے گھور کر دیکھتی رہی۔ وہ بولا۔ ''بھلا ایک رات سے کیا ہوتا ہے...؟ مگر ہو بھی جاتا ہے.... کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ تلوار کے پے در پے وار کرتے رہو۔ سامنے والے کا کچھ نہیں بگڑتا اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک ہی وار میں کام تمام ہو جاتا ہے۔ زمین زرخیز ہو تو فوراً ہی فصل اگنے لگتی ہے۔''

وہ ماہم بیگم کے ایک طرف سے دوسری طرف جاتے ہوئے بولا۔ ''سنا ہے نجومیوں نے آپ کے پوتے کی آمد کے سلسلے میں پیشگوئی کی ہے؟ کیا بہو بیگم کے پاؤں بھاری ہو گئے ہیں؟''

وہ اس سے دور جاتے ہوئے بولا۔ ''اگر نہ ہوئے ہوں تو کوئی بات نہیں۔ ہم بھاری کر دیں گے۔''

ماہم بیگم نے غصے سے کہا۔ ''بکواس مت کرو۔ وہ بادشاہِ وقت کی ملکہ معظمہ ہے۔ آئندہ اس کی شان میں ایسے الفاظ استعمال نہ کرنا۔''

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ''کیا ہمیں سولی پر چڑھا دیں گی؟ آپ چاہتی ہیں' آپ کے بیٹے کا ایک بیٹا ہو جو تخت کا جانشیں اور ولی عہد کہلائے۔ یہ آرزو ہماری بھی ہے اور بڑی ہی دیرینہ آرزو ہے۔ ابھی تو آپ کی بہو نے ماں بننے کی نوید نہیں سنائی ہے ناں...''

وہ گردن اونچی کرتے ہوئے بڑے فخر سے بولی۔ ''وہ بہت جلد خوشخبری سنانے

والی ہے۔''

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ ''ہم جانتے ہیں' آپ کی بہو ہمارے لئے بھی خوشخبری سنائے۔ ابھی ہم جا رہے ہیں۔ اس کے ساتھ خلوت میں وقت گزاریں گے۔''

وہ گرج کر بولی۔ ''بکواس مت کرو۔ ہمارے بیٹے نے یہ بات سن تو وہ تمہاری کھال کھنچوا دے گا۔ تمہیں زندہ دفن کر دے گا۔''

وہ بڑے اعتماد سے بولا۔ ''ایسا کچھ نہیں ہونے والا ہے۔ فی الحال تو آپ اپنی کھال میں رہیں۔ اور اس نکتے پر غور کریں کہ آج کے بعد آپ کی بہو ماں بننے کی خوشخبری سنائے گی تو وہ کس کے بیٹے کو جنم دے گی؟''

وہ غصے سے مٹھیاں بھینچتے ہوئے بولی۔ ''تم کتنے کم ظرف اور کمینے ہو......؟''

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ''شیطان کو گالی دو تو وہ دعا سمجھتا ہے۔ جو بد دعا آپ کو لگنے والی ہے۔ اس کے بارے میں سوچیں۔ اس لمحے تک وہ بہو صاف ستھری ہے۔ صرف آپ کے جان نشیں پوتے کو جنم دینے والی ہے۔ لیکن آج شام تک ملاوٹ ہو جائے گی۔ وہ متنازعہ بن جائے گی۔ برادر بادشاہ کہے گا' اس سے ہونے والا بیٹا اس کا ہے۔ ہم کہیں گے برادر کا نہیں ہمارا ہے۔ مادر محترمہ! تب آپ کیا فرمائیں گی؟''

ماہم بیگم نے پریشان ہو کر بڑی بے بسی سے کہا۔ ''تم......تم ایسا گناہ نہیں کرو گے۔''

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ''کیا گناہ...کیا ثواب...؟ تخت شاہی اور عورت جیسی ملائی کو حاصل کرنے کے لئے سب جائز ہو جاتا ہے۔''

وہ پھر ٹہلنے کے انداز میں ادھر سے ادھر جاتے ہوئے بولا۔ ''پہلے تو ہم نے سوچا تھا کہ آپ کی بہو کو ماں بننے ہی نہیں دیں گے۔ اسے ٹھکانے لگا دیں گے۔ نہ بانس رہے گا' نہ بانسری بجے گی۔ نہ ماں ہوگی' نہ بیٹا جنم لے گا۔''

وہ ماہم بیگم کے آگے سے پیچھے کی طرف جاتے ہوئے بولا۔ ''پھر ایک نئی سوچ ایک نئی تدبیر ذہن میں پیدا ہوئی۔ عقل نے سمجھایا۔ کیا ضروری ہے کہ ایک بے چاری ماں کو اور ایک معصوم بچے کو قتل کیا جائے؟ انہیں زندہ رکھا جا سکتا ہے۔ بس ایک ذرا ملاوٹ کر دی جائے۔ پھر ماں بھی زندہ رہے گی اور بچہ بھی سلامت رہے گا۔ صرف اتنا ہوگا کہ وہ تخت

کا جان نشیں نہیں بن سکے گا۔ یہ شناخت نہیں ہو سکے گی کہ وہ کس کا پوتا ہے؟ آپ کا یا ہماری آکم مادر کا......''

ماہم بیگم کو غصہ آ رہا تھا۔ اس کا بس چلتا تو اسے ابھی جلاد کے حوالے کر دیتی۔ لیکن وہ بادشاہ ہمایوں کی غیر موجودگی میں لاہور کا قائم مقام بادشاہ تھا۔ وہاں اسی کا حکم چلنے والا تھا۔ وہ بادشاہ وقت کی والدہ ہونے کے باوجود اس کے سامنے دم نہیں مار سکتی تھی۔

وہ اپنے ناپاک ارادے بیان کر چکا تھا۔ اب ان کی تکمیل کے لئے وہاں سے جا رہا تھا۔ ماہم بیگم چیختی چلاتی اس کے پیچھے آنے لگی۔ لیکن کامران مرزا جیسے ہی خوابگاہ سے باہر نکلا۔ اُردا بیگنیوں نے دروازے کو بند کر دیا۔

وہ دروازے کو پیٹتے ہوئے بولی۔ ''کامران......! تم بہت پچھتاؤ گے۔ ہمارا بیٹا تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔ تمہیں کتے کی موت مارے گا۔ اپنی بہتری چاہتے ہو تو ایسے ناپاک ارادوں سے باز آ جاؤ۔''

وہ اپنے بادشاہ بیٹے کے حوالے سے اقتدار میں تھی۔ بے حد و حساب اختیارات کی مالکہ تھی۔ مگر اب اختیارات سے خالی ہو کر عام رعایا کی طرح فریادی بن گئی تھی۔ دروازہ پیٹ پیٹ کر چیخ رہی تھی۔ لیکن کوئی اس کی سننے والا نہیں تھا۔

دوسری خوابگاہ میں اختری قیدی بنی ہوئی تھی۔ جب اس خوابگاہ کا دروازہ کھلا تو وہ ایکدم سے چونک گئی۔ گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی۔ کھلے ہوئے دروازے پر کامران مرزا کھڑا تھا۔ اس نے ایک بار باغ گل افشاں میں اسے دور ہی دور سے دیکھا تھا۔ وہ اسے سر سے پاؤں تک ایسے دیکھ رہا تھا۔ جیسے قصائی ذبح ہونے والے جانور کو دیکھتا ہے۔

اس نے خوابگاہ میں قدم رکھتے ہوئے کہا۔ ''ہم تمہارے شوہر نامدار بادشاہ وقت کے برادر کامران مرزا ہیں۔''

وہ ادب سے سر جھکا کر بولی۔ ''میں آپ کو پہچانتی ہوں۔ میں نے ایک بار آپ کو باغ گل افشاں میں دیکھا تھا۔''

''اچھی بات ہے۔ یہ بتاؤ' ہم اُس وقت کیسے لگے تھے اور آج کیسے لگ رہے ہیں؟''

پوچھنے کا انداز ایسا تھا۔ جیسے وہ اس کے منہ سے اپنی تعریف سننا چاہتا ہو۔ اختری

کی زبان تو صرف اپنے محبوب ہمایوں کی ہی تعریف کرسکتی تھی۔اس کی نظروں میں دوسرا کوئی تعریف کے قابل نہیں تھا۔

اس نے کہا۔''شاہی خاندان کا ہر فرد میرے لئے معزز اور محترم ہے۔''

وہ بولا۔''ہم دوسروں کی نہیں...اپنی بات کر رہے ہیں۔''

کنیزیں شراب سے بھری ہوئی صراحی اور چاندی کے پیالے لے کر آ رہی تھیں۔ایک تھال میں انگور کے خوشے اور دوسرے تھالوں میں تازہ پھل رکھے ہوئے تھے۔

اختری یہ سب کچھ دیکھ کر پریشان ہو رہی تھی۔لیکن کچھ پوچھنے کی جرات نہیں تھی۔

جب وہ کنیزیں باہر چلی گئیں تو اُردا بیگنیوں نے دروازے کو بند کر دیا۔یوں آنے والے کی نیت کا صاف پتہ چل گیا۔وہ جھجکتے ہوئے بولی۔''میں آپ کے برادر بادشاہ کی منکوحہ ہوں۔آپ کو اس اہتمام کے ساتھ میری خوابگاہ میں نہیں آنا چاہئے۔''

وہ بولا۔''تمہیں یہاں قیدی بنایا گیا ہے۔پھر بھی تمہاری سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ ہم یہاں کے حاکم ہیں۔جس کی تم منکوحہ ہو۔وہ یہاں کا تو کیا کہیں کا حکمران نہیں رہا ہے۔''

وہ اس کے قریب آ گیا۔وہ پیچھے ہٹنا چاہتی تھی۔اس نے ایک بازو کو جکڑ کر چہرے کو چھوتے ہوئے اس پر انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔''کھلتی ہوئی کلی کی طرح ملائم ہو۔ایک رات میں تمہارا کچھ نہیں بگڑا۔تمہیں تو پھول بن جانا چاہئے تھا۔کوئی بات نہیں۔ہم بنا دیں گے۔''

وہ اسے بازو سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے جام و مینا تک لایا۔پھر بولا۔''ہمارے لئے ایک جام بناؤ۔''

وہ مجبور ہو گئی۔نازک سی صراحی اٹھا کر چاندی کے پیالے میں شراب ڈالنے لگی۔یہ اچھی طرح جانتی تھی کہ بادشاہوں سے نافرمانی بہت مہنگی پڑتی ہے۔وہ جان سے نہیں مارتے۔زندہ رکھتے ہیں۔لیکن اذیتیں دے دے کر زندگی حرام کر دیتے ہیں۔

وہ ایک ملائم مخملی تخت پر آ کر بیٹھ گیا۔اختری نے اس کے پاس آ کر وہ پیالہ پیش کیا۔وہ پیالے کی طرف جھک گیا۔اختری نے پہلا گھونٹ اسے پلایا۔وہ مزہ لیتے ہوئے بولا۔''سنا ہے تمہیں برادر بادشاہ کی دوسری رات کبھی نہیں ملے گی؟''

اس نے پیالہ اپنے ہاتھوں میں لے کر دو چار گھونٹ لینے کے بعد اسے ایک طرف رکھ دیا۔پھر کہا۔''کوئی بات نہیں۔تم تو رات کی رانی ہو۔ایک رات کی ملکہ اُدھر تو ایک رات کی ملکہ اِدھر...''

اس نے کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔وہ بڑی بے بسی اور عاجزی سے بولی۔''خدارا...!ایسا گناہ نہ کریں۔میں ماں بننے والی ہوں۔''

''ہماری آکم مادر نے بھی ہمیں سمجھایا تھا۔کہ جو ماں بننے والی ہو۔اسے ہاتھ نہ لگائیں۔مگر ہم نے تمہاری خوش دامن سے تصدیق کی ہے کہ ابھی ایسے کوئی آثار نہیں ہیں۔تم آئندہ خوشخبری سنانے والی ہو اور یہ ضروری نہیں ہے کہ تم ایسی کوئی خبر سنا سکو... ہاں۔آج کے بعد ایسا ہو سکے گا۔آج کے بعد جو خبر سناؤ گی وہ ان ماں بیٹے پر بجلی بن کر گرے گی۔''

پتہ نہیں کب وہ خبر سنائی جانے والی تھی؟اس سے پہلے ہی اختری پر بجلی گر پڑی۔

☆☆☆

ہمایوں بے خبر تھا کہ اس کی ایک رات کی دلہن کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟وہ زبان کا دھنی تھا۔ایک غریب سقہ سے کیا ہوا وعدہ پورا کر رہا تھا۔اس نے باقاعدہ اعلان کروایا تھا کہ نظام الدین سقہ کو ایک دن کا بادشاہ بنایا جا رہا ہے۔تمام امراء اور درباریوں کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ سب اس کی تخت نشینی کے وقت حاضر ہو جائیں اور آداب بادشاہی کے مطابق اس کے سامنے جھک کر اسے سلام کریں۔

نظام الدین سقہ کو تخت پر بٹھایا گیا تھا۔اس کے سر پر تاج رکھا گیا تھا۔دوسرے امراء اور درباریوں کی طرح ہمایوں بھی ایک طرف ہاتھ باندھے سر جھکائے کھڑا تھا۔دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کر رہا تھا کہ اس نے نظام سقہ کے ذریعے اس کی جان بچائی۔ایک نئی زندگی دی اور یہ توفیق دی کہ ایک غریب سقہ سے کیا ہوا وعدہ پورے کرے۔

اس نے دل ہی دل میں کہا۔''یا خدا...!ایسے وقت..جبکہ ہمارے قدم اکھڑ رہے ہیں'تخت و تاج ہاتھوں سے چھوٹ رہا ہے۔ہم نے ایک غریب کی آرزو پوری کی ہے۔اسے تخت شاہی پر بٹھایا ہے اور تاج پہنایا ہے۔اے خدا!اس نیکی کے عوض ہمارے گناہوں کو اور

غلطیوں کو معاف فرما۔ بھائیوں کو ندامت اور دشمنوں کو پسپائی دے۔ تمام بھائیوں کو ایسی نیکی اور شرافت دے کہ وہ ہم سے متحد ہو کر مغل سلطنت کو قائم ودائم بناتے رہیں۔"

نظام الدین سقہ کی تخت نشینی کے وقت پتہ چلا کہ جتنے امراء اور ارکینِ سلطنت ایک سقہ کی بادشاہت اور تخت نشینی کے خلاف تھے۔ وہ آگرہ چھوڑ کر کامران مرزا کے ساتھ چلے گئے تھے۔ وہ بھائیوں سے محبت کر رہا تھا۔ ایک سقہ سے نیکی کر رہا تھا۔ اس کے باوجود مخالفین کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔ دوست اور ہمنوا کم سے کم ہوتے جا رہے تھے۔

شام ہوئی تو اس نے نظام الدین سقہ کو ایک تھال بھر کر سونے چاندی اور ہیرے جواہرات دیئے۔ ایک کوس کے رقبے تک پھیلی ہوئی زمینیں اس کے نام لکھوا دیں۔ پھر اسے بڑی عزت اور احترام کے ساتھ رخصت کر دیا۔ اس نے ایک نیکی کر کے کتنی ہی برائیاں مول لی تھیں۔ بابر کے زمانے سے جو امراء اس کے وفادار تھے۔ وہ بدظن ہو کر کامران مرزا سے جا ملے تھے۔ اب وہاں اس کا ایک وفادار جاں نثار سپہ سالار اور بابر کے دَور سے ساتھ دینے والے سپاہی رہ گئے تھے۔

کامران مرزا آگرہ سے قسم کھا کر گیا تھا کہ وہ اور اس کا بھائی عسکری مرزا بادشاہ برادر ہمایوں کا ساتھ دیں گے اور تینوں کے لشکر متحد ہو کر شیر خان سوری سے مقابلہ کریں گے۔ اس نے سوتیلے بھائی کے وعدوں اور قسموں پر اعتبار کیا۔ پھر آگرہ سے اپنا تمام لشکر لے کر لاہور کی طرف چل پڑا۔

بھائیوں کے مقابلے میں اس کے لشکر کی برتری یہ تھی کہ اس کے پاس کثیر تعداد میں بندوقیں اور چھوٹی بڑی توپیں تھیں۔ آگرہ سے لاہور تک بڑی بھاری بھرکم توپوں کو لے جایا نہیں جا سکتا تھا۔ اس لئے انہیں وہیں چھوڑ دیا گیا تھا۔ پھر بھی چھوٹی توپیں خاصی تعداد میں تھیں۔ اس کے دل میں یہ بات تھی کہ بھائیوں نے کبھی اسے فریب دیا تو وہ ان پر بھاری پڑے گا۔

جب وہ منزلیں طے کرتا ہوا جالندھر پہنچا تو رات ہو چکی تھی۔ اس نے صبح تک کے لئے پڑاؤ ڈالا وہاں خیمے نصب کئے گئے اور کھانے پینے کا انتظام ہونے لگا۔ آدھی رات کے بعد ہمایوں اپنے خیمے میں گہری نیند سو رہا تھا۔ ایسے ہی وقت شور بلند ہوا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ

گیا۔ سپہ سالار نے آ کر بتایا کہ کامران مرزا کا ایک مخبر پکڑا گیا ہے۔

ہمایوں اپنے خیمے سے باہر آ گیا۔ وہاں کئی سپاہی ایک شخص کو رسیوں سے باندھے کھڑے ہوئے تھے۔ ایک نے کہا۔ "یہ بظاہر ہمارے لشکر کا سپاہی ہے۔ لیکن کامران مرزا کے لئے جاسوسی کرتا ہے۔ ابھی چپ چاپ گھوڑا لے کر یہاں سے فرار ہو رہا تھا۔ ہم سے پہلے لاہور پہنچ کر یہ پیغام دینے والا تھا۔"

وہ پیغام نامہ ہمایوں کے سامنے پیش کیا گیا۔ وہ مخملی کپڑے پر ایک تحریر کیا ہوا شاہی انداز کا پیغام نامہ تھا۔ شیر خان سوری نے کامران مرزا کو لکھا تھا۔

"زندہ باد کامران مرزا! آپ واقعی ہم سے دوستی نبھا رہے ہیں۔ جیسا کہ آپ نے لکھا ہے' ہمایوں ٹھیک دو دنوں بعد اپنا لشکر لے کر آگرہ سے لاہور کی طرف روانہ ہو گا اور دریا کے کنارے نصب کی گئی توپوں کا رخ پھیر دیا جائے گا تو پھر یقین کر لیں کہ ہم آپ کے گرویدہ ہو گئے ہیں۔ اس دوستی اور وفاداری کے عوض آپ کا مطالبہ پورا کریں گے۔

آپ لاہور سے کابل تک حکمران بن کر رہنا چاہتے ہیں۔ ہم وعدہ کرتے ہیں' اپنی سلطنت دہلی تک محدود رکھیں گے۔ کابل تو پہلے سے آپ کا ہے۔ لاہور بھی آپ کا ہو جائے گا۔"

اس سے پہلے کہ ہمایوں اپنے لشکر کے ساتھ لاہور پہنچے۔ آپ عسکری مرزا کو اس کے لشکر سمیت اپنے پاس بلا لیں۔ اس طرح آپ دونوں بھائی ہمایوں پر بھاری پڑیں گے۔ یہ ہمارے اور آپ کے لئے بڑی آزمائش کی گھڑی ہے۔ خوب سوچ سمجھ کر منصوبہ بنائیں اور پوری حاضر دماغی سے اس پر عمل کریں۔ کامیابی کے بعد ہم آپ کی تخت نشینی اور تاج پوشی کے دن لاہور آئیں گے۔ آپ کو گلے لگا کر مبارک باد دیں گے۔"

یہ تحریر پڑھتے ہی ہمایوں کا سر چکرانے لگا۔ ایک چھوٹا سا تخت شاہی اس کے پیچھے لا کر رکھا گیا تھا۔ وہ اس پر بیٹھ گیا۔ سر جھکا کر سوچنے لگا۔ اس کے کتنے ہی وفادار اور جانثار امراء نے بارہا سمجھایا تھا کہ سوتیلے بھائی آستین کا سانپ ہوتے ہیں۔ ان پر کبھی بھروسہ نہ کریں۔ آج معلوم ہو رہا تھا کہ آستین کے سانپ کس طرح ڈستے ہیں؟

اس نے سر اٹھا کر اس مخبر کو دیکھا۔ جو رسیوں سے بندھا ہوا تھا۔ ہاتھ جوڑ کر گڑگڑا رہا

تھا۔رحم کی بھیک مانگ رہا تھا۔ ہمایوں نے پوچھا۔ ”یہ سازشیں کب سے چل رہی ہیں؟“

مخبر نے جواب دیا۔ ”حضور بادشاہ سلامت جب پہلی بار شیر خان سوری کے مقابلے پر گئے تھے' تب سے آپ کے برادر کامران مرزا اور شیر خان سوری کے درمیان خفیہ پیغام رسانی جاری رہی تھی اور اب تک جاری ہے۔“

”ہم حیران ہیں' یہ سوتیلے کیسی چالیں چل رہے ہیں؟ ایک طرف دشمن سے ساز باز ہو رہی ہے۔ دوسری طرف سچ مچ بیمار پڑے ہوئے ہیں۔“

مخبر نے کہا۔ ”ان کی بیماری محض ایک ڈھونگ ہے۔ بہانہ ہے۔ وہ اپنے حکیموں کی حکمت سے عارضی طور پر بیمار ہو کر آپ کے پاس آئے تھے۔ آپ کو یقین دلایا تھا کہ بیمار ہیں۔ جبکہ انہیں کوئی بیماری نہیں تھی۔“

ہمایوں غصے سے سوچ رہا تھا اور اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ مخبر زمین پر سر پٹخ پٹخ کر رحم کی بھیک مانگ رہا تھا۔ ہمایوں نے کہا۔ ”تمہیں جان کی امان ملے گی۔ تم ان کے تمام منصوبوں سے ہمیں کلی طور پر آگاہ کرو۔“

اس نے کہا۔ ”ان کا منصوبہ یہ ہے کہ جب آپ لاہور پہنچیں گے تو دونوں بھائیوں کے لشکر متحد ہو کر آپ سے مقابلہ کریں گے۔“

ہمایوں نے اپنے لشکر کی طرف دور تک نظر دوڑائی۔ اس کے سپاہیوں کی تعداد آدھی رہ گئی تھی۔ لیکن اس حوالے سے وہ طاقتور تھا کہ اس کے لشکر میں بندوقچی اور توپچی خاصی تعداد میں تھے۔ پھر بھی لاہور جانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔

اس نے اپنے سپہ سالار سے پوچھا۔ ”تمہارا کیا خیال ہے' ہمیں لاہور کی سمت بڑھنا چاہئے یا واپس آگرے جانا چاہئے؟“

سپہ سالار سے پہلے مخبر نے کہا۔ ”قطع کلامی کی معافی چاہتا ہوں۔ بادشاہ سلامت کے برادر کامران مرزا کا ایک اور جاسوس تھا۔ آپ کے آگرہ سے نکلتے ہی وہ شیر خان سوری کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ شیر خان کو اطلاع مل چکی ہو گی کہ آگرہ خالی ہو گیا ہے۔ ایک پورا دن گزر چکا ہے۔ یہ آدھی رات بھی گزر رہی ہے۔ اب تک شیر خان سوری اپنے لشکر کے ساتھ آگرے پہنچ چکا ہو گا۔“

ہمایوں نے بہت ہی دلبرداشتہ ہو کر کہا۔ ”یا خدا! یہ ہمارے ساتھ کیسا فریب ہوا ہے؟ وہ ہمارا دشمن کسی مقابلے کے بغیر آگرہ کے تخت پر قبضہ جما چکا ہے اور دہلی کا تخت اس سے چند قدموں فاصلوں پر ہے۔ وہاں بھی کوئی اسے روکنے ٹوکنے والا نہیں ہے۔“

سپہ سالار اور تمام سپاہی اپنے بادشاہ کو ہمدردی سے دیکھ رہے تھے۔ وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ ”اب نہ تو ہم آگرے جا سکتے ہیں۔ نہ دہلی۔ آگے بڑھنا بھی خطرے کو دعوت دینا ہے۔ وہاں ایک ہی لہو سے پیدا ہونے والے بھائی ہمارے لہو کے پیاسے ہیں۔“

سپہ سالار نے پوچھا۔ ”اس مخبر کے لئے کیا حکم ہے؟“

ہمایوں نے اسے غصے سے دیکھا۔ پھر کہا۔ ”ہم نے اسے جان کی امان دی ہے۔ اس نے ایسی اہم باتیں بتائی ہیں۔ جن سے ہم اب تک بے خبر تھے۔ اس نے غداری بھی کی' ہم پر احسان بھی کیا۔ احسان کا بدلہ یہ ہے کہ اسے زندہ رکھا جائے۔ غداری کی سزا یہ ہے کہ اس کی ایک ٹانگ کاٹ دی جائے۔ تاکہ یہ یہاں سے کامران تک نہ پہنچ سکے۔“

دو چار سپاہی اس مخبر کو زمین پر گھسیٹتے ہوئے لے گئے۔ سپہ سالار نے ہمایوں سے کہا۔ ”اگر آپ اجازت دیں تو میں ایک مشورہ دینا چاہتا ہوں۔“

ہمایوں نے کہا۔ ”تم ہمارے وفادار ہو۔ جانثار ہو۔ ایک سپہ سالار کی حیثیت سے موجودہ حالات کا بخوبی تجزیہ کر سکتے ہو۔ ہمیں مشورہ دو۔ ہم تاریکی میں ہیں۔ روشنی دکھاؤ۔“

اس نے کہا۔ ”یہاں سے ہمارے دو مخبروں کو لاہور بھیجا جائے۔ وہاں ہمارے جاسوس ہیں۔ وہ محل کے اندر اور باہر کی خبر رکھتے ہوں گے۔ ان سے ہمیں صحیح صورت حال کا پتہ چلے گا۔“

بہت ہی مناسب مشورہ تھا۔ سوتیلے بھائیوں کامران مرزا اور عسکری مرزا کے متعلق صحیح معلومات حاصل کرنے کے بعد ہی لاہور کی سمت پیش قدمی کی جا سکتی تھی۔ لہٰذا فوراً ہی دو مخبروں کو وہاں سے لاہور کی طرف روانہ کر دیا گیا۔

ادھر شاہی محل میں اختری پر سکتہ طاری ہو گیا تھا۔ وہ ظالم کے خلاف چیخنا' چلانا اور فریاد کرنا بھول گئی تھی۔ جہاں حاکم وہی ہو۔ منصف وہی ہو۔ قانون اس کے ہاتھ میں ہو اور فیصلہ سنانے والا بھی وہی ہو تو پھر فریاد کون سنے گا؟ انصاف کون کرے گا؟

جب کامران مرزا وہاں سے چلا گیا۔ خواجہ سرا اور کنیزوں کو محل کے اس حصے میں جانے کی اجازت دی گئی تو صبا روحی تیزی سے چلتا ہوا اس کی خوابگاہ کے دروازے پر آیا۔ اختری اجڑی ہوئی حالت میں فرش پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے دیکھتے ہی یوں لگا' جیسے کوئی اپنا آ گیا ہو۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

اس کی حالت دیکھ صبا روحی کا دل کٹنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ جسے وہ دل وجان سے چاہتا تھا اسے لٹنے سے نہ بچا سکا تھا۔ ایک ظالم حکمران کے سامنے اس کی اوقات ہی کیا تھی؟ وہ اختری کی حمایت میں اس ظالم کے خلاف ایک لفظ بھی کہتا تو اس کی زبان گدی سے کھینچ لی جاتی۔

وہ اپنا سینہ پیٹتا ہوا' ہائے ہائے کرتا ہوا۔ اس کے سامنے گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گیا۔ ماتمی انداز میں کہنے لگا۔ "ہائے بی بی! یہ آپ کے ساتھ کیا ہو گیا؟ جو سوچا نہ تھا۔ وہ ہو گیا....."

وہ سجدے کی حالت میں جھک کر فرش پر سر پٹخنے لگا۔ "ہائے! میں آپ کے لئے کچھ نہیں کر سکتی۔ قدرت نے مجھے مرد بنایا۔ شاہوں نے مجھے نامرد اور کمزور بنا دیا۔ آپ ان شاہوں کے تماشے دیکھ رہی ہیں۔ آپ کو کتنی بلندی پر چڑھایا گیا اور کتنی پستی میں پھینک دیا گیا ہے؟"

اختری نے اس سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر کہا۔ "تمہارے سر پٹخنے اور نادم ہونے سے میرا بھلا نہیں ہوگا۔ جو قیامت گزرنی تھی گزر چکی ہے۔"

وہ سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "آپ کی بے آبروئی کا صدمہ الگ ہے اور پستی میں گرنے کا صدمہ الگ۔ جب تک وہ ظالم اس کمرے میں نہیں آیا تھا۔ تب تک آپ ملکہ معظمہ تھیں۔ اب بادشاہ سلامت اور ان کی والدہ آپ کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکیں گے۔ پہلے میں آپ کی تعظیم کرتی تھی۔ اب کیسے کروں؟ آپ ہمارے برابر ہو گئی ہیں۔"

وہ بولی۔ "میرا ایک کام کرو۔ آکم مادر کے پاس جاؤ اور ان سے کہو۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتی ہوں۔"

"افسوس.... اب تو آپ انہیں آکم مادر بھی نہیں کہہ سکیں گی۔ آپ سے کوئی رشتہ

نہیں رہے گا۔ میں جاتی ہوں۔ آپ ان کی زبان سے اپنی قسمت کا فیصلہ سننا چاہتی ہیں۔ ٹھیک ہے۔ میں آپ کا پیغام وہاں تک پہنچاتی ہوں۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہاں سے چلتا ہوا دروازے تک آیا۔ پھر ٹھٹک گیا۔ ماہم بیگم خود ہی چلی آئی تھی۔ اس نے گہری سنجیدگی اور صدمے سے صبا روحی کو دیکھا۔ وہ جھک کر سلام کرنے لگا۔ اس نے اندر آ کر حکم دیا۔ "دروازہ بند کر دو۔"

صبا روحی نے باہر جاتے ہوئے دروازے کو بند کر دیا۔ ماہم بیگم نے گھور کر اختری کو دیکھا۔ وہ آہستگی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ دست بستہ ہو کر سر کو جھکا لیا۔ اس سے کچھ پوچھنا ضروری نہیں تھا۔ اس کی اجڑی ہوئی حالت اور پھٹا ہوا لباس کہہ رہا تھا کہ اب وہ پھٹی پرانی ہو گئی ہے۔ آئندہ سونے چاندی اور ہیرے جواہرات سے بھی زیادہ قیمتی پوتا پیدا کرے گی۔ تب بھی وہ قابل قبول نہیں ہوگا۔

ماہم بیگم آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ادھر آئی۔ جدھر ایک تھال پر شراب کی صراحی الٹی ہوئی تھی۔ شراب تھال اور میز پر سے بہتی ہوئی نیچے قالین کو بھگو رہی تھی۔ چاندی کے دو کٹورے رکھے ہوئے تھے۔ دوسرے تھال پر تازہ پھل تھے۔ اور انگور کے دانے دور تک بکھرے پڑے تھے۔

وہ پلٹ کر اختری کی طرف آتے ہوئے بولی۔ "وہ سوتیلا ہمارے پاس آیا تھا۔ اس نے دعویٰ کیا تھا کہ یہاں آ کر ملاوٹ کرے گا اور ہم دیکھ رہے ہیں' ملاوٹ ہو چکی ہے۔"

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اختری کے پیچھے سے گزرتے ہوئے بولی۔ "آئندہ تم ماں بننے کی خوشخبری سنانے آؤ گی تو ہمارا اور ہمارے بیٹے کا ایک ہی سوال ہوگا کہ کس کے بچے کی ماں بننے والی ہو؟"

وہ اسی طرح آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے سامنے آ کر بولی۔ "اور تم ماں ہو کر بھی صحیح جواب نہیں دے سکو گی کہ بچہ کس کا ہے؟ ہمارے حقیقی بیٹے کا یا سوتیلے بیٹے کا.....؟"

اختری نے کوئی جرم نہیں کیا تھا۔ لیکن مجرمانہ انداز میں سر جھکائے باتیں سن رہی تھی۔ آخر اس نے کہا۔ "آپ نے نجومیوں کی دو اہم پیشگوئیاں سنی تھیں۔ ایک تو یہ کہ میں آپ کے صاحبزادے کی صرف ایک رات کی دلہن بنوں گی اور آپ دیکھ رہی ہیں' یہی ہو رہا

ہے۔میری زندگی میں بادشاہ سلامت کے ساتھ ازدواجی رشتہ قائم کرنے والی کوئی دوسری رات نہیں آئے گی۔"

ماہم بیگم نے ناگواری سے کہا۔"ہم وہ دوسری رات آنے بھی نہیں دیں گے۔ایک کتا ہانڈی کو جھوٹا کر کے جا چکا ہے۔"

"خدا کرے آپ اپنے فیصلے پر قائم رہیں اور وہ دوسری رات نہ آنے دیں۔اس طرح نجومیوں کا کہا درست ثابت ہو جائے گا۔اسی طرح ان کی دوسری پیشگوئی بھی درست ہو گی۔انہوں نے کہا تھا کہ میں ایک رات گزارنے کے بعد ایک بیٹے کو یعنی آپ کے پوتے کو جنم دوں گی۔"

"تمہارے جیوتسی نے اور ہمارے نجومی نے یہ نہیں کہا تھا کہ تم ہمارے بیٹے کے بیٹے کو یعنی ہمارے پوتے کو جنم دو گی۔انہوں نے صرف یہ پیشگوئی کی تھی کہ تم ایک بیٹے کی ماں بنو گی۔یہ وضاحت نہیں کی گئی تھی کہ وہ بیٹا کس کا ہو گا؟تم نے جو ایک رات گزاری اس کا نتیجہ برآمد ہونے سے پہلے ملاوٹ ہو چکی ہے۔لہٰذا جب بھی ماں بننے کی خبر سناؤ گی تو وہ ملاوٹ کی خبر ہو گی۔"

وہ نفرت سے اُونہہ... کہہ کر پلٹ گئی۔وہاں سے جانے لگی۔اختری کو وہ'اُونہہ'ایسا لگا'جیسے'تھو..' کہا ہو۔دیکھا جائے تو وہ تھوک کر ہی جا رہی تھی۔وہ دروازے کے پاس رک کر بولی۔"تم نے خلوت میں دوسرے کے ساتھ منہ کالا کیا ہے۔لہٰذا ہمارے بیٹے کے ساتھ کیا ہوا نکاح ٹوٹ چکا ہے۔اب ہم سے تمہارا کوئی رشتہ نہیں رہا ہے۔تم پہلے کی طرح ایک ادنیٰ خادمہ بن کر بھی نہیں رہ سکو گی۔ابھی یہاں کا حکمران وہی ہے۔جس نے تمہیں کھرے سے کھوٹہ سکہ بنا دیا ہے۔جاؤ اس سے انصاف مانگو۔"

ماہم بیگم نفرت سے منہ پھیر کر دروازے پر ہاتھ مارا۔صبا روحی نے دروازہ کھول دیا۔وہ طنطناتی ہوئی چلی گئی۔اس کے جاتے ہی وہ اندر آکر بولا۔"میں پہلے ہی کہہ رہی تھی'یہ سب لوگ تمہیں نظروں سے گرا دیں گے۔تمہاری اہمیت ختم ہو چکی ہے۔"

وہ بولی۔"میں نے سنا ہے'بادشاہ سلامت یہاں آنے والے ہیں؟میں ایک بار ان سے ملنا چاہوں گی۔"

"یہ نادان خواہش ہے۔کبھی پوری نہیں ہو گی۔یہ مت بھولو کہ بادشاہ سے صرف تمہیں عشق ہوا تھا۔انہیں تم سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔جب نجومیوں نے ایک بیٹے کی پیشگوئی کی'تب انہوں نے تمہیں ایک رات کی ملکہ بنایا۔اب تمہارا ہونے والا بچہ متنازعہ ہو چکا ہے۔بادشاہ سلامت اسے کبھی خالص تسلیم نہیں کریں گے۔"

وہ قریب آکر بولا۔"میں نے یہاں کے بدلتے ہوئے رنگ اور بدلتے ہوئے حالات دیکھے ہیں۔یہاں سگے اور سوتیلے رشتے ایک دوسرے کے خلاف کیسی سازشیں کرتے ہیں؟کیسے منصوبے بناتے ہیں؟یہ میں کسی حد تک جانتی ہوں۔میری ایک بات لکھ لو۔بادشاہ سلامت آئندہ تم سے ملنا بھی گوارہ نہیں کریں گے۔"

اختری نے بڑے دکھ سے سر اٹھا کر دیکھا۔اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔وہ بولا۔"عشق میں مبتلا رہو گی تو ساری زندگی روتی رہو گی۔میرے ایک مشورے پر عمل کرو گی تو شائد کبھی بادشاہ سلامت کا دل جیت سکو گی۔"

اس نے تڑپ کر کہا۔"میں اپنے بادشاہ کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے کچھ بھی کرنے کو تیار ہوں۔مجھے بتاؤ کیا کرنا چاہیے؟"

وہ اسے سمجھانے لگا کہ ابھی کامران مرزا ایک عیاش کی حیثیت سے ہی سہی'اس پر مہربان ہو گیا ہے۔اس مہربان سے مل کر بظاہر بادشاہ سلامت کے خلاف بولنا چاہیے۔اس طرح شاہی محل میں قدم جمائے رکھنے کی کوشش کرنا چاہیے۔اگر وہ ایسا نہیں کرے گی'شاہی محل سے نکل جائے گی تو پھر کبھی بادشاہ سے ملنا تو دور کی بات ہے۔اسے دور سے بھی نہیں دیکھ سکے گی۔

ادھر کامران مرزا محل کے ایک حصے میں اپنے سپہ سالار سے باتیں کر رہا تھا۔سپہ سالار کہہ رہا تھا۔"پچھلے دو دنوں میں ہمارے لشکر کے پچیس سپاہی ہیضہ کا شکار ہو کر مر گئے ہیں۔یہ مرض ایک وباء کی طرح پورے لشکر میں پھیلتا جا رہا ہے۔یکے بعد دیگرے سپاہی مرتے جا رہے ہیں۔شہر کے تمام حکیموں'طبیبوں حتیٰ کہ عطاروں کی خدمات بھی حاصل کی جا رہی ہیں۔کسی کو افاقہ ہو رہا ہے اور کوئی راہی ملکِ عدم ہو رہا ہے۔اس وبائی مرض کے باعث لشکر میں خوف وہراس پھیلا ہوا ہے۔"

کامران مرزا نے کہا۔ ''یہ تو بہت ہی تشویش ناک مسئلہ پیدا ہو گیا ہے۔ ہمارے حساب سے برادر بادشاہ آگرے سے چل پڑا ہے۔ کل کسی وقت بھی اپنے لشکر کے ساتھ یہاں پہنچ سکتا ہے۔''

سپہ سالار نے کہا۔ ''مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے۔ موجودہ حالات میں ہمارا لشکر مستعد نہیں رہ سکے گا۔ اب تک پچیس سپاہی مر چکے ہیں اور سو سے زیادہ اس مرض میں مبتلا ہیں۔ ہر ایک داروغہ کی ماتحتی میں پانچ ہزار سپاہی ہوتے ہیں۔ ان میں سے دو داروغہ اپنے دس ہزار سپاہی لے کر لاہور سے باہر چلے گئے ہیں۔ تاکہ ہیضہ میں مبتلا ہونے والوں سے دور رہ سکیں۔''

کامران مرزا نے کہا۔ ''انہیں تمہارے حکم کے بغیر لشکر چھوڑ کر شہر سے باہر نہیں جانا چاہئے۔ ان سب کو فوراً واپس بلاؤ۔''

''اپنے سپاہیوں کی حفاظت اور سلامتی ہمارا فرض ہے۔ انہوں نے بغاوت نہیں کی ہے۔ صرف اپنی سلامتی کی خاطر شہر سے باہر گئے ہیں۔ تھوڑی دیر پہلے ایک اور داروغہ اور پانچ ہزار سپاہیوں کے جانے کی اطلاع ملی ہے۔ حکیموں اور اطباء کی کمی ہے۔ وہ پوری توجہ سے ہر مریض کا معائنہ نہیں کر پا رہے ہیں اور نہ ہی کوئی موثر دوا دے رہے ہیں۔ ان حالات میں سپاہیوں کا یہاں سے دور ہو جانا ہی بہتر ہے۔''

کامران مرزا پریشان ہو کر ٹہلنے لگا۔ تھوڑی دیر پہلے یہ اطلاع ملی تھی کہ عسکری مرزا اپنے آس پاس کے راجاؤں اور مہاراجاؤں کی بغاوتوں کو کچلنے میں مصروف ہے۔ فی الحال اپنا لشکر لے کر لاہور نہیں آ سکے گا۔

وہ پاؤں پٹختے ہوئے ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا۔ پھر ایک جگہ رک کر بولا۔ ''عسکری مرزا اپنا لشکر لے کر یہاں نہیں آ سکتا۔ اس طرح ہماری قوت آدھی رہ گئی ہے۔ لیکن موجودہ مرض پھیلنے سے ہماری قوت آدھی بھی نہیں رہی۔ ہمارے سپاہی جنگ لڑنے کے قابل نہیں ہیں۔ اب بولو..... ہمیں کیا کرنا چاہئے؟''

سپہ سالار نے کہا۔ ''بادشاہ سلامت یہ نہیں جانتے تھے کہ یہاں ان کے خلاف سازشیں ہو رہی ہیں۔ لہٰذا وہ یہاں آئیں گے اور ان کے خلاف اقدامات نہیں کیے جائیں

گے تو وہ بدستور آپ پر اعتماد کرتے رہیں گے۔ انہیں کسی طرح کا شبہ نہیں ہو گا۔''

سپہ سالار درست کہہ رہا تھا۔ لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ محل کے اندر کامران مرزا نے کتنی بڑی واردات کی ہے۔ ہمایوں کی عزت پر ہاتھ ڈالا ہے اور اس کے ہونے والے بچے کو متنازعہ بنا دیا ہے۔

یہ بات یقینی تھی کہ جیسے ہی ہمایوں یہاں آتا۔ ماہم بیگم اسے کامران مرزا کی کمینگی کی روداد سنا دیتی۔ اس کے بعد ہمایوں اسے کبھی زندہ نہ چھوڑتا۔

ایسے وقت اطلاع ملی کہ اس کا ایک مخبر ہمایوں کے لشکر سے نکل کر آیا ہے۔ اسے فوراً طلب کیا گیا۔ اس نے حاضر ہو کر فرشی سلام کرتے ہوئے کہا۔ ''حضور کا اقبال بلند ہو۔ ایک بری خبر یہ ہے کہ میرا مخبر ساتھی گرفتار ہو گیا ہے۔ وہ آدھی رات کے بعد چپ چاپ لشکر سے نکل کر یہاں آنا چاہتا تھا۔ لیکن سپاہیوں نے اسے گرفتار کر لیا تھا۔''

کامران مرزا نے پریشان ہو کر کہا۔ ''اس کا مطلب ہے' اس مخبر کے ذریعے ہماری سازشوں کا بھید کھل جائے گا؟''

مخبر نے کہا۔ ''عالی جاہ! پورے ٹھوس ثبوت کے ساتھ بھید کھلے گا۔ کیونکہ شیر خان سوری نے جو پیغام آپ کے نام دیا تھا۔ وہ اسی کی تحویل میں تھا۔ وہ پیغام اب تک بادشاہ ہمایوں کے ہاتھ لگ چکا ہو گا۔''

کامران مرزا نے غصے سے آگے بڑھ کر ایک الٹا ہاتھ مخبر کے منہ پر رسید کرتے ہوئے کہا۔ ''تم سب نمک حرام ہو۔ صرف تلوار چلانا جانتے ہو۔ عقل سے کام لینا نہیں جانتے۔''

پھر وہ سپہ سالار سے بولا۔ ''یہ برادر بادشاہ جتنا بدبخت ہے۔ اتنا ہی خوش بخت بھی ہے۔ ادھر سے شیر خان سوری... ادھر سے ہم اسے توڑنے کی کوششیں کر رہے ہیں۔ مگر وہ ٹوٹ نہیں رہا ہے۔ اس کی خوش بختی دیکھو کہ یہاں آ کر نقصان اٹھانے سے پہلے ہی اسے ہماری سازشوں کا علم ہو گیا ہے۔''

''ان حالات میں ہماری بہترین حکمت عملی یہی ہو گی کہ ہم بیمار سپاہیوں کو یہاں چھوڑ دیں اور تمام صحت مند سپاہیوں کو لے کر جہاں پناہ عسکری مرزا سے جا ملیں۔ بعد میں اپنی اور بادشاہ سلامت کی جنگی قوتوں کا موازنہ کر کے فیصلہ کیا جائے کہ آئندہ ہمیں کرنا کیا ہے؟''

کامران مرزا تھوڑی دیر تک سوچتا رہا۔ پھر بولا۔ ''اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ بیمار سپاہیوں کو یہاں چھوڑ دو اور اپنا لشکر لے کر یہاں سے نکلو۔''

وہ جھنجھلا کر اپنی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔ ''پھر یہی کہنا پڑتا ہے کہ برادر بادشاہ خوش بخت ہے۔ ہم نے اس سے آگرہ خالی کروایا۔ اب ہم اس کے آگے لاہور خالی کرنے پر مجبور ہیں۔''

سپہ سالار حکم کی تعمیل کے لئے چلا گیا۔ وہ غصے سے ادھر ادھر ٹہلنے لگا۔ کوئی تدبیر سوچنے لگا کہ آئندہ کس طرح ہمایوں کو کمزور بنا کر لاہور سے بھی بھاگنے پر مجبور کیا جائے؟

ایسے ہی وقت ایک اُردا بیگنی نے آ کر عرض کیا۔ ''اختری بیگم ایک بار ملاقات کرنے کی خواہش مند ہیں۔''

کامران مرزا اختری کا نام سنتے ہی سوچنے لگا۔ ''ہاں۔ برادر بادشاہ کی ایک کمزوری ہمارے ہاتھ میں ہے۔ ہم کوشش کریں گے تو اختری کے ذریعے اسے کمزور بنا سکیں گے۔''

اس نے کچھ سوچنے کے بعد کہا۔ ''اسے حاضر کیا جائے۔''

وہ سلام کرتی ہوئی الٹے قدموں وہاں سے چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد اختری دروازے پر آئی۔ جھک کر فرشی سلام کرنے کے بعد بولی۔ ''آپ حاکم ہیں۔ ہماری زندگیوں کے مالک ومختار ہیں۔ آپ کے سامنے ایک فریادی بن کر آئی ہوں۔''

وہ اسے دیکھ رہا تھا اور اپنے طور سے سوچ رہا تھا۔ اس نے کہا۔ ''بولو..... کیا فریاد ہے؟''

وہ بولی۔ ''بادشاہ سلامت کی والدہ محترمہ نے مجھ سے رشتہ توڑ لیا ہے۔ اب نہ میں ان کی بہو [illegible] دں گی اور ہی وہ میرے ہونے والے بچے کی متمنی رہیں گی۔''

''جب تم امید سے نہیں ہو تو پھر یہ کیوں کہتی ہو کہ کسی بچے کو جنم دے کر ماں بننے والی ہو؟''

''مجھے اپنی جیوتشی کی پیش گوئی پر پورا یقین ہے۔ میں آئندہ ماں بنوں گی۔ ایک بیٹے کو جنم دوں گی۔''

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ ''کس کے بیٹے کو.....؟''

اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ پھر نظریں جھکاتے ہوئے کہا۔ ''بچہ کسی کا بھی ہو اسے نہ تو آپ قبول کریں گے اور نہ ہی بادشاہ سلامت..... میں تو گھر کی رہی نہ گھاٹ کی.....''

وہ اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ ''ہم چاہیں تو یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ وہ بچہ صرف برادر بادشاہ کا ہے۔ اس میں کوئی ملاوٹ نہیں ہوئی ہے۔''

اختری نے ایکدم سے چونک کر اسے دیکھا۔ اس نے پوچھا۔ ''تم یہی چاہتی ہو ناں.....؟''

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ ''میں اپنے بچے کو گالی نہیں بنانا چاہوں گی۔ اسے ایک باپ کا نام ملنا چاہئے۔''

وہ پلٹ کر اس سے دور جاتے ہوئے بولا۔ ''ہم بچے کو ہی نہیں۔ تمہیں بھی بدنامی سے بچائیں گے۔ ہمارا بیان ہوگا کہ تم برادر بادشاہ کی پاکباز بیوی ہو۔ ہم نے تمہیں ہاتھ بھی نہیں لگایا۔''

وہ بولی۔ ''بادشاہ کی آکم مادر نے بہت کچھ سنا ہے۔ اپنی آنکھوں سے میری خوابگاہ میں آ کر بہت کچھ دیکھا ہے۔ وہاں بہکانے والی شراب تھی' آپ کی دیوانگی نے میرے کپڑے پھاڑ ڈالے تھے۔ خود آپ نے ان کے روبرو اپنی زبان سے یہ دعویٰ کیا تھا کہ مجھے پاک دامن نہیں رہنے دیں گے۔ جس ہانڈی میں ایک ہی چیز پک رہی تھی۔ اس میں کھچڑی پکا دیں گے۔''

''ہمارا یہ دعویٰ صرف آکم مادر نے سنا ہے۔ کسی اور نے نہیں سنا ہے۔ ایک خوابگاہ میں تمہارے لٹنے کا منظر صرف آکم مادر کو ہی معلوم ہے۔ کوئی اور اس بات کا گواہ نہیں ہے۔ باہر جتنی اُردا بیگنیاں پہریدار ہیں۔ وہ سب ہماری وفادار اور رازدار ہیں۔ ہمارے حکم کے مطابق وہ سب ہی تمہاری پاک دامنی کی قسمیں کھائیں گی۔''

وہ اس سے ذرا دور ہوتے ہوئے بولا۔ ''ہم ابھی جا رہے ہیں۔ لیکن یہ تحریری بیان دے کر جائیں گے کہ آکم مادر تمہاری ساس ہیں اور ساس بہو میں کبھی نہیں بنتی۔ وہ تم پر جھوٹے الزامات عائد کر رہی ہیں۔ ہم قسم کھا کر کہیں گے کہ برادر بادشاہ کی زوجہ کو دور سے

دیکھا ہے۔اسے ہاتھ تک نہیں لگایا۔"

وہ ذرا دور جا کر پلٹ گیا۔پھر وہ بولا۔"بے شک۔ برادر بادشاہ اپنی ماں کی بات پر اندھا اعتماد کرتے ہیں۔لیکن ایمان والے بھی ہیں۔وہ تمہاری اور ہماری قسموں کو نظر انداز نہیں کریں گے۔جب یہ معلوم ہوگا کہ تم نے ایک بیٹے کو جنم دیا ہے تو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی یہ سوچنے پر مجبور ہوتے رہیں گے کہ بیٹا ان کا ہی ہے۔تم اُن چھوٹی تھیں اور ہو۔تمہیں کسی نے میلا نہیں کیا ہے۔"

وہ آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔"ہماری کوشش ہوگی کہ آئندہ برادر بادشاہ کی کسی منکوحہ سے کوئی اولاد نہ ہو۔جب وہ اولاد سے محروم رہیں گے تو دل تمہارے ہی بیٹے کی طرف دل کھنچتا رہے گا۔"

ایسے ہی وقت گل رخ بیگم آ گئی۔اس نے پوچھا۔"آپ اچانک کیسے آ گئیں؟"

وہ پریشان ہو کر بولی۔"ہمارا بیٹا عسکری مرزا راجاؤں مہاراجاؤں سے تنہا جنگ لڑ رہا ہے۔تمہیں فوراً اس کی مدد کے لئے جانا چاہیے۔"

گل رخ بیگم بول رہی تھی اور چبھتی ہوئی نظروں سے اختری کو بھی دیکھ رہی تھی۔پھر وہ آگے بڑھتے ہوئے بولی۔"یہاں آ کر معلوم ہوا' تمہارے لشکر کے سپاہی ہیضہ میں مبتلا ہو رہے ہیں اور اچھی خاصی تعداد میں مرتے جا رہے ہیں۔"

پھر وہ اختری کو دیکھ کر بیٹے سے بولی۔"ہم یہاں ضروری باتیں کرنے آئے ہیں۔کیا تم اسے جانے کے لئے نہیں کہہ سکتے؟"

اس نے قریب آ کر ماں کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔"موجودہ حالات میں یہ لڑکی ہمارے لئے بہت ضروری ہو گئی ہے۔ہم اب تک یہی سمجھ رہے تھے کہ برادر بادشاہ گردش میں ہے۔لیکن نہیں۔ہم سب گردش میں ہیں۔ہمیں جلد سے جلد یہاں سے فرار ہونا ہے۔لیکن آپ اس لڑکی کے ساتھ یہاں رہیں گی۔ہمیں ایک نئی بازی شروع کرنی ہے اور وہ بازی کیا ہے؟ ہم ابھی آپ کو سمجھاتے ہیں۔"

وہ اپنی ماں سے بولنے لگا۔اختری اپنے بادشاہ ہمایوں کے خلاف کسی سازش میں شریک ہونا نہیں چاہتی تھی۔لیکن خوش دامن نے خلاف محاذ آرائی لازی ہو گئی تھی۔آئندہ

ساس سے جنگ جاری رکھ کر ہی اس کے بیٹے کو حاصل کر سکتی تھی۔اگر وہ ایک رات کے بعد حاصل نہ بھی ہوتا تو وہ اپنے بچے کو کسی نہ کسی طرح اس کا بیٹا ثابت کر کے ہی رہتی۔

عورت اگر دل میں ٹھان لے تو مرد کو پہاڑ کھودنے اور دودھ کی نہر نکالنے پر مجبور کر دیتی ہے۔

☆☆☆

ہمایوں نے اپنے لشکر کے ساتھ جالندھر کے قریب پڑاؤ ڈالا تھا۔وہ رات وہیں گزاری جا رہی تھی۔ دور تک خیمے نصب تھے۔وہ عین وقت پر اپنے سوتیلے بھائیوں کی سازشوں سے واقف ہو گیا تھا۔اب اس مقام پر پہنچ گیا تھا کہ نہ آگرے واپس لوٹ سکتا تھا' نہ لاہور کی طرف سفر کر سکتا تھا۔نہ گھر کا رہا تھا، نہ گھاٹ کا۔

وہ کابل سے لے کر ہندوستان میں آگرہ تک حکومت کرنے والا بادشاہ بے گھر ہو کر ایک خیمے میں رات گزار رہا تھا۔اس کا مخبر دوسرے دن لاہور سے واپس آ کر وہاں کے صحیح حالات بتانے والا تھا۔اس کے بعد ہی وہ آگے بڑھ سکتا تھا۔

وہ میدان جنگ سے فرار ہونے کے بعد بھٹکتا ہی رہا تھا۔آگرے کے محل میں پہنچنے کے بعد بھی سکون نہیں ملا تھا۔کسی نہ کسی معاملے میں الجھا رہا تھا۔جب حالات بری طرح تھکا مارتے ہیں تو ہزاروں فکر و پریشانیوں کے باوجود کانٹوں پر بھی نیند آ جاتی ہے۔محلوں میں جو نیند روٹھی ہوئی تھی' وہ کھلے میدان میں ایک خیمے کے اندر آ گئی تھی اور وہ گہری نیند میں خواب دیکھ رہا تھا۔

ہرے بھرے باغ میں ایک حسینہ دکھائی دے رہی تھی۔رنگ برنگے پھولوں کے درمیان بڑے ناز و انداز سے چل رہی تھی۔اس کی چال میں ایسی دلربائی تھی کہ بدن کے کتنے ہی زاویے ہمایوں کو پکارنے لگے تھے۔

وہ بے اختیار اس کی طرف کھنچا جا رہا تھا۔وہ گنگنا رہی تھی۔رقص کے انداز میں کبھی گھوم رہی تھی۔کبھی جھوم رہی تھی۔دیکھنے والے کے اندر دھوم مچا رہی تھی۔ایسا لگتا تھا' اس حسینہ کے وجود سے یہ دنیا رنگین ہو گئی ہے۔وہ اپنی رفتار بڑھاتا ہوا' تیزی سے چلتا ہوا اس کے قریب پہنچا تو ایک دم سے ٹھٹک گیا...وہ کوئی اور نہیں.....اختری تھی۔

اس نے حیرانی سے پوچھا۔ ''تم .....؟ یہ تم ہو....؟''

وہ مسکرا کر بولی۔ ''ہاں۔ میں ہوں۔ ایک طویل مدت سے اپنے بادشاہ کا انتظار کر رہی ہوں۔''

''تم نے ہم سے صرف ایک رات مانگی تھی۔ ہم نے وہ رات دے دی۔ پھر کیوں انتظار کر رہی ہو؟''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ ''ایک خواہش کے بعد دوسری خواہشیں سر اٹھاتی چلی جاتی ہیں۔ میں دل سے مجبور ہو کر انتظار کرتی رہتی ہوں۔ شائد کبھی آپ سے سامنا ہو جائے' شائد کبھی آپ میری محبت میں کھنچے چلے آئیں۔''

وہ اسے بڑی چاہت سے' بڑی لگاوٹ سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا۔ ''تم پہلے اتنی حسین نہیں تھیں۔ یہ حسن کی رعنائی' یہ شباب کی دلکشی تمہارے اندر کہاں سے آ گئی؟''

اس نے پوچھا۔ ''کیا آپ جانتے ہیں' دنیا کی سب سے حسین عورت کون ہوتی ہے؟''

''وہی ہوتی ہے جو آنکھوں سے اتر کر دل میں سما جائے۔''

وہ بولی۔ ''ایسی حسین عورت کسی ایک ہی کے دل میں سماتی ہے۔ لیکن وہ عورت جو ساری دنیا کو حسین لگتی ہے۔ وہ کون ہے؟''

''پہیلی نہ بجھواؤ۔ ہمیں بتاؤ' تم کہنا کیا چاہتی ہو؟''

وہ ایک قدم آگے بڑھ کر بولی۔ ''جو عورت ساری دنیا کو حسین لگتی ہے۔ وہ ہے... ماں..... عورت ماں بن کر دنیا کی سب سے حسین اور سب سے اہم عورت بن جاتی ہے۔ میں بھی پہلے سے زیادہ حسین اس لئے نظر آ رہی ہوں کہ ماں بن چکی ہوں۔''

ہمایوں نے دوسرے ہی لمحے میں دیکھا۔ اختری کے دونوں ہاتھوں میں ایک خوبصورت ننھا منا سا بچہ قلقاریاں مار رہا تھا۔ اپنے ننھے ننھے ہاتھ پاؤں اس طرح مار رہا تھا' جیسے اس کی گود میں آنا چاہتا ہو۔ وہ بولی۔ ''اسے میں نے جنم دیا ہے۔ یہ آپ کا بیٹا ہے۔''

ہمایوں نے حیرت اور مسرت سے بچے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا نجومیوں کی پیشگوئی درست ثابت ہو گئی ہے؟''

وہ فخر سے بولی۔ ''ان کی پیشگوئی جیتی جاگتی صورت میں آپ کے سامنے ہے۔ کیا آپ اسے چھونا نہیں چاہیں گے؟''

وہ خوش ہو کر بولا۔ ''ہاں۔ ہم اسے چھونا چاہتے ہیں۔''

''کیا آپ اسے چومنا نہیں چاہیں گے؟''

''بے شک۔ ہم اسے سینے سے لگا کر چومنا چاہتے ہیں۔''

اختری نے بچے کو اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''گر قبول اُفتد۔ زہے عز و شرف۔ یہ میرے پاس آپ کی امانت تھا۔ اسے قبول کریں۔''

اس نے بچے کو لینے کے لئے اپنے دونوں ہاتھ بڑھائے۔ ایسے ہی وقت تیز آندھی چلنے لگی۔ کسی کا قہقہہ سنائی دیا۔ کوئی سیاہ لبادے میں لپٹا ہوا' ہوا کے جھونکے کی طرح آیا۔ پھر اس بچے کو اختری سے چھینتا ہوا ان دونوں کے درمیان سے گزرتا ہوا اتنی تیز رفتاری سے جانے لگا کہ ہمایوں لپک کر اسے روک نہ سکا۔ وہ حد نظر سے آگے نکل کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ دور کہیں سے آواز آنے لگی۔

''ہمایوں! یہ تمہارا نہیں۔ ہمارا بیٹا ہے۔ اسے ہم لے جا رہے ہیں۔''

اختری رو رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔ ''بادشاہ سلامت! یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ وہ بیٹا آپ کا ہے۔ آپ اسے واپس لے آئیں۔''

''شائد یہ ہمارا نہیں تھا۔ اس لئے ہم سے چھین لیا گیا ہے۔''

اختری نے کہا۔ ''اگر کوئی دشمن آپ سے مغل خاندان کا تخت و تاج چھین لے گا تو کیا آپ یہی کہیں گے کہ وہ تخت و تاج آپ کا نہیں تھا اس لئے چھین لیا گیا؟ کسی دشمن نے آپ کا بیٹا چھین لیا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ آپ کے لہو سے نہیں ہے۔''

پھر ہمایوں نے دور کہیں سے ایک بچے کی آواز سنی۔ وہ رو رہا تھا اور چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ ''بابا حضور! ہم آپ کا لہو ہیں۔ ہمیں پانی نہ کریں۔ ہم آپ کا لہو ہیں۔ ہمیں پانی نہ کریں۔''

اچانک ہمایوں نے آنکھیں کھول دیں۔ خواب کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ اس نے خود کو ایک خیمے کے اندر آرام دہ بستر پر پایا۔ سوچنے لگا۔ ''یہ کیسا خواب تھا؟ ہم نے ایسا خواب کیوں دیکھا ہے؟''

وہ سوچنے لگا۔ یاد کرنے لگا۔ اس کے بزرگ کہا کرتے تھے۔ خواب ایک طرح کی آگہی ہوتی ہے۔ ہم جو کچھ خوابوں میں دیکھتے ہیں۔ ان کی تعبیر کسی نہ کسی صورت سے کسی نہ کسی حوالے سے ہمیں ملتی رہتی ہے۔

دن نکل آیا تھا۔ دھوپ کی تمازت سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ سورج سر پر آ گیا ہے اور وہ اب تک خلاف معمول گہری نیند سوتا رہا تھا۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ وہ دشمن سے شکست اور بھائیوں سے فریب کھا رہا تھا۔ در بدر کا ہو رہا تھا۔ آگرے اور لاہور کے درمیان آ کر اٹک گیا تھا۔ ان حالات میں اسے اپنی شکست اور پریشانیوں کے حوالے سے کوئی خواب دیکھنا چاہئے تھا۔ لیکن اس نے اختری کو کیوں دیکھا؟

وہ اختری کے ساتھ ایک رات گزارنے کے بعد تقریباً اسے بھلا چکا تھا۔ حالات اس طرح سے الجھا رہے تھے کہ کسی کو یاد کرنے کی فرصت ہی نہیں مل رہی تھی۔ اس معمولی لڑکی کی اہمیت صرف اس لئے تھی کہ وہ نجومیوں کی پیشگوئی کے مطابق ایک بیٹے کو جنم دینے والی تھی۔

ہمایوں نے سر کو یوں جھٹکا' جیسے اپنے اندر سے اختری کو جھٹک کر باہر نکال رہا ہو۔ ابھی اس کے بدترین حالات اجازت نہیں دے رہے تھے کہ وہ ہونے والے تخت کے وارث کے متعلق سوچتا۔ جبکہ تخت و تاج خود اس کے ہاتھوں سے چھوٹا جا رہا تھا۔

وہ خیمے سے باہر آیا تو سپہ سالار فوراً ہی حاضر ہو کر کورنش بجا لایا۔ پھر عرض کیا۔ ''ظل سبحانی کا اقبال بلند ہو۔ خوش بختی آپ کے قدم چوم رہی ہے۔ مخبر لاہور سے بہت بڑی خوشخبری لے کر آیا ہے۔''

بادشاہ نے کہا۔ ''تمہید نہ باندھو۔ فوراً خبر سناؤ۔''

سپہ سالار نے کہا۔ ''شائد آپ کے برادر کامران مرزا کو یہ معلوم ہو چکا ہے۔ کہ شیر خان سوری کا لکھا ہوا خط پکڑا گیا ہے اور ان کی سازشوں کا بھانڈا پھوٹ چکا ہے۔ اس لئے وہ لاہور چھوڑ کر اپنے لشکر کے ساتھ عسکری مرزا کی طرف جا رہے ہیں۔ یوں اچانک لاہور چھوڑنے کی دو وجوہات ہیں۔ ایک تو یہ کہ عسکری مرزا راجاؤں اور مہاراجاؤں کے

درمیان تنہا جنگ لڑ رہے ہیں۔ انہیں مزید فوجی کمک کی ضرورت ہے۔''

بادشاہ نے پوچھا۔ ''دوسری وجہ بیان کرو۔''

اس نے کہا۔ ''شہر لاہور میں ہیضے کی وباء پھیلی ہوئی ہے۔ تقریباً سو سے زیادہ سپاہی اس مرض میں مارے گئے ہیں اور سو سے زیادہ اب بھی اس مرض میں مبتلا ہیں۔ کامران مرزا اپنے باقی صحت مند سپاہیوں کی سلامتی اور بہتری کے لئے اور بھائی کی مدد کے لئے بیمار سپاہیوں سے انہیں دور لے جا رہے ہیں۔''

بادشاہ نے کہا۔ ''پھر تو واقعی لاہور خالی ہے۔ وہاں ہمارا راستہ روکنے والا کوئی نہیں ہے۔ کیا ہمیں مخبر کے بیان پر بھروسہ کرنا چاہئے؟''

''بے شک۔ یہ مخبر برسوں سے آپ کا جانثار اور وفادار رہا ہے۔ آپ اس پر بھروسہ کر سکتے ہیں۔''

بادشاہ نے کہا۔ ''تو پھر فوج کو ابھی کوچ کا حکم دو۔ ہم جلد سے جلد لاہور پہنچنا چاہتے ہیں۔''

فوراً ہی حکم کی تعمیل کی گئی۔ بادشاہ ہمایوں کے کھانے پینے کے بعد پورا لشکر وہاں سے روانہ ہو گیا۔ پھر مسلسل چلتا ہوا۔ منزلیں طے کرتا ہوا۔ دوسری صبح سے پہلے لاہور کے مضافات میں پہنچ گیا۔ لشکر میں بھاری بھرکم توپیں تھیں۔ جنھیں کھینچ کر لے جانا پڑتا تھا۔ ان توپوں کی وجہ سے رفتار سست ہو جاتی تھی۔ اس لئے وہ کچھ دیر سے لاہور پہنچے..... مگر پہنچ گئے۔

سپہ سالار نے چند گھڑ سوار شاہی محل کی طرف دوڑائے۔ تاکہ وہاں کی صحیح صورت حال معلوم ہو سکے۔

جلد ہی ان گھڑ سواروں نے واپس آ کر بتایا کہ وہاں نہ کامران مرزا ہے' نہ اس کا لشکر ہے۔ تمام امراء اور اراکینِ سلطنت بادشاہ ہمایوں کے استقبال کے لئے آ رہے ہیں۔

ان امراء اور اراکینِ سلطنت نے بڑی گرم جوشی سے اور بڑے ہی والہانہ انداز میں ان کا استقبال کیا۔ وہ اپنے ساتھ ناچنے گانے والوں کی ٹولیاں لے کر آئے تھے۔ شادیانے بجائے جا رہے تھے اور ہمایوں بادشاہ پر پھولوں کی بارش ہو رہی تھی۔

امراء میں سے ایک نے سر جھکا کر کہا۔ ''ہم کامران مرزا کے مطیع وفرمانبردار نہیں رہے ہیں۔ آپ کی اطاعت قبول کر رہے ہیں۔ آپ ہمیں جان کی امان دیں۔ دربارِ شاہی میں ہمارا جو مرتبہ ہے۔ اسے قائم رہنے دیں۔''

ہمایوں بادشاہ نے کہا۔ ''ہم نے جان کی امان دی۔ آپ سب کا مرتبہ اسی طرح سے قائم رہے گا۔ لیکن آپ لوگ ہمارے خاص آدمیوں کی نگرانی میں رہیں گے۔ اگر کوئی بھی غداری یا سازش کرتا ہوا پکڑا گیا تو اسے زندہ دفن کر دیا جائے گا۔''

جب وہ باجے گاجے اور دھوم دھام کے ساتھ شاہی محل میں پہنچا تو ماہم بیگم نے خوش ہو کر تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے بیٹے کو گلے سے لگا لیا۔ اس کی پیشانی کو چومتے ہوئے کہا۔ ''ہمارے لختِ جگر پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ سات پیروں کا سایہ ہے۔ دشمنوں نے ہمیں تباہ و برباد کرنے کی انتہا کر دی۔ اب خود ہی برباد ہو رہے ہیں۔ کامران مرزا منہ چھپا کر فرار ہو گیا ہے۔ لعنت ہے اس پر.....''

ہمایوں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ ان سے کچھ دور گل رخ بیگم اور اختری سر جھکائے کھڑی ہوئی تھیں۔ ماہم بیگم نے انہیں غصے سے دیکھتے ہوئے بیٹے سے کہا۔ ''پہلے تم ہماری خوابگاہ میں چلو۔ تم سے بہت ضروری باتیں کرنی ہے۔ تمہیں یہاں کے بارے میں ایسی باتیں معلوم ہوں گی جس کی تم توقع بھی نہیں کر سکتے۔''

اختری نے بادشاہ کو محبت اور رحم طلب نظروں سے دیکھا۔ اس کا چہرہ اس کی آنکھیں التجا کر رہی تھیں۔ ''میرے بادشاہ! ہم بھی تو پڑے ہیں راہوں میں۔ ہم بھی شرف باریابی چاہتے ہیں۔ ہمیں بھی صفائی پیش کرنے کا موقع دیا جائے۔''

وہ اپنی والدہ کے ساتھ وہاں سے گزرتا ہوا ان کے سامنے ذرا رک گیا۔ پھر گل رخ بیگم کو سلام کرتے ہوئے بولا۔ ''آپ کی عزت اور احترام ہم پر لازم ہے۔ کیونکہ آپ فردوس مکانی کی بیوہ ہیں۔ لیکن یہ کتنی شرم ناک بات ہے کہ آپ ایک غدار اور مفرور بیٹے کی ماں بھی ہیں۔''

گل رخ بیگم نے کہا۔ ''بادشاہ سلامت کا اقبال بلند ہو۔ انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ ہمیں بھی صفائی کا موقع دیا جائے۔''

''انصاف کا تقاضہ یقیناً پورا ہو گا۔ ہم آپ کا بیان سننے کے لئے ضرور آپ کو طلب کریں گے۔''

اختری کو دیکھ کر اسے اپنا خواب یاد آ گیا تھا۔ اس نے کہا۔ ''تمہیں ہماری آکم مادر کے ساتھ رہنا چاہئے۔ لیکن ہمارے دشمن کی والدہ کے ساتھ کھڑی ہو؟ ایک اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہاں محاذ آرائی ہو رہی ہے۔ ہم دیکھیں گے کہ کیا ہو رہا ہے؟''

وہ جواب میں کچھ کہنا چاہتی تھی۔ اس سے پہلے ہی وہ اس کے آگے سے گزرتا ہوا۔ ماہم بیگم کے ساتھ اس کی خوابگاہ میں چلا گیا۔ گل رخ بیگم نے اس کے شانے کو تھپکتے ہوئے کہا۔ ''فکر نہ کرو۔ ہمایوں انصاف پسند ہے۔ وہ ہمیں اور تمہیں بولنے کا موقع ضرور دے گا۔''

اختری نے کہا۔ ''میرا دل بری طرح گھبرا رہا ہے۔ پتہ نہیں' ان کی والدہ بند کمرے میں میرے خلاف کیسی آگ لگائیں گی؟''

''صرف لگائیں گی نہیں... بھڑکائیں گی بھی... تمہارے خلاف بھی اور ہمارے خلاف بھی....''

اختری نے کہا۔ ''مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ لیکن آپ کی موجودگی سے حوصلہ بھی مل رہا ہے۔ یہاں کھڑے رہنا آپ کی شان کے خلاف ہے۔ لیکن میری خاطر کھڑی ہوئی ہیں۔''

''تم ہمارا ساتھ دے رہی ہو۔ ہم تمہارا ساتھ دے رہے ہیں۔ ہمارے باہمی اتحاد سے ہی بگڑی ہوئی باتیں بن سکیں گی۔''

''درست فرماتی ہیں۔ لیکن آپ کا اس طرح کھڑے رہنا اچھا نہیں لگ رہا ہے۔ مجھ پر تو ظلم ہو رہا ہے۔ میں یہاں فریادی کی حیثیت سے ہوں۔''

گل رخ بیگم نے کہا۔ ''ہم بھی بیٹے کی خاطر معافی کے طلب گار ہیں۔ اس لئے فریادی بن کر یہاں موجود ہیں۔''

وہ بڑی دیر تک وہاں کھڑی رہیں۔ پھر دو اُردا بیگنیوں کو اندر طلب کیا گیا۔ وہ اندر پہنچ کر فرشی سلام پیش کر کے ایک طرف کھڑی ہو گئیں۔ ہمایوں بہت ہی غیض وغضب میں دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے سخت لہجے میں کہا۔ ''تم سے جو پوچھا جائے' اس کا سچ سچ

جواب دو گی۔ ایک ذرا سا جھوٹ تمہیں جہنم میں پہنچا دے گا۔‘‘

انہوں نے بادشاہ کے سامنے گھٹنے ٹیک کر سر جھکا لئے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔’’ہم خاندان تیموریہ کی نمک خوار ہیں۔ فردوس مکانی کے زمانے سے یہاں خدمات انجام دے رہی ہیں اور ہمیشہ بادشاہ وقت کی وفادار رہی ہیں۔ جب آپ یہاں نہیں رہتے۔ کسی بھائی کو قائم مقام بنا کر جاتے ہیں تو ہم آپ کے اس بھائی کی وفادار بن کر رہتی ہیں۔ جب آپ آتے ہیں اور وہ جاتے ہیں تو خدا گواہ ہے' ہماری وفاداری صرف اور صرف آپ کے لئے ہوتی ہے۔‘‘

بادشاہ نے کہا۔’’تو پھر ایک وفادار اور نمک خوار کی زبان سے سچ سچ بولو۔ کیا کامران مرزا اختری بیگم کی خوابگاہ میں گیا تھا؟‘‘

دوسری نے کہا۔’’میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتی ہوں۔ حضور کے برادر اختری بیگم کی خوابگاہ کے دروازے تک گئے تھے۔ انہوں نے اندر قدم نہیں رکھا۔ باہر سے ہی چند کلمات ادا کئے پھر واپس چلے گئے۔‘‘

ماہم بیگم نے غصے سے چیختے ہوئے کہا۔’’یہ جھوٹی ہے۔ مکار ہے۔ قسمیں کھا رہی ہے۔ مگر جھوٹ بول رہی ہے۔‘‘

ماہم بیگم نے آگے بڑھ کر اس اُردا بیگنی کو ایک زور کی لات ماری۔ ہمایوں نے ماں کا بازو تھام کر کہا۔’’آکم مادر! خدا کے لئے غصہ برداشت کریں۔ اس وقت ہم بادشاہ ہیں۔ صرف آپ کے بیٹے نہیں ہیں۔ ہمیں انصاف کا تقاضہ پورا کرنے دیں۔ آئندہ آپ ہمارے محاسبے کے دوران کچھ نہیں بولیں گی۔‘‘

وہ پیچھے ہٹ کر اپنے تخت پر بیٹھ گئی۔ دونوں اُردا بیگنیوں نے اپنی تلواریں نیام سے نکال کر بادشاہ کے قدموں میں رکھ دیں۔ پھر کہا۔’’جہاں پناہ! ہمارے جسم و جان کے مالک ہیں۔ ہمارا سر قلم کر دیں۔ لیکن جو سچ ہے' ہم وہی بولیں گی۔ سچ کے سوا کچھ نہیں بولیں گی۔‘‘

ہمایوں نے انہیں سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ پھر کہا۔’’ہماری آکم مادر کا بیان ہے' اختری بیگم کی خوابگاہ میں شراب پہنچائی گئی تھی اور کامران مرزا کے وہاں جاتے ہی دروازہ بند کر دیا گیا تھا۔‘‘

ایک اُردا بیگنی نے کہا۔’’اگر حضور کی والدہ محترمہ نے اپنی آنکھوں سے کامران مرزا کو اندر جاتے ہوئے اور اس دروازے کو بند ہوتے ہوئے دیکھا ہے تو پھر ہم ان کے بیان کو نہیں جھٹلائیں گی۔ سچ بولنے کے باوجود سزا پائیں گی۔‘‘

ہمایوں نے اپنی والدہ کی طرف دیکھا۔ ماہم بیگم نے کہا۔’’کامران مرزا نے ہمیں اس خوابگاہ میں قیدی بنا کر رکھا تھا۔ ہم باہر نہیں جا سکتے تھے۔ اس لئے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا ہے۔ لیکن بعد میں اختری کی خوابگاہ میں جا کر دیکھا تھا۔ وہاں شراب کی صراحی رکھی ہوئی تھی۔‘‘

ایک اُردا بیگنی نے کہا۔’’صراحی نہیں تھی۔ بوتل تھی۔‘‘

ماہم بیگم نے کہا۔’’تم بہت جھوٹی ہو۔ صراحی کو بوتل کہہ رہی ہو۔ چلو بوتل ہی سہی مگر وہ شراب کی بوتل تھی۔‘‘

اُردا بیگنی نے کہا۔’’میں قسم کھا کر کہتی ہوں۔ وہ شراب کی نہیں سرکے کی بوتل تھی۔ شہر میں ہیضہ پھیلا ہوا ہے۔ اختری بیگم کھانے کے ساتھ سرکہ استعمال کرتی ہیں۔ وہ بوتل ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی تھی۔ تمام سرکہ قالین پر بہہ گیا تھا۔ جہاں پناہ وہاں جا کر خود معائنہ کر سکتے ہیں۔ سرکے اور شراب کا فرق صاف ظاہر ہو جائے گا۔‘‘

اس نے کہا۔’’ہمارے خاص بزرگ طبیب کو بلایا جائے۔ ہم ان کے ساتھ معائنے کے لئے جائیں گے۔‘‘

اس کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ بیگمات اپنے کمروں میں چلی گئیں۔ ہمایوں بزرگ طبیب اور دونوں اُردا بیگنیوں کے ساتھ اختری کی خوابگاہ میں پہنچا۔ ایک اُردا بیگنی نے طبیب سے کہا۔’’اب سے دو روز پہلے قالین کے اس حصے پر سرکہ گرا تھا۔ ہم یہاں کی صفائی کرانا چاہتی تھیں۔ لیکن اختری بیگم نے منع کر دیا۔‘‘

ہمایوں نے پوچھا۔’’اختری نے کیوں منع کیا؟‘‘

وہ ادب سے سر جھکا کر بولی۔’’وہ اعتکاف میں تھیں۔ کوئی اندر نہیں آتا تھا۔‘‘

وہ بزرگ طبیب گھٹنے ٹیک کر سر جھکا کر قالین کے اس حصے کا معائنہ کرنے لگا۔ اسے اچھی طرح سونگھا۔ پھر کھڑے ہو کر دست بستہ عرض کیا۔’’بادشاہ حضور! یہ شراب نہیں

ہے۔سرکہ ہے۔"

ہمایوں نے ایک اُردا بیگنی سے کہا۔"طبیب صاحب کو باہر پہنچا دیا جائے۔"

طبیب اس کے ساتھ چلا گیا۔ہمایوں نے دوسری اُردا بیگنی سے کہا۔"ہمارا آکم مادر سے کہا جائے۔ہم انہیں یاد کر رہے ہیں۔"

وہ دوسری بھی حکم کی تعمیل کے لئے چلی گئی۔ہمایوں پریشان ہو کر ٹہلنے لگا۔سوچنے لگا۔"آکم مادر نے اپنی آنکھوں سے کامران مرزا کو اس خوابگاہ میں آتے نہیں دیکھا۔دروازہ بند ہوتے نہیں دیکھا۔پھر یہ کہ سرکے کو شراب سمجھ رہی ہیں۔انہیں اختری سے یوں بدظن نہیں ہونا چاہئے۔"

ماہم بیگم نے آتے ہوئے پوچھا۔"طبیب نے معائنہ کیا ہے؟ وہ کیا کہہ رہا ہے؟"

ہمایوں نے ماں کے پاس آ کر کہا۔"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔یہ شراب نہیں ...سرکہ ہے۔"

ماہم بیگم نے بے یقینی سے وہاں آ کر قالین کو دیکھا۔دور تک پھیلا ہوا سرکہ خشک ہو چکا تھا۔وہ پریشان ہو کر بولی۔"یہ سرکہ نہیں ہو سکتا۔"

ہمایوں نے کہا۔"طبیب حضرات ہم سے زیادہ تجربہ رکھتے ہیں۔پھر یہ کہ ایک بزرگ طبیب نے یہاں کا معائنہ کیا ہے۔وہ کبھی ہمارے سامنے غلط بیانی کی جرات نہیں کر سکتے۔پھر ہم بھی کچھ تجربہ رکھتے ہیں۔ہماری آپ سے استدعا ہے' اختری سے بدظن نہ ہوں۔"

وہ غصے سے پاؤں پٹخ کر بولی۔"تم کیسے دل و دماغ کے مالک ہو؟ دشمنوں کے لئے اتنا نرم گوشہ کیوں رکھتے ہو؟ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ تمہارے سوتیلے تمہارا جانشین نہیں چاہتے۔کامران مرزا نے ہمارے منہ پر کہا تھا' وہ اختری کے پاس جا کر ملاوٹ کرے گا۔پھر اختری بھی جنم دینے والے بیٹے کے بارے میں یقین سے نہیں کہہ سکے گی کہ وہ کس کا ہے؟ تمہارا ہے یا اس کم ظرف کا....؟"

اس نے کہا۔"یہ باتیں سن کر ہمیں غصہ آ رہا ہے۔لیکن عقل سمجھاتی ہے کہ یہ بہت ہی سنگین معاملہ ہے۔مستقبل میں ہماری وراثت کا سوال پیدا ہو گا۔نجومیوں کی پیشگوئی کے مطابق اختری ہمارے لئے ایک بیٹا پیدا کرنے والی ہے۔ہمیں ہر پہلو سے سوچ سمجھ کر کسی

درست نتیجے تک پہنچنا ہے۔"

وہ ٹہلنے کے انداز میں ایک طرف چلتے ہوئے بولا۔"کامران مرزا اگرچہ ہم سے عداوت رکھتا ہے۔لیکن ہم اس کی ایک عادت جانتے ہیں۔وہ ہمارے اور اپنے خاندان میں کسی بھی خاتون کو بری نیت سے نہیں دیکھتا ہے۔ہماری جتنی بھی بیگمات تھیں۔وہ ان کی بہت عزت کرتا تھا۔ہمیشہ نظریں جھکا کر گفتگو کیا کرتا تھا۔خاندانِ تیموریہ میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ کسی بھائی نے دوسرے بھائی کی زوجہ کو میلی نظروں سے دیکھا ہو۔"

"کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ ہم جھوٹ بول رہے ہیں؟"

"ہمیں آپ پر فخر ہے۔آپ کبھی جھوٹ نہیں بولتیں۔لیکن کسی معاملے میں غلط فہمی ہو سکتی ہے۔خود ہی غور کریں۔آپ نے کامران مرزا کو اس خوابگاہ میں آتے نہیں دیکھا۔دروازہ بند ہوتے نہیں دیکھا۔جسے آپ نے شراب سمجھا' وہ سرکہ ہے۔یہ ساری باتیں صرف اس بناء پر غلط ہو رہی ہیں کہ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔آپ اسلامی قانون کو بھی سمجھتی ہیں۔جب تک کسی کے خلاف ٹھوس ثبوت پیش نہ کئے جائیں۔اس پر بدکاری کا الزام عائد نہیں ہوتا۔"

ماہم بیگم نے چونک کر کہا۔"ہاں۔ایک ثبوت ہے۔جس وقت ہم یہاں آئے تو اختری کا لباس پھٹا ہوا تھا۔وہ لباس اسی خوابگاہ میں یا حرم کے کسی حصے میں ہو گا۔اسے تلاش کیا جا سکتا ہے۔"

ہمایوں نے کنیزوں کو بلا کر حکم دیا کہ اختری کے تمام ملبوسات نکالیں جائیں۔ان میں سے جو بھی لباس پھٹا ہوا ہو۔اسے ہمارے سامنے پیش کیا جائے۔

ماہم بیگم نے کہا۔"وہ لباس حرم کے کسی دوسرے حصے میں بھی چھپایا جا سکتا ہے۔یا باہر کہیں پھینکا جا سکتا ہے۔جو بھی اسے ڈھونڈ کر لائے گی' ہم اس کا منہ موتیوں سے بھر دیں گے۔"

یہ سنتے ہی کچھ کنیزیں خوابگاہ میں اختری کے ملبوسات نکال کر وہ پھٹا ہوا لباس ڈھونڈنے لگیں۔چند کنیزیں باہر چلی گئیں۔پورے محل کے اندر اور باہر اس لباس کو تلاش کیا جانے لگا۔تھوڑی دیر بعد شور اٹھا کہ ایک کنیز کو وہ پھٹا ہوا لباس مل گیا ہے۔ماہم بیگم نے

بڑے فخر سے بیٹے کو دیکھا۔

ایک کنیز وہ پھٹا ہوا لباس ہاتھوں میں اٹھائے خوابگاہ میں داخل ہو رہی تھی۔ ماہم بیگم نے دور سے ہی دیکھ کہا۔ ''ہاں۔ وہ اسی رنگ کا لباس پہنے ہوئے تھی۔''

ہمایوں نے حکم دیا۔ ''لباس کو پوری طرح سے کھول کر دکھایا جائے۔''

جب اس لباس کو کھولا گیا تو وہ پھٹا ہوا تھا۔ ہمایوں نے کہا۔ ''آکم مادر! یہ اختری کا لباس نہیں ہو سکتا۔ وہ ایک دھان پان سی لڑکی ہے۔ اس کا قد درمیانہ ہے۔ جبکہ یہ کسی بھاری بھرکم قد آور عورت کا لباس دکھائی دے رہا ہے۔''

ماہم بیگم نے الجھی ہوئی نظروں سے لباس کو دیکھ کر کہا۔ ''اس کا رنگ تو وہی ہے۔''

ہمایوں نے کہا۔ ''اگر آپ الجھ رہی ہیں۔ اطمینان حاصل کرنا چاہتی ہیں تو اختری کو یہ لباس پہننے کا حکم دیا جائے۔''

صاف پتہ چل رہا تھا کہ وہ لباس اختری کے جسم سے مناسبت نہیں رکھتا ہے۔ لیکن ماہم بیگم کے ذہن میں دو باتیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ لباس کا رنگ وہی تھا اور دوسری بات یہ کہ وہ ان ہی دو جگہوں سے پھٹا ہوا تھا۔ جہاں اس نے پہلے دیکھا تھا۔ اب وہ اس کے ناپ کا تھا یا نہیں؟ یہ تو اسے پہنا کر ہی دیکھا جا سکتا تھا۔

لہٰذا اس لباس کو اختری کے پاس بھیج دیا گیا۔ حکم ہوا کہ وہ اسے پہن کر حاضر ہو جائے۔ ماہم بیگم کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اسے جھٹلانے کے لئے کیسی تدبیریں کی گئی ہیں؟ گل رخ بیگم نے بڑی چال بازی دکھائی تھی۔ اختری کی خوابگاہ کا قالین بدل دیا تھا۔ اس روز اختری نے جو لباس پہنا تھا۔ اسی رنگ کا دوسرا لباس ایک اُردا بیگنی سے لیا گیا تھا اور اسے ان ہی دو جگہوں سے پھاڑ دیا گیا تھا۔ جہاں کا مشاہدہ ماہم بیگم نے کیا تھا۔

جب اختری وہ لباس پہن کر ہمایوں کے سامنے حاضر ہوئی تو اس کی عجیب حالت تھی۔ پاجامے کے پائینچے اتنے لمبے تھے کہ وہ چلتے ہوئے الجھ رہی تھی۔ شانوں سے قمیص ڈھلکی ہوئی تھی اور آستین ہاتھوں سے باہر نکل رہی تھی۔ اسے دیکھ کر ہمایوں کو ہنسی آ رہی تھی۔ لیکن اس نے ضبط کیا۔ اپنی سنجیدگی کو برقرار رکھا۔ ایسے وقت اسے پھر وہی خواب یاد آ رہا تھا اور اس خواب کے مطابق کچھ ایسا ہی ہو رہا تھا۔

ہونے والے بچے کو مشکوک بنا دیا گیا تھا۔ اسے چھین کر دور کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ اب یہ کوشش کس نے کی تھی۔ کامران مرزا نے یا آکم مادر اپنی بہو سے بدظن ہو گئی ہیں؟ اسے دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینک دینا چاہتی ہیں؟ پتہ نہیں، سچ کیا ہے؟ جھوٹ کیا ہے؟ لیکن خواب کہہ رہا تھا کہ اس کا بیٹا اس سے دور ہونے والا ہے۔

اس نے اپنی والدہ سے کہا۔ ''کیا آپ یہ کہنا چاہیں گی کہ اختری اس محل میں ایسے ملبوسات پہن کر عجوبہ بن کر رہتی ہے؟''

ماہم بیگم نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ ''لباس کا رنگ وہی ہے اور یہ اسی جگہ سے پھٹا ہوا ہے۔ لیکن یہ وہ نہیں ہے۔ ہم یقین سے کہتے ہیں، ہماری سوکن کوئی چال چل رہی ہیں۔ اس نے لباس کو بدل دیا ہے۔''

ہمایوں نے حکم دیا کہ گل رخ بیگم کو بھی حاضر کیا جائے۔ ماہم بیگم بار بار قالین کو دیکھ رہی تھی۔ سوچ رہی تھی۔ پھر ایکدم سے چونک کر بولی۔ ''یہ وہ قالین نہیں ہے۔ جو دو روز پہلے یہاں بچھا ہوا تھا۔''

ہمایوں نے پریشان ہو کر کہا۔ ''آکم مادر! آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ کبھی کہتی ہیں، یہ لباس وہی ہے۔ پھر کہتی ہیں، لباس بدل دیا گیا ہے۔ آپ اتنی دیر تک قالین کو دیکھتی رہیں۔ لیکن کچھ نہیں کہا۔ اب اچانک اس پر بھی اعتراض کر رہی ہیں کہ اسے بدل دیا گیا ہے؟''

اختری کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ ہمایوں نے پوچھا۔ ''تم کیوں رو رہی ہو؟''

اس نے کہا۔ ''مجھ پر جو شرمناک الزام عائد کیا گیا ہے۔ اس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ مجھے شرم سے مر جانا چاہئے۔ لیکن میری زندگی کے دو ہی مقاصد تھے۔ ایک مقصد پورا ہو گیا۔ میں ایک رات کی ملکہ بن گئی۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ موت سے پہلے آپ کو ایک بیٹا دے کر جاؤں۔ لیکن یہ مقصد کیسے پورا ہو گا؟ میرے بچے کو پیدا ہونے سے پہلے متنازعہ بنا دیا گیا ہے۔ آپ مجھ سے جیسی بھی قسم لے لیں۔ میں سچ کہتی ہوں، میری تنہائی میں آپ کے سوا کوئی نہیں آیا۔ اگر آتا تو میں اسی وقت جان دے دیتی۔''

گل رخ بیگم نے حاضر ہو کر کہا۔ ''ہم اس معاملے میں کچھ زیادہ بول نہیں سکتے۔ کیونکہ ایک مجرم بیٹے کی ماں ہیں۔ اس نے شیر خان سوری سے مل کر تمہارے خلاف

سازشیں کی ہیں۔شائد تم یقین نہیں کرو گے۔ہم کامران مرزا اور عسکری مرزا کو سمجھاتے رہتے ہیں کہ برادر بادشاہ سوتیلا ہے تو کیا ہوا؟ تم سب کی رگوں میں ایک ہی باپ کا لہو دوڑ رہا ہے۔تم دشمنوں کا ساتھ دو گے تو ہمیشہ شرمندگی اٹھاتے رہو گے۔اپنے بھائی سے متحد ہو کر جنگ کرو اور پورے ہندستان پر حکومت کرو۔''

ہمایوں نے کہا۔''ہماری آکم مادر جب بھی کوئی نصیحت کرتی ہیں' ہم سر جھکا کر عمل کرتے ہیں۔آپ جو اتنی لمبی چوڑی نصیحتیں کرتی ہیں ان کا اثر کیا ہوا؟ وہ سوتیلے کل بھی تھے۔آج بھی دشمن ہیں۔اگر وہ ذرا بھی شرمندہ ہوتا تو یوں منہ چھپا کر نہ بھاگتا۔آئندہ ہم اس کے ساتھ کیسا سلوک کریں گے' یہ فیصلہ ہمارے ذہن میں محفوظ ہے۔آپ اس سلسلے میں کچھ نہیں بولیں گی اور نہ ہی بیٹے کے لئے رحم کی بھیک مانگیں گی۔''

''ہم تو اپنے بیٹے کی جان کی امان چاہیں گے۔ایک نہیں ہزار بار بھیک مانگیں گے۔تمہارا ظرف دیکھیں گے کہ تم اپنے والد فردوس مکانی کی بیوہ کو بھیک مانگتے اور گڑگڑاتے ہوئے کس دل سے دیکھو گے؟''

ماہم بیگم نے کہا۔''ہمارے بیٹے کے جذبات سے مت کھیلو۔یہ ویسے ہی رحم دل ہے۔لیکن رحمدلی کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ جان کے دشمنوں کو امان دی جائے۔''

گل رخ بیگم نے کہا۔''شرافت اور نیک نفسی کہتی ہے کہ مرحوم پدر کی نصیحتوں پر عمل کیا جائے۔انہوں نے فرمایا تھا' بھائیوں سے خواہ کتنی ہی بڑی غلطی ہو۔انہیں فراخدلی سے معاف کر کے ان کی گوشمالی کریں۔لیکن انہیں جانی نقصان نہ پہنچائیں۔''

ہمایوں نے کہا۔''ہم کہہ چکے ہیں' کامران مرزا کے خلاف جو فیصلہ کیا ہے' وہ ہمارے ذہن میں محفوظ ہے۔اس سلسلے میں آگے کوئی بات نہ کی جائے۔''

وہ بولی۔''بادشاہ سلامت کا حکم سر آنکھوں پر اب ہم دوسری بات کرتے ہیں۔یہاں آتے ہی معلوم ہوا کہ ہمارے بیٹے کامران مرزا پر ایک شرمناک الزام لگایا گیا ہے۔آپ جانتے ہیں' خاندان تیموریہ میں آج تک کبھی کسی نے گھر کی عزت پر ہاتھ نہیں ڈالا۔اگر ہمارا بیٹا ایسا کرتا تو ہم اس کے منہ پر تھوک دیتے۔''

اس نے ماہم بیگم کو دیکھتے ہوئے کہا۔''یہ ہماری سمجھ سے باہر ہے کہ آکم ماہم نے

ایسا شرمناک اور بے تکا الزام ہمارے بیٹے پر کیوں لگایا؟ جو بہو ان کے لئے پوتے کو جنم دینے والی ہے۔یہ اس سے بدظن کیوں ہوگئی ہیں؟ آخر اس کے پیچھے کوئی بات تو ہوگی؟''

ہمایوں نے کہا۔''یہی ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ہماری آکم مادر خواہ مخواہ کیوں اختری سے بدظن ہوں گی؟''

گل رخ بیگم نے کہا۔''یہ تو آپ کی آکم مادر ہی بتا سکتی ہیں۔ویسے ہماری معلومات کے مطابق منیر احمد شامی ان کا بہت ہی معتبر نجومی ہے۔اس نے یہ بات ان کے کانوں میں پھونک دی ہے کہ اختری ایک بیٹے کو جنم دے گی۔لیکن وہ بیٹا ہاتھ سے بے ہاتھ ہو جائے گا اور ایک طویل مدت کے بعد بادشاہ ہمایوں کے ہاتھ آئے گا۔''

ہمایوں نے چونک کر گل رخ بیگم اور پھر اختری کو دیکھا۔خواب میں ایسا ہی کچھ دکھائی دیا تھا۔بچہ اس کے ہاتھ آتے آتے نکل گیا تھا۔

گل رخ بیگم نے کہا۔''آپ کی آکم مادر نے اس نجومی کی باتوں کا اثر لیا ہے اور یہ اسی لمحے سے اختری سے بدظن ہوگئی ہیں۔یہ جانتی ہیں کہ تم نجومی کی بات کا یقین نہیں کرو گے۔بلکہ تجربہ کرنا چاہو گے۔یہ دیکھنا چاہو گے کہ آئندہ وہ بچہ تمہارے ہاتھوں میں رہے گا یا نجومی کی بات درست ہوگی؟''

گل رخ بیگم نے ایک قدم آگے بڑھ کر پوچھا۔''تم ہی دل پر ہاتھ رکھ کر کہو۔کیا اپنی آکم مادر کی طرح اختری سے بدظن ہو جاؤ گے؟ یا نجومی کی پیشگوئی کو آزماؤ گے اور اختری کو تحفظ دو گے؟''

''بے شک۔ہم اسے تحفظ دیں گے۔لیکن آپ اچانک اختری کی اتنی ہمدرد کیوں ہوگئی ہیں؟ کیوں اس کی وکالت کر رہی ہیں؟''

''اس کی دو وجوہات ہیں۔ایک تو یہ کہ ہمارے بیٹے پر خواہ مخواہ شرمناک الزام لگایا گیا ہے۔ہم اس الزام کو دھونا چاہتے ہیں۔دوسری وجہ یہ ہے کہ کسی طرح تمہارے بیٹے کو تحفظ دے کر تمہارا دل جیت کر اپنے بیٹے کے لئے معافی کا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں۔''

ہمایوں نے قائل ہو کر سر ہلایا۔وہ بولی۔''ہم نے یہ سوچ لیا ہے کہ آپ آکم مادر کے الزام پر یقین کریں گے اور اختری کی پاک دامنی پر شبہ کریں گے تو ہم اسے اپنے

ساتھ لے جائیں گے اور کسی طرح بھی یہ ثابت کرنے کی کوشش کریں گے کہ یہ بیچاری پہلے
بھی پاک دامن تھی اور آج بھی ہے۔ اگر یہ خوش بخت ہوئی تو قدرت بھی اس کا ساتھ دے
گی اور اس کی پاک دامنی خود بخود ثابت ہوتی رہے گی۔ پھر تمہیں پتہ چلے گا کہ تم ایک طویل
عرصے تک اپنے ہی بیٹے کو ٹھکراتے رہے ہو۔''

ہمایوں نے کہا۔''ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ اختری ہماری پناہ میں... ہمارے معتمد
پہریداروں کی نگرانی میں رہا کرے گی۔''

ماہم بیگم نے کہا۔''بیٹے! تم کس کی باتوں میں آ رہے ہو؟ یہ بڑی مکاریوں سے
اور اپنی لچھے دار باتوں سے تمہیں الجھا رہی ہیں۔''

وہ بولا۔''آکم مادر! ہم ایسے بھی نادان بچے نہیں ہیں۔ ہر پہلو کا جائزہ لے رہے
ہیں۔ آپ نے اختری کے خلاف جتنے ثبوت پیش کئے وہ غلط ثابت ہو چکے ہیں۔ اب ایک
ہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ پاک دامن ہے یا نہیں؟ ہمیں کامران مرزا پر اس سلسلے میں اعتماد
کرنا چاہئے یا نہیں؟''

وہ ذرا چپ ہوا۔ سب اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ اختری کا دل تیزی سے
دھڑک رہا تھا۔ پتہ نہیں بادشاہ کیا فیصلہ کرنا چاہتا ہے؟ اتنا تو معلوم ہوا کہ وہ اسے پناہ دے
گا۔ لیکن شائد اس پر پہلے کی طرح اعتماد نہیں کرے گا۔ ہمیشہ شک و شبہے میں مبتلا رہے گا۔

ہمایوں نے کہا۔''اب ایک ہی راستہ رہ گیا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے مدد
مانگیں۔ قدرت سے کوئی اشارہ پانے کی کوشش کریں۔ اس کے لئے استخارہ لازمی ہے۔ ہم
دیکھیں گے کہ استخارہ کے نتیجے میں ہمیں کیا ہدایت مل سکتی ہے؟''

اس نے اختری کو دیکھتے ہوئے کہا۔''اختری کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ اسی خوابگاہ
میں رہے۔

پھر اس نے گل رخ بیگم کو دیکھتے ہوئے کہا۔''آپ کے لئے حکم ہے کہ آج ہی
اپنے دونوں بیٹوں کے پاس چلی جائیں۔ انہیں ہمارا پیغام دیں۔ اگر وہ ہم سے معافی کی
طلبگار ہیں تو انہیں ایک ہی صورت میں معاف کیا جا سکتا ہے۔ ان سے کہا جائے کہ وہ
دونوں ہی ہمارے سامنے حاضر ہو جائیں۔ ہم انہیں کچھ عرصے کے لئے محل میں نظر بند

رکھیں گے اور ان بھائیوں کے لشکروں کے ساتھ شیر خان سوری کا مقابلہ کریں گے۔ انشاء اللہ
اسے شکست دیں گے۔ دہلی اور آگرہ کے تخت پر قبضہ جمائیں گے۔ اس کے بعد دونوں
بھائیوں کو رہا کر دیا جائے گا۔ اگر یہ شرط منظور ہے تو وہ ہمارے پاس چلے آئیں۔''

یہ حکم صادر کر کے وہ اپنی آکم مادر کے ساتھ وہاں سے چلا گیا۔ ان کے جانے کے
بعد گل رخ بیگم نے دھیمی آواز میں اختری سے کہا۔''تمہارے لئے تو راستہ ہموار ہو گیا۔ وہ
تمہیں پاک دامن بھی سمجھ رہا ہے اور شبہہ بھی کر رہا ہے۔ اسے استخارہ کے ذریعے ہدایت
حاصل کرنے دو۔ کسی طرح کی فکر نہ کرو۔ ہمیں تو آج ہی یہاں سے جانا ہوگا۔ ہم نے تمہیں
جیسا سمجھایا ہے ویسا ہی کرتی رہو گی تو ہمیشہ ماہم بیگم پر حاوی رہو گی۔''

گل رخ بیگم یہ کہہ کر وہاں سے چلی گئی۔ اختری سر جھکائے کھڑی ہوئی تھی۔ اسے
اپنی ساس پر حاوی ہونے کا کوئی شوق نہیں تھا۔ لیکن وہ مجبور ہو کر اس کے دشمنوں سے مل کر محاذ
آرائی کر رہی تھی۔ ضمیر اسے ملامت کر رہا تھا کہ وہ اپنے بادشاہ سے جھوٹ بول رہی ہے۔ اسے
دھوکہ دے رہی ہے۔ وہ ہر طرف سے الجھی ہوئی تھی۔ ابھی ٹھیک طرح سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ
اسے کیا کرنا چاہئے؟

ایک ہی بات سمجھ میں اچھی طرح آئی تھی۔ وہ یہ کہ نجومیوں کی پیشگوئی کے مطابق
اس کا ہونے والا بچہ ہمایوں کا ہوگا۔ نجومیوں نے ملاوٹ کی کوئی بات نہیں کی تھی۔ اب اس کی
پہلی اور آخری خواہش یہی تھی کہ ہمایوں اس کے بچے کو اپنا بیٹا تسلیم کر لے اور تسلیم کرانے
کے لئے وہ بہت مجبور ہو کر غلط راہ پر چل پڑی تھی۔

☆☆☆

حالات تیزی سے بدل رہے تھے۔ ہمایوں کو امید تھی کہ وہ دونوں بھائیوں کو کسی
طرح مجبور کر کے آپس میں متحد ہونے پر مائل کر لے گا۔ لیکن اس کی توقع کے خلاف دونوں
بھائیوں نے اس کے سامنے پیش ہونے سے انکار کر دیا۔ ایسے وقت مخبروں نے اطلاع دی
کہ شیر خان سوری اپنے لشکر کے ساتھ دہلی سے چل پڑا ہے۔ جو بھاری بھر کم توپیں دریا کے
کنارے پر نصب تھیں۔ انہیں مضبوط پہیوں والی گاڑیوں پر چڑھا کر لایا جا رہا ہے۔ ان
توپوں کے باعث اس کا لشکر اور زیادہ مستحکم ہو گیا تھا۔

اس کے امراء اور مشیروں نے مشورہ دیا کہ شیر خان سوری کا مقابلہ نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ دوسری طرف سے کامران مرزا اور عسکری مرزا ضرور اپنے لشکروں کے ساتھ حملہ کریں گے۔ اس طرح ہمایوں کا لشکر چکی کے دو پاٹن کے بیچ آجائے گا۔ بادشاہ کو برے وقت میں فرار کا راستہ بھی نہیں ملے گا۔

پھر یہ مشورہ دیا گیا کہ مقابلہ کرنے اور شکست کھانے کی شرمندگی نہ اٹھائی جائے۔ بادشاہ اپنا لشکر لے کر کابل چلا جائے۔ وہاں اپنے لشکر میں سپاہیوں کا' بندوقوں اور توپوں کا اضافہ کرے۔ پھر واپس آکر اپنا چھینا ہوا تخت اور کھویا ہوا وقار حاصل کرے۔

موجودہ حالات میں یہی مشورہ نہایت مناسب تھا۔ ہمایوں نے ماہم بیگم اور اختری کو خاص کنیزوں کے ساتھ پہلے روانہ کرنے کے لئے ایک قافلہ تیار کروایا۔ ماضی میں ایران کے شاہ طہماسپ صفوی نے بابر بادشاہ کو تحفے کے طور پر دو خوبصورت کنیزیں پیش کی تھیں۔ ان میں سے ایک کا نام گلنار آغاچہ اور دوسری کا نام نارگل آغاچہ تھا۔ یہ دونوں کنیزیں بابر کی موت کے بعد بھی ہمایوں کے ساتھ رہا کرتی تھیں۔ وہ ان کا بڑا احترام کرتا تھا۔

ان بیگمات اور کنیزوں کو پہلے اس لئے روانہ کیا کہ لشکر میں بھاری بھرکم توپیں تھیں۔ انہیں کھینچ کر لے جانے میں بڑی دشواریاں پیش آتی تھی۔ ایک دن کی مسافت دو دن میں طے ہوتی تھی۔ بہرالحال ان بیگمات کے قافلے کے پیچھے ہی یہ لشکر بھی روانہ ہوا۔ آگے جانے والا قافلہ تیز رفتار تھا اور پیچھے لشکر کچھوے کی چال چل رہا تھا۔

ابھی وہ ہزارہ تک پہنچے تھے کہ کامران مرزا اور عسکری مرزا کے لشکروں نے ان کا راستہ روک لیا۔ ایسا ہمایوں کی توقع کے بالکل ہی خلاف ہوا تھا۔ اس نے اپنے ایک قاصد کے ذریعہ بھائیوں کو پیغام دیا۔ ''ہم سے مقابلہ کرنے کی حماقت نہ کرو۔ اگرچہ تم دونوں کے لشکروں میں سپاہی زیادہ ہیں۔ لیکن ہمارے پاس توپیں اور بندوقیں زیادہ ہیں۔ تمہارے قدم اکھڑتے دیر نہیں لگے گی۔''

تھوڑی دیر کے بعد ہی قاصد جواب لے کر آگیا۔ کامران مرزا نے لکھا تھا۔ ''آپ دس ہزار توپیں، اور دس لاکھ بندوقیں لے آئیں۔ پھر بھی ہمارا پلڑا بھاری ہے۔ کیونکہ آپ کی آکم مادر اور اختری بیگم ہماری قید میں ہیں۔ گلنار آغاچہ اور نارگل آغاچہ کو

ماں کا درجہ دیتے ہیں۔ اب اگر ہم سے مقابلہ کرنے کی حماقت کی تو جنگ شروع ہونے سے آپ کو ان سب کی لاشیں ملیں گی۔''

ہمایوں اس صورت حال سے پریشان ہو گیا تھا۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ سگے بھائی شاہی بیگمات کو یرغمال بنانے کی کمینگی دکھائیں گے۔

اس نے قاصد کے ذریعے پوچھا۔ ''تم دونوں بھائی ہم سے کیا چاہتے ہو؟''

دوسری طرف سے کامران مرزا نے لکھ بھیجا۔ ''فردوس مکانی (بابر) نے اپنی زندگی میں ہمیں کابل کا حکمران بنایا تھا۔ لہٰذا آپ ادھر کا رخ نہ کریں۔ اپنے لشکر کو لے کر کسی دوسری طرف چلیں جائیں۔''

ہمایوں نے پیغام لکھا۔ ''ہم حیران ہیں' تم ہندوستان چھوڑ کر کابل کیوں جا رہے ہو جبکہ تمہاری شیر خان سوری سے دوستی ہے اور یہ طے پا گیا ہے کہ وہ تمہیں لاہور کے تخت پر بٹھائے گا؟''

کامران مرزا نے لکھا۔ ''تخت و تاج مانگنے سے نہیں ملتا اور ہم شیر خان سوری سے مانگنے کی حماقت کر رہے تھے۔ اس کی نیت اور ارادے بدل چکے ہیں۔ اب اس نے وعدہ کیا ہے کہ ہم کابل میں رہیں گے تو وہ ہماری طرف رخ نہیں کرے گا۔''

کامران مرزا اور عسکری مرزا کا لشکر اس سے بہت دور کھڑا ہوا تھا۔ وہ ماہم اختری' گلنار آغاچہ اور نارگل آغاچہ کو قیدی بنا کر ان کے سامنے لے آئے تاکہ ہمایوں دور سے انہیں دیکھ سکے اور یقین کر سکے کہ واقعی انہیں یرغمال بنایا گیا ہے۔

ہمایوں نے قاصد کے ذریعے لکھ بھیجا۔ ''کتنے افسوس کی بات ہے' دشمن سے ٹھوکر کھانے کے بعد بھی بھائی سے صلح نہیں کر رہے ہو۔ تم عداوت کو اور بڑھا رہے ہو۔ ہماری ایک بات مان لو۔ بیگمات کو ہمارے حوالے کر دو۔ ہم یہاں سے دوسری طرف چلے جائیں گے۔''

کامران مرزا نے انکار کر دیا۔ صاف کہہ دیا کہ یہی ایک کمزوری اس کے ہاتھوں میں ہے۔ اگر یہ بیگمات ہاتھوں سے نکل جائیں گی تو ہمایوں کی توپیں اس کی طرف دندنانے لگیں گی۔

عسکری مرزا نے لکھا۔ "برادر بادشاہ! آپ کی والدہ محترمہ اور زوجہ اختری ہمارے لئے محترم ہیں ان کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں ہوگی۔ ہم انہیں نہایت احترام سے اپنے پاس رکھیں گے۔ جب آپ کہیں اچھی طرح قدم جمالیں گے تو بیگمات کو آپ کے پاس روانہ کر دیا جائے گا۔"

کامران مرزا نے کہا۔ "یہاں آپ کی زوجہ اختری بیگم نے آکم مادر کو خوشخبری سنائی ہے کہ وہ ماں بننے والی ہیں۔ کیا یہ چاہیں گے کہ آپ کے بیٹے کو دنیا میں آنے سے پہلے ہی نابود کر دیا جائے؟"

ہمایوں نے ماہم بیگم اور اختری کے نام پیغام بھیجا۔ "آپ سب حالات سے سمجھوتہ کریں۔ خاطر جمع رکھیں۔ ہم کہیں قدم جماتے ہی آپ سب کی رہائی کا مطالبہ کریں گے۔ اگر کامران مرزا اور عسکری مرزا نے ہمارا مطالبہ پورا نہ کیا تو انہیں ان کی کم ظرفی بہت مہنگی پڑے گی۔ ہم آپ کی سلامتی کی خاطر یہاں سے منہ موڑ کر جا رہے ہیں۔ فی امان اللہ......"

ہمایوں کو مجبوراً راستہ بدلنا پڑا۔ وہ وہاں سے سندھ کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب منزلیں طے کرتا ہوا بھکر پہنچا تو ہندال بھی اپنے لشکر کے ساتھ وہاں چلا آیا۔ اس کی حقیقی ماں دلدار بیگم نے دونوں بیٹوں کی آمد پر خوشی کا اظہار کیا، اور جشن منانے کا اہتمام بھی کیا۔

فردوس مکانی بابر کی زندگی میں دلدار بیگم اور گل رخ بیگم کی خوب بنتی تھی۔ ان دونوں نے مل کر ایک بار ہمایوں کے خلاف سازش کی تھی۔ انہوں نے ایک عامل کے ذریعے منفی عمل پڑھوایا تھا اور ایک تعویذ اس کے بستر میں چھپا دیا تھا۔

دلدار بیگم نے ہمایوں کے خلاف وہ آخری عداوت کی تھی۔ اس کے بعد اسے گل رخ بیگم کی دوہری چالوں کو علم ہو گیا تھا۔ یہ پتہ چلا تھا کہ کامران اور عسکری مرزا اس کے حقیقی بیٹے ہندال کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ تب سے وہ بدظن ہو کر گل رخ بیگم سے دور ہو گئی تھی۔ اپنے بیٹے کو سمجھاتی رہتی تھی کہ وہ بادشاہ ہمایوں سے محبت کرتا رہے اور اسی کا وفادار بن کر رہے۔

دلدار بیگم نے بادشاہ ہمایوں اور اپنے بیٹے کی آمد پر ایک پرتکلف دعوت کا اہتمام کیا۔ شاہی خاندان سے تعلق رکھنے والی خواتین اس دعوت میں شریک ہوئیں۔ ان

خواتین کے ہجوم ہمایوں نے ایک چودہ سالہ دوشیزہ کو دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس نے دلدار سے پوچھا۔ "یہ لڑکی کون ہے؟"

دلدار بیگم نے کہا۔ "اس کا نام حمیدہ بانو ہے۔ یہ میر بابا دوست کی صاحبزادی اور معظم کی ہمشیرہ ہے۔ اس کا باپ میرے بیٹے ہندال کا استاد ہے۔"

ہمایوں نے کہا۔ "یہ لڑکی ہمارے دل و دماغ میں سما گئی ہے۔ خدارا ہم سے اس کا نکاح پڑھوا دیں۔"

ہندال یہ سنتے ہی غصے سے بھڑک گیا۔ "برادر بادشاہ! یہ آپ کیا فرما رہے ہیں؟ اپنے حالات پر غور کریں۔ آپ ایک غریب الوطن بادشاہ ہیں۔ آپ کا کوئی ملک نہیں۔ کوئی زمین نہیں ہے۔ بے سروسامانی کی حالت میں ہیں اور ایسے میں ایک ایسی لڑکی کا ہاتھ مانگ رہے ہیں، جو میرے استاد کی صاحبزادی ہے۔ اسے میں اپنی چھوٹی بہن یا بیٹی سمجھتا ہوں۔"

ہندال نے اپنے طور پر سچ کہا تھا۔ بادشاہ کو آئینہ دکھایا تھا کہ وہ کن حالات سے گزر رہا ہے؟ لیکن ہمایوں کو غصہ آ گیا۔ وہ وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔ دلدار بیگم نے بیٹے کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔ "ہم ہمیشہ سمجھاتے رہے ہیں کہ ہمایوں سے محبت کرو۔ اس کے وفادار بن کر رہو۔ چلو جاؤ۔ ابھی اس سے معافی مانگو۔"

لیکن ہندال نے سنی ان سنی کر دی۔ دلدار بیگم خود ہی ہمایوں کے پاس گئی۔ پھر اسے سمجھایا منایا۔ بیٹے کی طرف سے معافی مانگتے ہوئے کہا۔ "تم خاطر جمع رکھو۔ ہم ابھی جا کر حمیدہ بانو کے بزرگوں سے شادی کی بات چھیڑیں گے۔"

ایک بادشاہ کو اپنی لڑکی کا ہاتھ دینے میں بھلا کسے اعتراض ہو سکتا تھا؟ خاندان کے بزرگ راضی تھے۔ لیکن حمیدہ بانو نے انکار کر دیا۔ والدین نے پوچھا۔ "تمہیں انکار کیوں ہے؟"

وہ بولی۔ "میں ایسے شخص سے شادی کروں گی۔ جو میرے برابر کا ہوگا اور جس کے گریبان تک میرا ہاتھ پہنچ سکے گا۔"

حمیدہ بانو بہت ہی ذہین اور تعلیم یافتہ تھی۔ اس کی اس بات کے دو معنی تھے۔ ایک

تو یہ کہ ہمایوں بہت ہی قد آور تھا۔ اس کے مقابلے میں حمیدہ کا قد چھوٹا پڑتا تھا۔ اس کا ہا
اس کے گریبان تک یا یا نہیں اس کی گردن تک نہیں پہنچ سکتی تھیں۔

اس کی دوسری بات کا مطلب یہ تھا کہ ہمایوں بادشاہ تھا اور وہ ایک معمولی
زادی تھی۔ اس لئے اپنے برابر کے کسی خاندان میں شادی کرنا چاہتی تھی۔

اسے سمجھایا گیا۔ ”بادشاہ، بادشاہ میں فرق ہوتا ہے۔ ہمایوں مغرور اور بد
نہیں ہے۔ اس جیسے نیک دل بادشاہ کی مثال کہیں نہیں ملتی۔ اسے کسی نہ کسی سے شا
کرنی ہی ہے۔ جب ایک نیک دل شخص مل رہا ہے۔ تو انکار نہیں کرنا چاہئے۔“

بات چیت کا یہ سلسلہ تقریباً چالیس دنوں تک چلتا رہا۔ آخر وہ راضی ہوگئی۔
ابوالبقاء نے ان کا نکاح پڑھایا۔ ہمایوں نے خوش ہو کر نکاح کے عوض میر ابوالبقاء کو دہ لا
روپے عطا کئے۔ وہ چند روز تک بھکر میں قیام پذیر رہا۔ حمیدہ بانو کے ساتھ ازدواجی مسر
حاصل کرتے ہوئے ماضی اور حال کی تلخیوں کو بھلاتا رہا۔

حمیدہ بانو نے اسے سمجھایا۔ ”آپ کو اپنی کھوئی ہوئی عزت اور وقار حاصل کر
کے لئے خلوت کدے سے نکلنا چاہئے۔ کیوں نہ ہم امرکوٹ کی طرف چلیں؟ وہاں کا
رانا پرشاد مل آپ کا مطیع و فرمانبردار ہے۔ وہ ایسے برے وقت میں ضرور ساتھ دے گا۔“

ہمایوں دوسرے ہی دن اپنے لشکر کے ساتھ وہاں سے روانہ ہوگیا۔ حمیدہ بانو
اس کے ہمراہ تھی۔ امرکوٹ کے راجہ رانا پرشاد مل نے بڑی گرم جوشی سے ان کا استقبال ک
امرکوٹ کے قلعے میں پُرتکلف رہائش کے انتظامات کئے گئے تھے۔ ہمایوں وہاں عیش
عشرت سے رہ سکتا تھا۔ لیکن اسے اپنا کھویا ہوا تخت و تاج حاصل کرنا تھا۔ فکر جہاں دار
تھی اور حمیدہ بانو جیسی چودہ سالہ دوشیزہ کی قربت بھی حاصل تھی۔ زندگی سزا بھی دے رہی
اور پیار کے نشے میں سزا کی اذیتوں کو کچھ کم بھی کر رہی تھی۔

ایسے وقت وہ بھول گیا کہ اس سے پہلے بھی ایک رات کے لئے ایک چودہ
دوشیزہ اس کی زندگی میں آئی تھی۔ اس غریب لڑکی نے یہ نہیں کہا تھا کہ بادشاہ ہرجائی ہو
ہیں۔ پکوان بدل بدل کر کھانے کے عادی ہوتے ہیں۔ وہ اس یقین کے ساتھ عیش و عشر
میں مست رہتے ہیں کہ آج تُو ہے تو کل کوئی اور ہوگی۔

اختری نے دل ہی دل میں یہ طے کر لیا تھا کہ ایک ہی رات کے لئے خلوت میں
آنا ہے۔ اس کے بعد کوئی اور آتی رہے، اس کی بلا سے.....

اب وہ زندگی کے کرب و بلا سے گزر رہی تھی۔ کامران مرزا اور عسکری مرزا اسے
اور ماہم بیگم وغیرہ کو قیدی بنا کر کابل لے گئے تھے۔ انہیں ایک قلعے میں قید کر دیا گیا
تھا۔ وہاں جو بیگمات اسیر بنی ہوئی تھیں۔ ان میں ماہم بیگم، گلنار آغاچہ، نار گل آغاچہ اور
ہمایوں کی سوتیلی اور ہندال کی حقیقی بہن گل بدن بیگم بھی تھی۔

ان سب کو قلعے کے ایک وسیع و عریض کمرے میں قید کیا گیا تھا۔ دروازے اور
کھڑکیوں کو پتھروں سے چنوا دیا گیا تھا۔ اوپر ایک چھوٹا سا خلاء تھا۔ جہاں سے انہیں کھانا
پہنچایا جاتا تھا۔

ان کی عداوت سے یہ نتیجہ سامنے آیا تھا کہ وہ ہندوستان میں بابر کی قائم کردہ
سلطنت سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ وہاں نہ تو خود حکومت کر سکے تھے اور نہ ہی انہوں نے
ہمایوں کو حکمران بننے دیا تھا۔

بابر نے اپنی زندگی میں کامران مرزا کو کابل کا علاقہ دیا تھا۔ وہ ہمایوں کی طرح
راندۂ درگاہ نہیں تھا۔ اپنے محل میں عیش و عشرت سے تھا۔ یہ خیال تھا کہ آئندہ نہ تو وہ خود
ہندوستان کا رخ کر سکے گا اور نہ ہمایوں میں اتنا دم خم رہ گیا ہے کہ وہ پلٹ کر شیر خان سوری
اور وہاں کے راجاؤں، مہاراجاؤں پر لشکر کشی کرے اور اپنے باپ کی کھوئی ہوئی سلطنت کو
واپس حاصل کرے۔ ایسے آثار دور دور تک نہیں تھے۔

اسی لئے وہ کھل کر ماہم بیگم اور دوسری بیگمات پر مظالم ڈھا رہا تھا۔ کامران
مرزا نے اپنی والدہ گل رخ بیگم کے مشورے پر اختری کو قلعے کے دوسرے حصے میں رکھ چھوڑا
تھا۔ وہ ماں بننے والی تھی۔ وہ دونوں آئندہ ہمایوں کو یہ خوشخبری سنا کر تڑپانا چاہتے تھے کہ اس
کے بیٹے کو..... تخت کے وارث کو پیدا ہوتے ہی یرغمال بنا لیا گیا ہے۔ وہ بھی اپنی ماں اور دادی
کی طرح قیدی بنا ہوا ہے۔

اختری نے گل رخ بیگم سے کہا۔ ”مجھے بھی ماہم بیگم اور گلبدن بیگم کی طرح وہاں
قیدی بنا کر رکھا جائے۔“

گل رخ بیگم نے پوچھا۔ ''کیا تم عیش و آرام سے رہنا نہیں چاہتیں؟''

''عیش و آرام سب ہی چاہتے ہیں۔ لیکن آپ ذرا غور کریں، کبھی بادشاہ سلامت کو دوبارہ اقتدار نصیب ہوگا تو ماہم بیگم اور گلبدن بیگم میرے خلاف زہر اگلنا شروع کر دیں گی۔ جب بادشاہ سلامت کو یہ معلوم ہوگا کہ مجھے یہاں شاہی مہمان بنا کر رکھا گیا تھا اور وہاں ان سب کو قیدی بنا کر برا سلوک کیا جاتا تھا تو میں بادشاہ کی نظروں سے گر جاؤں گی۔ صاف پتہ چل جائے گا کہ آپ کے ساتھ ان کے خلاف سازش میں شریک رہی ہوں۔''

''تم فکر نہ کرو۔ ایسا وقت کبھی نہیں آئے گا۔ ہمایوں کے سامنے تمہارے خلاف چغلی کھانے کے لئے ان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں رہے گی۔''

یہ سن کر اختری اندر سے کانپ گئی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ ماہم بیگم کے خلاف کبھی کوئی کارروائی کی جائے۔ اس کی شان کے خلاف اس سے کوئی بدسلوکی کی جائے۔ وہ تو محض اپنے بیٹے کو باپ کا صحیح نام دینے کے لئے گل رخ بیگم کے ساتھ ہوگئی تھی۔ اس طرح ایک پُرسکون اور پُرامن ماحول میں اپنے بیٹے کو جنم دے سکتی تھی۔

جب محل کی بیگمات اپنے اپنے مفادات کے لئے طرح طرح کی سازشیں کر سکتی تھیں تو وہ بھی اپنے بیٹے کے لئے.... اسے صحیح نام و مقام دینے کے لئے تھوڑی بہت سازش کرنے کا حق رکھتی تھی۔

اس نے گل رخ بیگم سے کہا۔ ''آپ کا مقصد یہی ہے کہ میرے بیٹے کو ہمایوں بادشاہ کا بیٹا ثابت کیا جائے اور اس کے ذریعے بادشاہ کو کمزور بنایا جائے۔''

گل رخ بیگم نے کہا۔ ''بے شک۔ ہم یہی چاہتے ہیں۔''

وہ بولی۔ ''میں آپ کی تمام باتیں مانتی آرہی ہوں۔ آپ میری ایک بات مان لیں۔ ان تمام بیگمات کو قید سے رہا کر دیں۔ بادشاہ سلامت کے پاس جانے کی اجازت دے دیں۔''

گل رخ بیگم نے ناگواری سے پوچھا۔ ''یہ کیا بکواس کر رہی ہو؟''

''میں التجا کر رہی ہوں۔ آپ کے لئے یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ آپ انہیں رہائی دے کر ماں کو بیٹے سے ملا کر ایک نیکی کر سکتی ہیں۔''

''ہمیں ایسی نیکی کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ آئندہ اپنی اوقات میں رہ کر بولا کرو۔ تمہیں یہاں آرام سے رہنے کا موقع دیا گیا ہے۔ ہمارا احسان مانو۔ اچھی طرح کھاتی پیتی رہو اور اچھا تندرست اور توانا بچہ پیدا کرو۔ وہ آئندہ ہمارے بہت کام آئے گا۔''

''میں نہیں جانتی، میرے بچے کا مستقبل کیا ہوگا؟ اسے کس طرح استعمال کیا جائے گا؟ ابھی تو بس اتنا ہی چاہتی ہوں کہ بیگمات کو رہا کر دیا جائے۔ جب میں اور میرا ہونے والا بچہ آپ کے کام آرہا ہے تو آپ کو بھی میری بات مان لینی چاہئے۔''

وہ غصے سے بولی۔ ''کیا تم زبردستی اپنی بات منوانا چاہتی ہو؟''

اختری آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس سے کچھ دور گئی۔ پھر ایک خنجر نکال کر اس کی نوک کو اپنے پیٹ پر رکھتے ہوئے بولی۔ ''میری التجا نہیں مانی جائے گی تو زبردستی اپنی بات منواؤں گی۔ یہ اچھی طرح سمجھ گئی ہوں کہ میرا بیٹا آپ کے بیٹے کے پاس رہے گا۔ جب بادشاہ سلامت کو اقتدار حاصل ہوگا تو آپ میرے بچے کو ان کے سامنے پیش کریں گی۔ اس طرح وہ آپ کے بیٹے کی غلطیاں معاف کر دیں گے۔''

گل رخ بیگم نے پریشان ہو کر خنجر کی نوک کو دیکھا۔ جو اس کے پھولے ہوئے پیٹ سے لگی ہوئی تھی۔ وہ چیخ کر بولی۔ ''پاگل کی بچی! تُو بچے کو مارے گی تو خود بھی مرے گی۔ کوئی ماں اپنے بچے کو قتل نہیں کرتی۔ تُو کیسی نادان ہے، ان بیگمات کی خاطر ہمیں دھمکی دے رہی ہے؟''

وہ بڑے ہی مستحکم لہجے میں بولی۔ ''یہ دھمکی نہیں ہے۔ اگر انہیں ابھی رہا نہ کیا گیا۔ ان کی روانگی کے لئے قافلہ تیار نہ کیا گیا تو بادشاہ سلامت کا یہ لہو ابھی پانی ہو جائے گا۔ میں بھی اپنے بچے کا ماتم کرنے کے لئے زندہ نہیں رہوں گی۔ نقصان آپ کو اور آپ کے بیٹے کو پہنچے گا۔''

گل رخ بیگم نے اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ پھر کہا۔ ''اچھی بات ہے۔ ہم ابھی اپنے بیٹے سے بات کرتے ہیں۔''

وہ وہاں سے چلتی ہوئی کامران مرزا کے پاس آئی۔ پھر اسے بتایا کہ اختری تمام بیگمات کی رہائی کا مطالبہ منوانے کے لئے جارحانہ انداز اختیار کر رہی ہے۔

کامران مرزا نے تمام باتیں سن کر حیرانی سے پوچھا۔ ''کیا وہ اپنے بچے کو ہلاک کر دینا چاہتی ہے....؟ نہیں مادر! کوئی ماں اپنے بچے کو اس طرح سے ہلاک نہیں کر سکتی۔ وہ ہمیں صرف دھمکی دے رہی ہے۔''

گل رخ بیگم نے کہا۔ ''ہم نے اس کی آنکھوں میں جنون اور چہرے پر عزم و استقلال دیکھا ہے۔ وہ کچھ بھی کر سکتی ہے۔ اس کی اس حرکت سے ہمیں اپنی توہین اور مجبوری و بے بسی کا احساس ہو رہا ہے۔ مگر کیا کیا جائے؟ وہ اپنے بچے کو ہمارے پاس جنم دے گی' تب ہی ہم تمہارے لئے معافی کا دروازہ کھول سکیں گے۔''

وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ ''اس میں شبہ نہیں کہ برادر بادشاہ قسمت کا دھنی ہے۔ ہم نے اس کے خلاف کتنی ہی سازشیں کیں۔ وہ بار بار شکست کھاتا ہے۔ مگر پھر سے تازہ دم ہو کر کامیابی کی راہ پر نکل پڑتا ہے۔ اگر اس کی قسمت مہربان ہو گی اور وہ ہندوستان میں اپنی کھوئی ہوئی سلطنت حاصل کر لے گا تو پھر ہمارے لئے معافی کا یہی ایک دروازہ کھلا رہے گا۔ ہم اختری کے بچے کو ایک امانت دار کی طرح اس کے حوالے کر سکیں گے۔''

گل رخ بیگم نے کہا۔ ''ایسا کرو' بظاہر اختری کے سامنے ان بیگمات کو رہا کر دو۔ قلعے سے باہر ایک قافلے کے ساتھ روانہ کر دو اور اس قافلے کے سپاہیوں کو سمجھا دو کہ کابل سے باہر پہنچ کر ان بیگمات کو قتل کر دیا جائے۔''

کامران مرزا نے کہا۔ ''ہم ایسا نہیں کر سکیں گے۔ قندھار سے ہندال کا قاصد آیا ہے۔ وہ اپنی حقیقی بہن گلبدن بیگم اور برادر بادشاہ کی والدہ کا مطالبہ کر رہا ہے۔ اس کے سو سپاہیوں کا قافلہ کابل کے نواح میں پہنچا ہوا ہے۔ یوں بھی ہم سوچ رہے تھے کہ ان بیگمات کو ہندال کے پاس پہنچا دیا جائے۔ آپ اسے اختری جیسی معمولی خادمہ کا مطالبہ نہ سمجھیں۔ اپنی توہین محسوس نہ کریں۔ اس وقت ان بیگمات کو رہا کر دینا ہماری بہترین حکمتِ عملی ہو گی۔''

وہ بولی۔ ''بے شک۔ تم ہندال کا مطالبہ پورا کرو۔ اُن بیگمات کو یہاں سے باہر بھیج دو۔ میں اختری کو قلعے کی فصیل پر لاتی ہوں۔ وہ اپنی آنکھوں سے انہیں رخصت ہوتے ہوئے دیکھ لے گی۔ اس بدذات نے ہمیں جھکانے کی کوشش کی ہے۔ ہم اس سے بعد میں نمٹ لیں گے۔''

وہ غصے سے چلتی ہوئی اختری کی خوابگاہ میں آئی۔ پھر بولی۔ ''چلو اٹھو۔ اوپر فصیل پر چلو اور اپنی آنکھوں سے دیکھو! تمام بیگمات رہا ہو کر جا رہی ہیں۔''

اختری اب تک ہاتھ میں خنجر لئے بیٹھی ہوئی تھی۔ گل رخ بیگم نے ناگواری سے کہا۔ ''اسے نیام میں رکھو اور خواہ مخواہ اپنے بچے کو ہلاک کرنے کی دھمکی نہ دو۔''

وہ سر جھکا کر بولی۔ ''میں گستاخی کی معافی چاہتی ہوں۔ جب تک تمام بیگمات قلعے سے باہر جاتے ہوئے نظروں سے اوجھل نہیں ہوں گی۔ تب تک میں اسے نیام میں نہیں رکھوں گی..... ایک اور عرض ہے۔''

وہ غصے سے بولی۔ ''بکو۔ کیا بکنا چاہتی ہو؟''

''یہاں سے فصیل تک میرے آس پاس اور آگے پیچھے کوئی اُردا بیگنی نہیں ہو گی۔ صرف میری خاص خدمت گار صبا روحی رہے گی۔''

خواجہ سرا صبا روحی کو طلب کیا گیا۔ پھر وہ تینوں وہاں سے فصیل پر آئے۔ قلعے کے باہر بیگمات کو پردے میں لایا گیا تھا۔ انہیں ان گاڑیوں میں بٹھایا جا رہا تھا' جنہیں گھوڑے کھینچ کر لے جایا کرتے تھے۔

پھر وہ قافلہ وہاں سے روانہ ہو گیا۔ اختری گل رخ بیگم اور خواجہ سرا صبا روحی سے دور کھڑی خنجر کی نوک کو پیٹ پر رکھے انہیں جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ جب وہ قافلہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تو اس نے خنجر کو نیام میں رکھ لیا۔

ایسے ہی وقت دور کھڑی ہوئی اُردا بیگنیاں قریب آ گئیں۔ ان میں سے ایک نے اس سے خنجر چھین لیا۔ گل رخ بیگم نے قریب آتے ہی اس کے منہ پر ایک زوردار طمانچہ رسید کیا۔ پھر دوسرا طمانچہ رسید کرتے ہوئے کہا۔ ''کمینی....! بدذات! تجھے ذرا سر پر بٹھایا تو اپنی اوقات بھول گئی۔ مجھ سے اپنا مطالبہ منوا رہی تھی۔''

وہ اسے مارتی جا رہی تھی اور بولتی جا رہی تھی۔ خواجہ سرا صبا روحی کا دل دکھ رہا تھا۔ آنکھوں میں آنسو آ رہے تھے۔ لیکن وہ اختری کی حمایت میں کچھ بول نہیں سکتا تھا۔ اگر ایک لفظ بھی منہ سے نکالتا تو ننگی تلواریں لئے پھرنے والی اُردا بیگنیاں اس کا سر قلم کر دیتیں۔

گل رخ بیگم کے حکم سے اختری کو عقوبت خانے میں پہنچا دیا گیا۔

وہاں اس نے اُردابیگنیوں سے کہا۔ ’’اسے اس طرح اذیتیں پہنچاؤ کہ یہ زندہ رہے۔ دائی نے کہا ہے، اگلے ماہ تک زچگی ہو گی۔ بچے کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ اسے صحیح سلامت پیدا ہونا چاہئے۔‘‘

کامران مرزا کو پتہ چلا تو اس نے اپنی والدہ کو طلب کیا۔ گل رخ بیگم نے آ کر کہا۔ ’’ہم اس بدذات کو ہمیشہ پاؤں تلے کچلتے رہیں گے۔‘‘

کامران نے کہا۔ ’’آپ غصہ تھوک دیں۔ حکمتِ عملی سے کام لیں۔ یہ تو سوچیں، جب بچہ ہوگا تو ماں کی بھی ضرورت ہوگی۔ وہ ہمارے سکھانے پڑھانے کے مطابق یہ کہے گی کہ بچہ خالص برادر بادشاہ کا ہے تو وہ یقین کر لیں گے۔ اگر آپ اس کے دل میں نفرت پیدا کریں گی تو وہ برادر بادشاہ کی حمایت حاصل ہوتے ہی ہمارے خلاف زہر اگلنے لگے گی۔ انہیں سچ بتا دے گی کہ بچے میں ملاوٹ ہو چکی ہے۔‘‘

’’وہ ایسا کچھ نہیں کہے گی۔ ہم عورت کے من سراج کو خوب سمجھتے ہیں۔ وہ اپنے ہونے والے بیٹے کو بادشاہ بنانے کے خواب دیکھ رہی ہے اور بادشاہ تو تب ہی بنا سکتی ہے، جب وہ تمہارے گناہ پر پردہ ڈالے گی اور خود کو پاک دامن کہتی رہے گی۔‘‘

وہ قائل ہو کر بولا۔ ’’بے شک۔ ہم اس کے تعاون کے محتاج ہیں اور وہ ہماری محتاج ہے۔ پھر بھی آپ غصہ کم کریں۔ دو چار گھنٹے بعد اسے عقوبت خانے سے نکال کر خوابگاہ میں پہنچا دیں۔ زیادہ ظلم مناسب نہیں ہوگا۔‘‘

وہ ماں کو سمجھانے کے انداز میں حکم دے کر چلا گیا۔ دوسری طرف عقوبت خانے میں اُردابیگنیاں اختری کی پٹائی کر رہی تھیں۔ اس کے دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر رسّی کے ذریعہ دونوں طرف کے ستونوں سے باندھ دیا گیا تھا اور ننگے فرش پر لٹا دیا گیا تھا۔ اس پر اس طرح چابک پڑ رہے تھے کہ لباس پھٹتا جا رہا تھا اور گورے بدن پر لہو کی لکیریں پڑتی جا رہی تھیں۔ ہر چابک پر احساس ہو رہا تھا کہ وہ غلطی کر رہی ہے۔ شر پسندوں سے خیر کی توقع کر رہی ہے۔

اس کا ضمیر اس سے پوچھتا تھا۔ ’’کیا وہ اپنے بادشاہ کو خالص تحفہ دینے والی ہے یا جھوٹ بول کر اسے دھوکہ دینے والی ہے؟

کیا اسے نجومیوں کی پیشگوئی کو پتھر کی لکیر سمجھ لینا چاہئے؟ کیا یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ کبھی کبھی کوئی پیش گوئی غلط بھی ہو جاتی ہے۔ پھر یہ کہ نجومیوں نے واضح الفاظ میں یہ نہیں کہا تھا کہ وہ جس بیٹے کو جنم دے گی۔ وہ خالص ہمایوں کا ہو گا؟ لوگ دودھ میں پانی ملاتے ہیں۔ کیا وہ لہو میں پانی ملا کر اپنے بادشاہ کو پیش کرے گی؟‘‘

گل رخ بیگم نے وہاں آ کر اُردابیگنیوں کو حکم دیا۔ ’’اب بس کرو۔ اسے اس کی خوابگاہ میں پہنچا دو۔ شاہی طبیب سے کہو۔ اس کے زخموں پر مرہم لگائے۔‘‘

اس کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ اسے عقوبت خانے سے خوابگاہ میں پہنچا دیا گیا۔ زخموں کی مرہم پٹی ہونے کے بعد شاہی محل کی دو دائیوں نے آ کر معائنہ اس کا کیا پھر بیان دیا کہ بچہ صحیح سلامت ہے۔ دس پندرہ دنوں میں زچگی ہو سکتی ہے۔

گل رخ بیگم نے ان سب کو وہاں سے جانے کا حکم دیا۔ پھر ان کے جانے کے بعد اسے ناگواری سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ’’تم نے دیکھ لیا کہ اپنی اوقات میں نہ رہنے کا انجام کیا ہوتا ہے؟ تمہیں اس سے بھی زیادہ بدترین سزائیں دی جا سکتی تھیں۔ لیکن آئندہ تم ہم سے تعاون کرنے والی ہو اور ہم تمہارا ساتھ دینے والے ہیں۔ جب تک ہم ساتھ نہیں دیں گے اس وقت تک تم اپنے ہونے والے بیٹے کو ہمایوں کا جانشین نہیں بنا سکو گی۔

ہم جا رہے ہیں۔ ٹھنڈے دماغ سے سوچو کہ آئندہ تمہیں عقل سے کام لینا چاہئے یا ہم سے برتر ہونے کی نادانی کرنی چاہئے؟‘‘

وہ چلی گئی۔ دروازے کو باہر سے بند کر دیا گیا۔ اختری چاروں شانے چت پڑی محل کی چھت کو اور قیمتی فانوس کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے کتنی قیمتی آرزو کی تھی اور اب کس حال کو پہنچی ہوئی تھی؟ کچھ حالات کے چابک پڑے تھے، کچھ ضمیر نے سمجھایا تھا کہ وہ ایک ایسی ماں ہے جو خود اپنے بچے کے بارے میں فیصلہ نہیں کر سکتی کہ اس کا باپ کون ہے؟ وہ صرف بادشاہ ہوتا تو اسے دھوکہ دیتی رہتی۔ لیکن وہ تو محبوب تھا۔ اس کے جسم و جان میں سمایا ہوا تھا۔ رگ رگ میں لہو کی طرح دوڑتا رہتا تھا۔ پھر وہ اپنے پیارے کو ایسے لہو کا تحفہ کیوں دیتی جسے ایک کتا منہ لگا چکا تھا؟

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ پھر پلنگ سے اتر کر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ایک چاندی کی

صندوقچی کے پاس آئی۔ اس میں اس کے زیورات رکھے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان ایک چھوٹی سی ڈبیا تھی۔ اس نے وہ ڈبیا اٹھالی۔ اسے مٹھی میں لے کر اپنے سینے سے لگالیا۔

شاہی محل کی بیگمات کو اور شہزادیوں کو ایسی چھوٹی سی ڈبیا یا ہیرے ضرور دیئے جاتے تھے۔ تاکہ دشمن کبھی فاتح بن کر محل میں گھس آئے' ایسے وقت عزت آبرو سے مرنا مقصود ہو تو ہیرا چاٹ لیا جائے یا اس ڈبیا کی دو چار گولیاں حلق سے اتار لی جائیں۔

دشمن تو کب کا آکر لوٹ مار کر چکا تھا۔ اسے داغدار بنا چکا تھا۔ اب ضمیر جاگ رہا تھا۔ محبت اب اس کے اندر چیخ رہی تھی کہ اپنے محبوب کو جھوٹا مال نہیں دینا چاہئے۔ اس نے پانی کے چند گھونٹ کے ساتھ دو چار گولیاں حلق سے اتار لیں۔ پھر پلٹ کر بستر کی طرف جانے لگی۔ لیکن زہر بہت ہی زود اثر تھا۔ وہ وہاں تک پہنچ نہیں پائی۔ لڑکھڑا کر فرش پر گر پڑی۔

"آہ میرے بادشاہ! تیری ایک رات کی دلہن جا رہی ہے۔ میرا ضمیر مطمئن ہے کہ میں نے تجھے دھوکہ نہیں دیا۔ میرے اندر جو ملاوٹ کی گئی تھی۔ اسے میں نکال کر جا رہی ہوں۔"

وہ چاروں شانے چت ہوگئی۔ زہر ایسا زود اثر تھا کہ اسے بہت زیادہ اذیتوں سے گزرنا نہیں پڑا۔ جلد ہی دیدے پھیل گئے۔ دم نکل گیا۔ اس زہر کے اثر سے حمل بھی ساقط ہوگیا تھا۔ لباس لہو سے تربتر ہو رہا تھا اور وہ لہو فرش پر ایک طرف بہتا جا رہا تھا۔

وہ متنازعہ لہو تھا۔ اس لئے پانی کی طرح بہہ گیا تھا۔ بعد میں محل کی دائیوں نے گوشت کی لوتھڑے کو دیکھ کر بیان دیا کہ بیٹا ہوا تھا۔

اس واقعہ کے چار ماہ بعد ۵ رجب ۹۴۹ھ بمطابق ۱۵ اکتوبر ۱۵۴۲ عیسوی میں حمیدہ بانو بیگم نے شہزادہ اکبر کو جنم دیا۔ ماہم بیگم ایک پوتے کو گود میں کھلانے کی آرزو کرتی رہتی تھی۔ اسے دنیا میں لانے کے لئے طرح طرح کے جتن کر چکی تھی۔ لیکن جب وہ پیدا ہوا تو اس سے بہت پہلے ہی وہ وفات پا چکی تھی۔

ہمایوں اس حقیقت سے بے خبر رہا کہ اختری نے کس طرح کسمپرسی میں جان دی

ہے؟ اس کے سوتیلے جو ایک ہی باپ کے لہو سے تھے۔ اس ماں بننے والی کے ذریعے پھر لہو کا فریب دینے والے تھے۔ لیکن وہ باؤلی محبت کرنے والی اس فریب کو..... اس لہو کو پانی کر کے دنیا سے جا چکی تھی۔

(ختم شد)

تاریخی پس منظر کے مآخذ

پہلی کہانی۔ "ایک رات کی ملکہ" کے حوالہ جات...

تاریخ داؤدی : مصنف۔ عبداللہ۔
منتخب التواریخ: عبدالقادر بدایونی
بابر: پروفیسر سری رام شرما
خلاصۃ التواریخ: سبحان رائے بٹالوی
رائز اینڈ فال آف مغل ایمپائر: ڈاکٹر رام پرشاد ترپاٹھی
تاریخ فرشتہ: محمد قاسم ہندوشاہ

☆☆☆

تاریخی پس منظر کے مآخذ

دوسری کہانی۔ "ہائے لہو ہائے پانی" کے حوالہ جات

ہمایوں نامہ: گل بدن بیگم
اے ہسٹری آف ہمایوں: اے ایس بیوریج
تذکرۃ الواقعات: آفتابچی جوہر
امپریل ٹریژری آف
دی انڈین مغلو: عبدالعزیز
بادشاہ نامہ: محمد وارث

☆☆☆

درمیاں والے

راندہء درگاہ کسی کو کہا جا سکتا ہے تو وہ ہمایوں تھا۔ مقدر کی بارگاہ سے بار بار ٹھکرایا جا رہا تھا۔ ایسی بے بسی' بے کسی اور لاچاری سے جگہ جگہ بھٹک رہا تھا کہ بعض اوقات ہوش سے بیگانہ ہو جاتا تھا۔ تکالیف اور صدمات سے ٹوٹ کر چور چور ہو کر کبھی نیم مردہ سا ہو جاتا تھا۔ کبھی اپنی ذات کو بھول کر صرف اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا اور توبہ کرتا رہتا۔ اپنی جانی انجانی غلطیوں کی معافیاں مانگتا رہتا تھا۔

دیکھا جائے تو وہ گناہ گار نہیں تھا۔ اس نے کبھی جان بوجھ کر کوئی غلطی نہیں کی۔ کبھی انجا ...میں کوئی خطا سرزد ہو جاتی اور بعد میں خبر ہوتی تو وہ اس کی بھرپور تلافی کرتا تھا۔ کوشش کرتا تھا' کبھی کسی وقت کی نماز قضاء نہ ہو۔ اس کے دل میں خوف خدا تھا۔ محلات کی شہزادیاں ہوں یا کنیزیں.... جو بھی پسند آتی تھیں' اُن سے نکاح ضرور پڑھایا اور جسے شریک حیات بنایا' اس سے بھرپور محبت کی' اس کی ہر ضرورت پوری کی۔ اختری کے ساتھ

ایک رات گزارنے کے بعد اس پر توجہ نہ دے سکا۔ لیکن اپنی والدہ سے یہ کہہ چکا تھا کہ اس کا پورا خیال رکھا جائے۔ اسے زیادہ سے زیادہ عزت دی جائے اور مرتبہ بلند کیا جائے۔

یوں بھی ان دنوں اس کی کوئی دوسری بیوی نہیں تھی۔ ایک بیگہ بیگم تھی' جسے غلطیوں کی سزا دی گئی تھی اور اس سے علیحدگی اختیار کر لی گئی تھی۔ چونکہ اختری واحد شریک حیات رہی۔ اس لئے اسے ملکہ معظمہ کا درجہ حاصل تھا۔

لیکن وہ بدنصیب تھی۔ حالات نے اسے دربدر کر دیا تھا۔ تقدیر حمیدہ بانو کو ہمایوں کی زندگی میں لے آئی تھی۔ اختری کی اہمیت اس لئے تھی کہ وہ ایک بیٹے کی ماں بننے والی تھی۔ ابھی ہمایوں کو یہ معلوم نہیں ہو سکتا تھا کہ اس بیچاری پر کیا گزر چکی ہے؟ ادھر حمیدہ بانو نے ایک بیٹے (اکبر) کو جنم دیا تھا۔ ان حالات میں اختری کی اہمیت اس لئے کم ہو گئی کہ اس بیچاری کا کوئی خاندانی پس منظر نہیں تھا۔ حمیدہ بانو اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ اس کے حسب و نسب کے پیش نظر اسی کے بیٹے اکبر کو فوقیت حاصل ہو گئی۔

بدترین حالات نے ماہم بیگم اور اختری کو اس سے چھین لیا تھا۔ نہ تو وہ اپنی ماں کی خیریت معلوم کر سکتا تھا اور نہ ہی اپنے بچے کی ماں بننے والی اختری کی کوئی خبر لے سکتا تھا۔ جب حالات کی جلتی ہوئی دھوپ میں ایک ٹھنڈی میٹھی خوشخبری ملی کہ حمیدہ بانو کے بطن سے ایک بیٹا پیدا ہوا ہے تو اس خبر نے اس کی تکالیف کو بدبختی کے احساسات کو کم کر دیا۔ اس کے اندر ایک نیا حوصلہ پیدا ہوا کہ وہ اس ولی عہد اکبر کے لئے اپنے باپ فردوس مکانی (بابر) کی کھوئی ہوئی سلطنت دوبارہ حاصل کرے گا۔

وہ اتنی بڑی خوشخبری ماں تک پہنچانا چاہتا تھا۔ یہ بھی معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اختری زچگی سے فارغ ہو گئی ہے یا نہیں؟ اس نے ایک بیٹے کو جنم دیا ہے یا نہیں؟

وہ امرکوٹ جا کر اپنے بیٹے اکبر کو دیکھنے کے لئے بیتاب تھا۔ لیکن اس کے خلاف سازشوں کا سلسلہ ختم نہیں ہو رہا تھا۔ جیسل میر کے راجہ نے اسے پیغام بھیجا تھا۔ ''بادشاہ ہمایوں کا سواگتم ہے۔ ہم آپ کے سیوک ہیں۔ اس رجواڑے کو اپنا سمجھ کر اوشے پدھاریں۔ ہم آپ کی سیوا کے لئے حاضر ہیں۔''

راجہ کی دھرم پتنی رانی سُمترا۔ نے کہا۔ ''ہمایوں کی مہمان نوازی آسان نہیں ہو

گی۔اس کے ساتھ ہزاروں سپاہی ہوتے ہیں۔ان سب کو کھلانے پلانے کے لئے ہر روز سینکڑوں من اناج درکار ہوگا۔“

راجہ نے کہا۔”اری بھاگوان!تم چنتا کیوں کرتی ہو؟میں کچھ سوچ سمجھ کر ہی ہمایوں کو یہاں آنے نیوتا دے رہا ہوں۔“

وہ بولی۔”یہ بھی تو سوچیں کہ وہ صرف اناج کے بھوکے نہیں ہوں گے۔عورتوں کے بھوکے ہوں گے۔پتہ نہیں کتنی مدت سے اپنا وطن چھوڑ کر اپنا گھر چھوڑ کر نکلے ہوئے ہیں۔یہاں آتے ہی ہماری رعایا کی بہو بیٹیوں پر پل پڑیں گے۔جب واپس جائیں گے تو پتہ چلا گے کہ ہمارے راج کی سینکڑوں کنواریاں مائیں بننے والی ہیں۔“

”تم بڑی دور کی سوچتی ہو اور بڑی دور کی بولتی ہو۔میں تو ہمیشہ نزدیک کی بات سوچتا ہوں۔آج کے بعد کل اور کل کے بعد پرسوں نہیں ہونے دیتا۔اگر ہمایوں کا لشکر آج یہاں پہنچے گا تو میں ایسی چال چل رہا ہوں کہ وہ کل کسی کام کا نہیں رہے گا۔“

رانی نے حیرانی سے پوچھا۔”آپ ایسا کیا جادو کرنے والے ہیں؟“

”تم راج پاٹ کے ہتھکنڈوں کو نہیں سمجھتی ہو۔ہمایوں شیر خان سوری سے ہار کر منہ چھپا کر ادھر آرہا ہے۔شیر خان سے میری بات ہوگئی ہے۔اگر میں ہمایوں کے پورے لشکر کو اپنی زمین پر بلاؤں گا تو اسی رات شیر خان سوری کی فوج اسے چاروں طرف سے گھیر لے گی۔اس بار ہمایوں کو بھاگنے کا موقع نہیں ملے گا۔شیر خان اسے قید کرلے گا یا جان سے مار دے گا۔یہ اس کا اپنا معاملہ ہے۔لیکن میرے وارے نیارے ہوجائیں گے۔شیر خان سوری نے وعدہ کیا ہے کہ میرے راج کے آس پاس کی جو زمینیں ہیں۔وہ مجھے دے دی جائیں گی اور وہ میری چھوٹی سی فوج کے لئے پچاس بندوقیں بھی دے گا۔اس کے سپاہی ہمارے سپاہیوں کو بندوقیں چلانا سکھائیں گے۔“

رانی نے کہا۔”میں نے ہمایوں کے بارے میں سنا ہے کہ وہ دیوتا سمان ہے۔غریبوں سے بہت محبت کرتا ہے۔اس نے ایک غریب سقہ کو اپنے تخت پر بٹھایا تھا۔اپنا تاج پہنایا تھا اور اسے بہت ساری دولت بھی دی تھی۔آپ اس کے برے وقت میں اس کے کام آئیں گے تو وہ بھی آپ کو مالا مال کر دے گا۔“

”وہ کیا مالا مال کرے گا؟اس تو کا راج پاٹ چھن گیا ہے۔تمام خزانوں پر شیر خان نے قبضہ جمالیا ہے۔وہ بالکل کنگال ہوگیا ہے۔اس کے پاس تو اپنے رہنے کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔تم مجھے نہ سمجھاؤ۔میں عورت کی عقل سے نہیں۔اپنی بدھی سے کام کرتا ہوں۔“

اس نے اپنے سالے سے کہا۔”میں ہمایوں کے نام ایک چٹھی لکھ رہا ہوں۔تم ہرکارے بن کر اس کے پاس جاؤ اور یہ اسے دے دو۔“

رانی سمترا نے بڑی رازداری سے اپنے بھائی کو کمرے میں بلایا۔پھر کہا۔”میں نے تمہارے جیجاجی سے چھپا کر ایک چٹھی لکھی ہے۔تم اسے بھی بادشاہ ہمایوں تک پہنچا دو۔“

وہ دونوں چٹھیاں لے کر اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا ہمایوں کے پاس پہنچ گیا۔اس نے پہلے راجا کا خط پیش کی۔ہمایوں نے اسے پڑھ کر کہا۔”تم ایک گھڑی آرام کرو۔ہم ابھی جواب لکھ کر دیں گے۔“

اس نے کہا۔”جواب لکھنے سے پہلے اسے بھی پڑھ لیں۔“

اس نے وہ دوسری چٹھی پیش کی۔ہمایوں نے پوچھا۔”یہ کس نے لکھی ہے؟“

اس نے جواب دیا۔”میں دراصل چٹھیاں لانے والا ہرکارہ نہیں ہوں۔راجہ کا سالا اور رانی سمترا کا بھائی ہوں۔یہ میری بہن نے آپ کے نام لکھی ہے۔“

ہمایوں اسے کھول کر پڑھنے لگا۔اس نے لکھا تھا۔”بھائی ہمایوں...!میں آپ کو دیوتا سمان بھائی مان کر یہ لکھ رہی ہوں۔میرے پتی دیو آپ کے شبھ چنتک نہیں ہیں۔انہوں نے شیر خان سوری سے معاملہ کیا۔جب آپ اپنے لشکر کے ساتھ یہاں آئیں گے تو شیر خان اچانک ہی رات کے اندھیرے میں حملہ کرے گا۔میرے پتی آپ سے دشمنی کر رہے ہیں۔لیکن مجھے بہن مان میرے پتی کی اس غلطی کو معاف کردیں۔ایک بہن کے اس پیار کو سمجھیں کہ میں اپنے پتی سے چھپ کر یہ چٹھی لکھ رہی ہوں۔آپ کی بھلائی چاہتی ہوں۔اس لئے ادھر آنے کا کشٹ نہ کریں۔کوئی ایسا جواب لکھ بھیجیں کہ مجھ پر الزام نہ آئے اور میرے پتی بھی مجھ سے ناراض نہ ہوں۔آپ کی شبھ چنتک بہن۔رانی سمترا.....“

ہمایوں نے اس خط کو چومتے ہوئے کہا۔”ہم اپنی بہن کے پیار کو اور اس کی عظمت کو سلام کرتے ہیں۔اس نے وقت سے پہلے ہمیں خطرے سے آگاہ کیا ہے۔“

اس نے ایک خط میں اسی طرح عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے بہن کو سلام پیش کیا۔ کہا۔ ”ہمارے حالات سازگار ہوئے تو ہم ضرور اپنی بہن کے پیار کا یہ قرض چکائیں گے۔“

اس نے دوسری چٹھی راجہ کے نام لکھی۔ ”آپ نے نیوتا دیا ہے۔ ہمیں آپ کی زمینوں پر آکر بہت خوشی ہوگی۔ لیکن ہم موجودہ حالات میں پھونک پھونک کر قدم رکھ رہے ہیں۔ فی الحال اپنے چھوٹے لشکر کے ساتھ آپ کی طرف نہیں آسکیں گے۔ ہمارا بھائی ہندال اپنے لشکرِ جرّار کے ساتھ یہاں آنے والا ہے۔ ہم دونوں بھائی شیر خان سوری سے جنگ لڑنے کے لئے اپنی فوجی قوت بڑھا رہے ہیں۔ فتح حاصل کرنے کے بعد آپ سے ضرور ملیں گے۔ فی الوقت معذرت خواہ ہیں۔“

اس نے اس جھوٹے اور فریبی راجہ کو یہ جھوٹ لکھ دیا کہ ہندال لشکر جرّار کے ساتھ آرہا ہے۔ وہ دونوں بھائی مل کر شیر خان سوری کو شکست دینے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ یہ تحریر پڑھ کر وہ یقیناً مرعوب ہو جاتا اور یہ خبر شیر خان تک بھی پہنچتی کہ ہمایوں بالکل ہی کمزور نہیں ہے۔ اسے سندھ کے اس دور دراز علاقے میں آکر ہمایوں سے مقابلہ کرنا بہت مہنگا پڑے گا۔

اس کے اس خط نے واقعی اپنا کام دکھایا۔ جیسل میر کے راجہ نے شیر خان سوری کو لکھ بھیجا۔ ”جہاں پناہ کی جے ہو... ہم نے بادشاہ ہمایوں کے بارے میں غلط اندازہ لگایا تھا۔ وہ اپنی فوجی طاقت بڑھاتا جا رہا ہے۔ اس کا بھائی ہندال اپنے بھاری لشکر کے ساتھ اس کے پاس آرہا ہے۔ ہوسکتا ہے اس کے دوسرے بھائی بھی اپنے اپنے لشکر لے کر اس سے آملیں۔ ابھی آپ ادھر آنے کا کشٹ نہ کریں۔“

شیر خان سوری نے کامران مرزا سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ اس کے لئے آگرے تک پہنچنے کا راستہ آسان کرے گا تو وہ اس کے بدلے میں لاہور کو کامران مرزا کے حوالے کر دے گا اور اپنے لشکر کے ساتھ کبھی ادھر کا رخ نہیں کرے گا۔

پھر کامران مرزا نے یہی کیا تھا۔ ہمایوں کو دھوکے سے لاہور بلوایا تھا۔ اس طرح شیر خان سوری نے بڑی آسانی سے آگرہ اور دہلی پر قبضہ جمالیا تھا۔ اس قدر کامیابیاں حاصل کرنے کے بعد وہ اپنی زبان سے پھر گیا۔ اس نے کامران مرزا سے صاف صاف کہہ

دیا کہ وہ پورے ہندوستان پر حکومت کرنا چاہتا ہے۔ لہٰذا وہ لاہور چھوڑ کر کابل چلا جائے۔ وہ اس طرف کبھی نہیں آئے گا۔

کامران مرزا اور عسکری مرزا نے شیر خان سے دوستی کرنے کے لئے اپنے ہمایوں بھائی سے دشمنی کی تھی۔ اب شیر خان کی وعدہ خلافی پر وہ اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے تھے۔ ان میں اتنا دم خم نہیں تھا کہ اس کا مقابلہ کرتے۔ لہٰذا چپ چاپ لاہور چھوڑ کر کابل چلے گئے۔ ہندوستان پر نہ تو وہ خود حکومت کر سکے تھے اور نہ ہی ہمایوں کو کرنے دی تھی۔

اب شیر خان سوری نے جیسل میر کے راجہ کا خط پڑھ کر سوچا۔ ”جو جھوٹے اور فریبی ہوتے ہیں۔ ہم ان سے نہ تو دوستی کرتے ہیں اور نہ ہی کیا ہوا وعدہ پورا کرتے ہیں۔ کامران مرزا اور عسکری مرزا جب اپنے بھائی کے نہ ہوئے تو وہ ہمارے کیا ہوتے؟ انہوں نے ایک ہی باپ کی اولاد ہو کر ہمایوں سے بدترین دشمنی کی۔ ایسے لوگ اپنے باپ کے بھی نہیں ہوتے۔ اس لئے ہم نے انہیں بھی ہندوستان سے بھگا دیا۔“

اب راجہ کا خط پڑھ کر شیر خان سوری کو یہ یقین ہوگیا کہ کامران مرزا اور عسکری مرزا اس سے دھوکہ کھانے کے بعد یقیناً اپنے بھائی ہمایوں سے متحد ہوگئے ہوں گے۔ ان کی فوجی قوت بہت بڑھ گئی ہوگی۔ لہٰذا دہلی اور لاہور کا تخت چھوڑ کر آگے نہیں بڑھنا چاہئے۔ جب وہ تمام بھائی متحد ہو کر ادھر آئیں گے تو دیکھا جائے گا۔

امرکوٹ کا راجہ رانا پرشاد دل حمیدہ بانو بیگم اور ہمایوں کا میزبان تھا۔ وہ اپنا دکھڑا سناتے ہوئے بولا۔ ”قریبی علاقے کے جانی بیگ نے میرا کچھ علاقہ چھین لیا ہے۔ آپ مہربانی کر کے میری جاگیر مجھے واپس دلائیں۔“

اس کی دوسری شکایت یہ تھی کہ دوسرے علاقے کے شاہ حسین نے کچھ عرصہ پہلے اس کے باپ کو قتل کیا تھا۔ وہ شاہ حسین کے مقابل کمزور ہے۔ اپنے باپ کے قتل کا بدلہ نہیں لے سکتا۔

ہمایوں نے ان دونوں پر باری باری لشکر کشی کی۔ جانی بیگ کو اس کے اپنے علاقے سے بھی بھاگ جانے پر مجبور کر دیا اور شاہ حسین کو گرفتار کر لیا گیا۔

ہمایوں نے کہا۔ ”تم نے ہمارے معزز میزبان کے باپ کو قتل کیا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ

تم نے ایک ہندو کو قتل کیا تھا۔ تم مسلم ہو اور الحمدللہ ہم بھی مسلمان ہیں۔ تمہیں سزائے موت نہیں دے سکتے۔"

شاہ حسین نے کہا۔ "آپ انصاف پسند بادشاہ ہیں۔ دل میں خوف خدا رکھتے ہیں۔ خدارا ہمیں سزا نہ دیں۔"

"ہم خدا کے خوف سے انصاف کا تقاضہ بھی پورا کرنا چاہتے ہیں۔ ہندو ہو یا مسلمان۔ انصاف سب کے لئے برابر ہونا چاہئے۔ یہ بتاؤ' تم نے اسے قتل کیوں کیا تھا؟"

اس نے جواب دیا۔ "زمین کے ایک ٹکڑے کے لئے جھگڑا ہوا تھا۔ اس نے تلوار سونت لی تو ہم بھی مقابلے پر آ گئے۔ میں تلوار کا دھنی ہوں۔ مقابلہ شروع ہوتے ہی میں نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔"

ہمایوں نے نیام سے تلوار نکالتے ہوئے کہا۔ "ہم نے بھی تلوار سونت لی ہے۔ چلو۔ ہمیں بھی اپنی تلوار کے جوہر دکھاؤ۔"

وہ پریشان ہو کر بولا۔ "آپ بادشاہ ہیں۔ میں آپ سے کیسے لڑ سکتا ہوں؟"

"راجہ رانا پرشادل کا باپ بھی ایک راجہ تھا۔ تم نے اس سے مقابلہ کیا۔ لہٰذا باتیں نہ بناؤ۔"

اس کے حکم کے مطابق شاہ حسین کو تلوار دی گئی۔ ہمایوں نے کہا۔ "یہاں ہمارا سپہ سالار اور دوسرے تمام سپاہی سن رہے ہیں۔ ہم وعدہ کرتے ہیں' اگر تم نے ہمیں بھی موت کے گھاٹ اتار دیا تو یہ تمہیں سزا نہیں دیں گے' بلکہ رہا کر دیں گے۔"

یہ سنتے ہی شاہ حسین نے اس پر حملہ کیا۔ ہمایوں نے اس کے حملے کو روکا۔ پھر دونوں میں تلوار بازی کا مقابلہ شروع ہو گیا۔ لوہے سے لوہا ٹکرا رہا تھا۔ ذرا سی دیر میں ہی شاہ حسین کو تلوار کا زخم لگا تو وہ بوکھلا گیا۔ ہمایوں نے کہا۔ "تم تو تلوار کے دھنی ہو۔ بدحواس کیوں ہو گئے؟"

اس نے جوش میں آ کر جوابی حملہ کیا اور یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ جوش میں آنے والے ہوش میں نہیں رہتے۔

ہمایوں نے پینترا بدل کر دوسرا زخم لگایا تو وہ لڑکھڑا گیا۔ ہمایوں کی تلوار تیسری بار

آخری بار اس کے جسم کو کاٹتی چلی گئی۔ وہ زمین پر گرا تو پھر اٹھ نہ سکا۔ تڑپ تڑپ کر وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔

اس کا میزبان رانا پرشادل وہاں موجود تھا۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "دھنواد.. اب ہمارے پتاجی کی آتما کو شانتی ملے گی۔"

ہمایوں نے کہا۔ "ہمیں افسوس ہے' ہم نے آپ کے پتاجی کے خون کا بدلہ نہیں لیا ہے۔ وہ تلوار بازی کے مقابلے میں مارے گئے تھے۔ اگر وہ بھاری پڑتے تو یہ اسی دن مارا جاتا۔"

وہ حیران ہو کر بولا۔ "حضور! میں سمجھا نہیں... آپ نے تو اسے موت کی سزا دی ہے۔ پھر یہ کیوں کہتے ہیں کہ پتاجی کے خون کا بدلہ نہیں لیا ہے؟"

"آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ قانون کے مطابق تلوار کے مقابلے میں دو میں سے کوئی ایک مارا جاتا ہے اور جو بچ جاتا ہے' اسے سزائے موت نہیں دی جاتی۔ انصاف کا تقاضہ پورا کرنا تھا۔ اس لئے ہم نے اس تلوار کے دھنی کو مقابلے پر مجبور کیا۔ یہ حکم دیا کہ مقابلے میں ہم مارے جائیں تو اسے سزا نہ دی جائے۔ بلکہ رہا کر دیا جائے۔ ہم مارے جا سکتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہ تھا۔"

رانا پرشادل نے حیرانی سے پوچھا۔ "آپ نے اتنا بڑا خطرہ مول کیوں لیا؟"

"آپ ہمارے معزز میزبان ہیں۔ آپ نے ایک خواہش کی تو ہمارا فرض تھا کہ اسے پورا کرتے۔ سو پورا کر دیا۔"

پھر اس انصاف پسند بادشاہ نے اپنے ایک ملازم سے کہا۔ "ہمارے لئے پانی رکھو۔ ہم نماز سے پہلے غسل کریں گے۔"

ایسے وقت ایک قاصد نے آ کر یہ خبر سنائی کہ کامران مرزا نے ماہم بیگم، گلبدن بیگم، گلنار آغاچہ اور نارگل آغاچہ کو رہا کر دیا تھا۔ وہ چاروں دلدار بیگم کے پاس آ گئی تھیں۔ وہاں بڑے آرام سے تھیں۔ لیکن ماہم بیگم اچانک بیمار ہو گئیں اور دو دنوں کی بیماری کے بعد وفات پا گئیں۔

اپنی والدہ محترمہ کی وفات کی خبر سن کر ہمایوں صدمے سے نڈھال ہو گیا۔ راجہ رانا پرشادل اور دوسرے امراء اس کے دکھ میں برابر کے شریک تھے۔ وہ اس قدر غم زدہ تھا کہ قاصد

باقی خبریں نہ سنا سکا۔ الٹے قدموں وہاں سے چلا گیا۔ یوں بھی وہ اختری کے بارے میں کوئی صحیح خبر سنا نہیں سکتا تھا۔ جتنی بیگمات کامران مرزا کی قید میں تکالیف اٹھا چکی تھیں۔ وہ سب اختری سے بدظن تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ اختری کامران مرزا اور گل رخ بیگم کے زیر اثر آ گئی ہے۔ ان کے اشاروں پر چلتی ہے۔ اس لئے اسے بڑی عزت سے رکھا گیا ہے۔

ان بیگمات میں سے کوئی اس کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتی تھی۔ کسی نے یہ بھی معلوم کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا کہ اس نے ہمایوں کے بیٹے کو جنم دیا ہے یا نہیں.....؟ چونکہ وہ بدظن ہو گئی تھیں۔ اس لئے یہ تسلیم کرنے کو بھی تیار نہیں تھیں کہ جو پیدا ہوا ہوگا۔ وہ ہمایوں کا ہی بیٹا ہوگا۔

جلال الدین اکبر کی پیدائش کے پینتیس دنوں بعد ہمایوں نے امرکوٹ پہنچ کر بیٹے کو دیکھا۔ پھر اسے دونوں ہاتھوں میں اٹھا کر چومتے ہوئے کہا۔ "خدا کا شکر ہے۔ ہماری مرحومہ آکم مادر کی یہ خواہش پوری ہو گئی۔ افسوس کہ وہ ایک پوتے کو گود میں کھلانے کی حسرت لئے اس دنیا سے چلی گئیں۔"

پھر اس نے حمیدہ بانو سے کہا۔ "تم نے ہم ماں بیٹے کی ایک دیرینہ خواہش پوری کی ہے۔ ہماری نظروں میں تمہارا مرتبہ ہمیشہ بلند رہے گا۔ تم تمام بیگمات سے افضل اور برتر رہا کرو گی۔"

وہ بیٹے کو اسی طرح ہاتھوں میں اٹھائے حرم سے باہر امراء کے درمیان آ گیا۔ تمام حاضرین بچے کے لئے مبارک سلامت کہنے لگے۔

ہمایوں نے کہا۔ "ہم آپ تمام حضرات کے سامنے اعلان کرتے ہیں کہ قسمت نے ساتھ دیا اور ہندوستان پر تیموری خاندان نے پھر سے غلبہ حاصل کیا تو ہمارا یہ لخت جگر جلال الدین اکبر تخت و تاج کا جانشین ہوگا۔"

تمام حاضرین ہاتھ اٹھا کر ہمایوں اور اکبر کی سلامتی کے لئے اور کھوئے ہوئے وقار کی بحالی کے لئے دعائیں مانگنے لگے۔ ہمایوں نے بیٹے کو حمیدہ بانو کی گود میں پہنچایا۔ پھر واپس آ کر ان امراء کے درمیان بیٹھ گیا۔ وہاں مستقبل کے بارے میں بحث ہونے لگی کہ آئندہ کیا ہونا چاہئے اور کیا کرنا چاہئے؟

سوتیلے بھائیوں میں صرف ہندال اس کے ساتھ تھا۔ اس کے پاس کوئی بہت بڑا لشکر نہیں تھا۔ سپاہیوں کے پاس تیر، تلوار اور نیزے تھے۔ لیکن بندوقیں کم تھیں۔ ایک امیر نے کہا۔ "ہندوستان کا رخ کرنے سے پہلے فوجی قوت بڑھانی بہت ضروری ہے۔"

دوسرے امیر نے ہمایوں سے کہا۔ "حضرت جہاں بانی....! آپ کو ایران جا کر فوجی مدد اور اسلحہ حاصل کرنا چاہئے۔"

ایران کے بادشاہ طہماسپ صفوی کے بابر مرحوم سے دیرینہ تعلقات تھے۔ یہ توقع تھی کہ وہاں سے یقیناً فوجی امداد حاصل ہو سکے گی۔

ہمایوں حرم میں آیا تو حمیدہ بانو نے کہا۔ "آپ ہمیں بھی ساتھ لے چلیں۔ شاہ ایران کی ہمشیرہ شہزادی سلطانہ ہماری بچپن کی سہیلی ہے۔ ہر سال جشنِ نوروز مناتے وقت ہمیں نہیں بھولتی۔ ہمارے لئے کوئی نہ کوئی قیمتی تحفہ ضرور بھیجتی ہے۔ ہم اسے آپ کی روداد سنائیں گے تو وہ ہمارے لئے اپنے طور پر ضرور کچھ کرے گی۔"

وہ سفر کی تیاری کرنے لگے۔ اب مسئلہ شیرخوار اکبر کا تھا۔ ایران تک ایک طویل اور دشوار گزار سفر تھا۔ اس ننھے سے بچے کو ساتھ لے جانا مناسب نہیں تھا۔ وہ امرکوٹ سے بھکر آئے۔ دلدار بیگم نے کہا۔ "یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ ہم اپنے پوتے کو سنبھال لیں گے۔ اسے یہاں سے قندھار لے جائیں گے۔ وہاں ہمارا ہندال ہے۔ اس کی پھوپھی گلبدن ہے۔ سب ہی اس کی دیکھ بھال کریں گے۔ تم بے فکر ہو کر ایران کی طرف روانہ ہو جاؤ۔"

پھر اکبر کو دودھ پلانے کی بات نکلی۔ یہ فیصلہ کرنا تھا کہ اس کی دایہ کون ہو گی؟ قنوج کی جنگ کے وقت شمس الدین خان نے بڑی ہی شاندار خدمات انجام دی تھیں۔ اپنی جانثاری کا ایسا مظاہرہ کیا تھا کہ ہمایوں اس سے متاثر ہو گیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کی بیوی ماہم انگہ اکبر کی دایہ کے فرائض انجام دے۔ لیکن یہ فرائض انجام دینے کے لئے اور بھی ایسی کئی خواتین تھیں، جو مرتبے میں ماہم انگہ سے بلند تھیں۔ ان کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

دلدار بیگم نے فیصلہ کیا کہ اکبر کو پہلے چچی انگہ دودھ پلائے گی۔ پھر بچے کو فخر النساء

زوجہ ندیم کوکہ کے حوالے کر دیا گیا۔ اس کے بعد بھی دوسری چند دائیوں نے اکبر کو اپنا اپنا دودھ پلایا۔ آخر مستقل طور پر دودھ پلانے کا اعزاز ماہم انگہ کو ہی حاصل ہوا۔

☆☆☆

گل رخ بیگم پر یہ خبر بجلی بن کر گری کہ اختری اپنی خوابگاہ میں لہولہان پڑی ہوئی ہے۔ وہ معمولی خادمہ اس کے لئے بہت اہم تھی۔ آئندہ اس کے ذریعے بہت بڑی بازی جیتنے والی تھی۔ ہمایوں کے خلاف جتنی سازشیں اور عداوتیں ہو رہی تھیں' اُن کا توڑ یہی تھا کہ جب بھی کامران مرزا اس کی گرفت میں آتا تو ایسے وقت ہمایوں کے سامنے اختری اور اس کے بیٹے کو پیش کر کے معافی کا راستہ ہموار کیا جاسکتا تھا۔

گل رخ بیگم غصے سے بڑبڑاتی ہوئی ایک راہداری سے گزرتی ہوئی اس خوابگاہ میں آئی تو فرش پر اختری کو لہولہان دیکھ کر دم بخود رہ گئی۔ دور تک پھیلا ہوا لہو کہہ رہا تھا کہ حمل ساقط ہو چکا ہے۔ ہمایوں کے جس بیٹے کو مہرہ بنایا جانے والا تھا۔ وہ پیدا ہونے سے پہلے ہی مر چکا ہے۔

اختری نے زہریلی گولیاں کھا کر خودکشی کی تھی۔ زہر اس قدر زود اثر تھا کہ فرش پر گرتے ہی اس کا دم نکل گیا تھا۔ اگر وہ کچھ دیر زندہ رہتی تو شائد بچہ اس کے وجود سے نکل آتا۔

گل رخ بیگم نے حکم دیا۔ ''فوراً دائیوں کو بلاؤ۔''

دو بوڑھی اور تجربہ کار دائیوں کو پیش کیا گیا۔ گل رخ بیگم نے کہا۔ ''دیکھو! بچہ پیٹ میں زندہ ہے یا نہیں؟ جلدی کچھ کرو۔ اگر وہ زندہ نکلا تو ہم تمہیں مالا مال کر دیں گے۔''

بچہ پیٹ میں مکمل تھا۔ دس بارہ دنوں میں زچگی ہونے والی تھی۔ دائیوں نے اپنے آزمودہ حربوں سے اسے نکالا تو اس کے زندہ رہ جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ زود اثر زہر نے اسے گوشت کا لوتھڑا بنا دیا تھا۔

ایک دائی نے کہا۔ ''بیٹا ہوا تھا۔ مگر افسوس...''

گل رخ بیگم نے غصے سے تلملا کر اختری کے منہ پر ایک ٹھوکر ماری۔

''کمینی...! بدذات نے مرتے مرتے ہمارے تمام منصوبوں کو خاک میں ملا دیا ہے۔ کتے کی بچی! مر چکی ہے۔ ہم اسے اور کیسے ماریں؟''

پھر اس نے دائیوں کو غصے سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''جاؤ۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے....''

وہ دونوں سر جھکائے وہاں سے بھاگتی چلی گئیں۔ اس نے اپنے بیٹے کامران مرزا کو وہاں بلایا۔ پھر غصے سے ٹہلنے لگی۔ پاؤں پٹخ پٹخ کر اختری کو گالیاں دینے لگی۔ غصے کی آگ اس قدر بھری ہوئی تھی کہ آتش فشاں بنی ہوئی تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا' اس مرنے والی کے ساتھ کیسا سلوک کرے؟ وہ ایک بردہ بیگنی سے چابک لے کر اس کی لاش پر برسانے لگی۔ ہر چابک پر اسے گالیاں دیتی جا رہی تھی۔

کامران مرزا نے آ کر ماں کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر حیرانی اور پریشانی سے اختری کی لاش کو دیکھنے لگا۔ کچھ بتانے سے پہلے ہی بہت کچھ سمجھ میں آ رہا تھا۔ اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔ ''اوہ خدایا! یہ کیسے ہو گیا؟''

گل رخ بیگم نے گالیاں دیتے ہوئے کہا۔ ''اس نے خودکشی کی ہے۔ اپنے ساتھ بچے کو بھی مار ڈالا ہے۔''

کامران مرزا نے ناگواری سے کہا۔ ''آکم مادر! اگر آپ اس پر ظلم نہ کرتیں تو یہ کبھی اپنی جان نہ دیتی۔''

وہ غصے سے بولی۔ ''ہمیں الزام نہ دو۔ ایسے کم ظرف اور چھوٹے لوگوں کو پاؤں کی جوتی بنا کر رکھو' تب ہی یہ سیدھے رہتے ہیں۔ ہم نے اپنے باپ' دادا پردادا سے جو سیکھا ہے' وہی کیا ہے۔''

''بعض حالات میں ظلم اور تشدد سے نقصان پہنچتا ہے اور وہ ہمیں پہنچ چکا ہے۔ برادر بادشاہ اور ان کی والدہ نے اختری کو سر پر بٹھایا تھا۔ آپ اسے پاؤں کی جوتی بنا رہی تھیں۔ اس نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ آئندہ بھی اسے پاؤں تلے روندا جائے گا۔ جب ماں کے ساتھ ایسا کیا جائے گا تو پھر پتہ نہیں بیٹے کے ساتھ کیسا سلوک کیا جائے گا؟ اس مرنے والی نے بہت کچھ سوچا ہوگا۔ تب ہی جان دی ہے۔''

''کیا تم ہمیں الزام دینے سے باز نہیں آ سکتے؟''

''چلیں۔ ہم الزام نہیں دیں گے۔ آپ بھی غصہ تھوک دیں اور یہ سوچیں' اب ہمیں کیا کرنا چاہئے؟''

"کرنا کیا ہے؟ اس کی لاش قلعے سے باہر پھنکوا دو۔ چیل' کوے اور گدھ اسے نوچ نوچ کر کھائیں گے۔ ہم فصیل پر کھڑے ہو کر دیکھیں گے۔ تب ہی ہمارا کلیجہ ٹھنڈا ہوگا۔"

"آپ پھر غصے سے بول رہی ہیں۔ عقل سے یہ نہیں سوچ رہی ہیں کہ اس کی موت کی خبر ہمایوں تک یہ پہنچے گی تو ہماری یہ بات کبھی نہیں مانی جائے گی کہ اس نے خودکشی کی ہے۔ یہی سمجھا جائے گا کہ ہم نے اُس کے ہونے والے جانشین کو ختم کر دیا ہے۔"

گل رخ بیگم نے قائل ہو کر کہا۔ "ہاں۔ یہ تو ہم نے سوچا ہی نہیں تھا کہ اس ذلیل خادمہ نے خودکشی کر کے ہمیں مجرم بنا دیا ہے۔ ہم ہمایوں کی نظر میں اس کے ہونے والے جانشین کے قاتل بن چکے ہیں۔"

قلعے کے اندر ایک پورا لشکر موجود تھا۔ شاہی محل میں پہرہ دینے والے سپاہیوں کی ایک محدود تعداد تھی۔ حرم میں صرف مسلح اُردابیگنیاں' خواجہ سرا اور کنیزیں تھیں۔ گل رخ بیگم نے کہا۔ "ابھی صرف دو دائیوں کو معلوم ہے کہ یہ مر چکی ہے۔ اردابیگنیاں اور خواجہ سرا ہمارے وفادار ہیں۔ وہ کبھی ہمایوں کے سامنے زبان نہیں کھولیں گے۔"

کامران مرزا نے اردابیگنیوں سے کہا۔ "ان دو دائیوں کو حرم سے باہر نہ جانے دیا جائے۔ کنیزوں کو یہ معلوم نہ ہو کہ اختری نے خودکشی کی ہے۔ آئندہ ہمیں کیا کرنا ہے' یہ ہم ذرا سکون سے سوچیں گے۔"

اس نے غصے سے اختری کی لاش کی طرف دیکھتے ہوئے ماں سے کہا۔ "آپ اپنی خوابگاہ میں چلیں۔ ہم وہاں باتیں کریں گے۔"

پھر اردابیگنیوں سے بولا۔ "باہر رات کی تاریکی پھیلی ہوئی ہے۔ اس لاش کو کپڑے میں لپیٹ کر فصیل پر جاؤ اور پیچھے والی کھائی میں پھینک دو۔ یہاں کے قالین کی اچھی طرح صفائی کراؤ۔ خون کا ایک چھینٹا بھی نظر نہیں آنا چاہیے۔"

وہ حکم دے کر ماں کے ساتھ وہاں سے چلتا ہوا اس کی خوابگاہ میں آیا۔ پھر بولا۔ "ہمیں بار بار یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ برادر بادشاہ بہت ہی خوش بخت ہے۔ اگر اسے ایک طرف سے نقصان ہوتا ہے تو فوراً ہی دوسری طرف سے سنبھلنے کا موقع مل جاتا ہے۔ یہ تو آپ نے پہلے ہی سن لیا تھا کہ اس نے حمیدہ بانو سے نکاح پڑھوا لیا ہے۔"

"یہ ہم نے گیارہ ماہ پہلے سنا تھا۔"

"اب ایک بری خبر سنیں۔ ہمارے مخبر نے اطلاع دی ہے کہ حمیدہ بانو نے ایک بیٹے کو جنم دیا ہے۔"

گل رخ بیگم نے بے یقینی سے پوچھا۔ "کیا واقعی....؟"

"یہ پکی خبر ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اب آپ اندازہ کر سکتی ہیں کہ اختری اور اس کے ہونے والے بچے کی موت سے برادر بادشاہ پر کوئی خاص اثر نہیں پڑے گا۔"

گل رخ بیگم نے کہا۔ "پھر بھی اختری کا یہ بیٹا زندہ رہتا تو ہمایوں کو خوشی ہوتی کہ اس کے دو بیٹے ہیں۔ وہ اپنے اِس بیٹے کی سلامتی اور واپسی کی خاطر تمہاری غلطیوں کو معاف کر دیتا۔ اب کیا ہوگا؟ یہ سوچ سوچ کر پریشانی بڑھ رہی ہے۔ خون خشک ہو رہا ہے۔"

"آپ زیادہ فکر مند نہ ہوں۔ برادر بادشاہ اپنے بدترین حالات سے گزر رہا ہے۔ ایسے آثار نہیں ہیں کہ اسے کہیں سے کوئی بہت بڑی فوجی مدد ملے گی تو وہ ہم چڑھ دوڑے گا۔ آپ جانتی ہیں' ہماری اور عسکری مرزا کی لشکری قوت کتنی ہے؟ وہ ہمارے سامنے ابھی دم نہیں مار سکے گا۔"

"اللہ کرے اسے موت آئے۔ نہ وہ شکست کھاتا ہے۔ نہ فتح حاصل کرتا ہے۔ ابھی نہ تو ادھر کا ہے' نہ ادھر کا۔ مگر اس کی خوش بختی ایک ننگی تلوار کی طرح ہمارے سروں پر لٹک رہی ہے۔"

وہ ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ پھر ایک جگہ رک کر بولا۔ "ایک تدبیر سوجھ رہی ہے۔"

گل رخ بیگم نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ بولا۔ "اگر ہم ابھی سے یہاں ایک نوزائیدہ بچے کی پرورش کریں اور آئندہ کبھی اسے ہمایوں کا بیٹا کہہ کر اس کے سامنے پیش کریں تو کیسا رہے گا؟"

ماں نے خوش ہو کر کہا۔ "بڑی اچھی تدبیر ہے۔ ایسے وقت ہم بیان دیں گے کہ اختری زچگی کے بعد وفات پا گئی تھی۔ ماہم بیگم بھی اس دنیا میں نہیں رہی ہے۔ ہم جس کسی بچے کو ہمایوں کا بیٹا بنا کر پیش کریں گے تو اعتراض کرنے والی کوئی ہستی نہیں رہے گی۔"

وہ بولا۔ ''برادر بادشاہ اگر چہ شک وشبے میں مبتلا رہے گا۔ پھر بھی نجومیوں کی پیشگوئی اسے سمجھاتی رہے گی کہ وہ بیٹا اسی کا ہے۔''

گل رخ بیگم نے کہا۔ ''شک وشبے کی تو کوئی بات ہی نہیں ہے۔ اختری کی خاص خدمت گار روحی صبا ہماری نمک خوار ہے۔ ہم نے لاہور میں ہمایوں سے جھوٹ بولا تھا' اسے فریب دیا تھا کہ اختری پاک دامن ہے۔ اس سلسلے میں صبا روحی نے ہمارے خلاف کوئی بات نہیں کی تھی۔ بلکہ ہمارا ساتھ دیا تھا۔ آئندہ بھی وہ ہمارا ہی ساتھ دے گی۔''

روحی صبا کو طلب کیا گیا۔ وہ فوراً ہی حاضر ہو کر سر جھکا کر بولا۔ ''آپ کی یہ نمک خوار' خدمت گار حاضر ہے۔''

گل رخ بیگم نے کہا۔ ''تجھے یہ سن کر صدمہ پہنچے گا کہ اختری کا حمل ساقط ہو گیا تھا۔ جس کے نتیجے میں وہ جانبر نہ ہو سکی.... وفات پا چکی ہے۔''

روحی صبا کے دل و دماغ کو ایسا دھچکا لگا کہ بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ گل رخ بیگم نے کہا۔ ''ہمیں بھی اس کی موت کا بے حد افسوس ہے۔ تُو ہمارے منصوبوں کو اچھی طرح جانتی ہے۔ ہم اس کے بیٹے کو کبھی نہ کبھی ہمایوں بادشاہ کے سامنے پیش کرنا چاہتے تھے۔''

وہ بولا۔ ''آپ نے ہمیشہ مجھے بھروسے کے قابل سمجھا ہے۔ اپنے رازوں میں شریک کیا ہے اور میں نے کبھی آپ کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائی۔''

کامران مرزا نے کہا۔ ''ہمیں یقین ہے' آئندہ بھی تم ہماری راز دار بن کر رہو گی۔ فی الحال اختری کی موت کو چھپایا جا رہا ہے۔ ہم جلد از جلد ایک ایسا نوزائیدہ بچہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ جو شاہی خاندان کا لگتا ہو۔ اگر فردوس مکانی (بابر) اور برادر بادشاہ سے کچھ مشابہت رکھتا ہو تو یہ اور بھی اچھی بات ہو گی۔ بہر الحال یہ ہمارا معاملہ ہے۔ ہم اس سے نمٹ لیں گے۔ تمہارا بیان یہ ہو گا کہ اختری نے ایک بیٹے کو جنم دینے کے بعد وفات پائی تھی۔''

روحی صبا کے دل سے ایک آہ نکلی۔ ''آہ....! بیچاری بیٹا پیدا کرنے کی حسرت میں مر گئی۔ اس کی جگہ ایک نقلی بیٹا پیش کیا جائے گا۔ یا اللہ! ان شاہی محلوں میں کیسی کیسی سازشیں ہوتی رہتی ہیں؟''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ ''میں حکم کی بندی ہوں۔ آپ جو حکم دیں گے' وہی کروں گی۔ میری ایک التجا ہے۔ مرحومہ اختری کے لئے ایک آخری خواہش ہے۔''

گل رخ بیگم نے کہا۔ ''تمہاری یہ آخری خواہش پوری کی جائے گی۔ بولو کیا چاہتی ہو؟''

''میں چند گھڑی مرحومہ کے پاس بیٹھ کر ماتم کرنا چاہتی ہوں۔''

وہ بولی۔ ''استقاطِ حمل کے باعث وہ لہولہان ہو گئی ہے۔ اس کی صفائی کی جا رہی ہے۔ غسل کے بعد جب کفن پہنا دیا جائے گا تو تم وہاں جا کر ماتم کر سکو گی۔''

قلعے کی پچھلی فصیل کی طرف جو سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ انہیں حکم دیا گیا کہ وہاں سے چلے جائیں۔ محل کی بیگمات اور کنیزیں ہوا خوری کے لئے آ رہی ہیں۔

پچھلی فصیل فوراً ہی خالی ہو گئی۔ کنیزوں اور خواجہ سراؤں کی آمد و رفت پر پابندی لگا دی گئی۔ صرف روحی صبا کو خصوصی اجازت حاصل تھی۔ اس نے ایک اُردا بیگنی سے پوچھا۔ ''اختری کی موت کو فی الحال چھپایا جا رہا ہے۔ پھر اس کی تدفین کیسے ہو گی؟''

وہاں چار اردا بیگنیاں ننگی تلواریں لئے کھڑی تھیں۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ ''اختری کی تدفین نہیں ہو گی۔ اسے یہاں سے پیچھے گہری کھائی میں پھینک دیا جائے گا۔''

روحی صبا یہ سنتے ہی لرز گیا۔ اپنے دل کو یوں پکڑ لیا جیسے مٹھی میں بھینچ کر سارا خون نچوڑ کر مر جانا چاہتا ہو۔ وہ دل ہی دل میں اس سے اتنی محبت کرتا رہا تھا' جیسے عبادت کرتا رہا ہو۔ یوں شدت سے چاہنے والے اپنی محبوبہ پر جان دے دیتے ہیں۔ لیکن اسے مرد سے عورت بنا دیا گیا تھا۔ وہ عورتوں کی طرح ماتم کر سکتا تھا۔ مگر مردانگی کے جوہر دکھانا بھول چکا تھا۔

یوں بھی حالات ایسے تھے کہ اس کی جگہ کوئی شہزور ہوتا تو وہ بھی حاکم کے حکم کے سامنے دم نہ مارتا۔ اگر لڑنا' مرنا اور تلوار کے جوہر دکھانا مردانگی ہے تو وہاں کھڑی ہوئی چار اردا بیگنیاں اس سے زیادہ مردانگی رکھتی تھیں۔ انہیں تلوار چلانے میں مہارت حاصل تھی۔ اگر وہ کسی بات پر ذرا بھی احتجاج کرتا تو ان میں سے کوئی بھی ایک ہی وار میں اس کی گردن اڑا دیتی۔

چند اردا بیگنیاں کفن میں لپٹی ہوئی لاش اٹھا کر لے آئیں۔ پھر اسے فرش پر رکھ

دیا گیا۔ایک نے روحی صبا سے کہا۔''ہمیں حکم ہے' گھڑیالی جیسے ہی گھنٹہ بجائے اسے اٹھا کر پیچھے کھائی میں پھینک دیا جائے۔اس سے پہلے تُو جتنا ماتم کرنا چاہتی ہے۔کر لے۔''

وہ سب ذرا دور جا کر ادھر ادھر کھڑی ہو گئیں۔روحی صبا لاش کے قریب دو زانو ہو کر فرش پر سر پٹختے ہوئے بولا۔''ہائے بد بخت! یہ تیرا کیا انجام ہو رہا ہے؟ کوئی شاہ ہو..... گدا ہو۔سب ہی کو قبر کا آخری گھر ملتا ہے۔تُو جھونپڑی میں رہ کر محلوں کے خواب دیکھتی ہوئی آئی۔آخر تجھے کیا ملا....؟ نہ محل رہا' نہ جھونپڑی رہی۔تجھے تو انسان کا آخری گھر بھی نہیں ملے گا۔''

وہ سینہ پیٹنے لگا۔ہائے ہائے کرنے لگا۔دل ہی دل میں کہنے لگا۔

''ہائے.....! تیرے پیچھے تو کوئی رونے والا بھی نہیں ہے۔میں رو رہی ہوں۔مگر تیری کون لگتی ہوں؟ میں تو ان لمحات میں رو رہا ہوں۔تیرا نامراد عاشق ہوں۔تجھے دور ہی دور سے دیکھتا رہا۔چاہتا رہا۔کبھی حرف مدعا زبان پر نہ لا سکا۔تو ایک روشن جگمگاتے ہوئے آفتاب کی آغوش میں تھی۔وہاں نور ہی نور تھا اور میں ایک ایسا بے نور چراغ ہوں۔جس کی لو بجھا دی گئی ہے۔''

وہ سر پٹختا ہوا لاش کے ذرا اور قریب ہوا۔پھر دھیمی سرگوشی میں بولا۔''میری مردانگی کو باہر سے قتل کیا گیا ہے۔لیکن میں ایک مرد ہوں۔آج میرے اندر کی مردانگی زندہ ہو گئی ہے۔میں کچھ کروں گا.....تیرے لئے ضرور کچھ کروں گا۔

آہ...مگر میں کیا کر سکتا ہوں؟ میرے پاس طاقت ہوتی تو ان لشکر والوں سے ٹکرا جاتا۔اگر دولت ہوتی تو اپنا ایک لشکر تیار کر لیتا۔بس میرے پاس ایک عقل ہے۔اسی عقل سے کچھ کام لوں گا۔ایک چیونٹی بہت کمزور ہوتی ہے۔کسی کو مار نہیں سکتی۔لیکن جب تلملا جاتی ہے تو اسے کاٹ لیتی ہے۔میں آج تیری میت کے سامنے قسم کھاتا ہوں۔تیرے دشمنوں کو ایسے وقت کاٹوں گا کہ انہیں فرار ہونے کا اور ایک بعد دوسری سانس لینے کا موقع نہیں ملے گا۔

آہ....! ظالموں نے مجھے ناکارہ بنا دیا۔نہ ادھر کا رہنے دیا...نہ ادھر کا۔نہ مرد نہ عورت....میں درمیان والا ہوں....''

جو درمیان میں ہو' وہ کیا ہوتا ہے؟

دو دشمنوں کے درمیان تلوار ہوتا ہے اور دوستوں کے درمیان گلاب کا پھول.....

مرد اور عورت کے درمیان ہو تو دیوار۔یہ دیوار دونوں کو منہ کالا کرنے سے روکتی ہے۔

یہ درمیان والے شاہی محلوں کی بیگمات اور شہزادیوں کی عزت آبرو کے محافظ ہوا کرتے تھے۔جب سے یہ وجود میں آئے ہیں' تب سے ان پر کبھی کسی غیر مرد کا سایہ نہیں پڑا۔لیکن ان درمیان والوں کی اپنی زندگی کیا تھی؟

یہ تاریخ کی ان تاریکیوں سے گزرتے ہوئے آئے تھے۔جب انسان کی تاریخ ابتدائے تہذیب سے لکھی جا رہی ہے تو تہذیب کے بدن میں پھوڑا بننے اور بنانے والوں کی تاریخ بھی ضرور بیان کی جانی چاہئے۔

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ انسان ازل سے ہوس پرست ہے۔جب وہ غاروں میں رہتا تھا اور اسے زندگی کی سہولتیں میسر نہیں تھیں۔اپنے لئے اناج اگانا بھی نہیں جانتا تھا۔تب وہ پتھروں کے ہتھیاروں سے جانور کو شکار کر کے ان کا گوشت کھاتا تھا۔جب پیٹ کی آگ بجھتی تو بدن کی آگ سلگنے لگتی تھی۔اس نفسانی آگ کو بجھانا بھی لازمی ہوتا تھا اور ہوتا آ رہا ہے۔

پیٹ کی بھوک اور بدن کی بھوک ہمیشہ پیچھے پڑی رہتی ہے۔تہذیب نے 'مذہب نے' قانون نے اور سخت سے سخت سزا نے نفسانی خواہشات پر پہرے بٹھائے۔دینی قوانین کے مطابق نفسِ عمارہ پر قابو پانا سکھایا۔لیکن بدن سے بدن کی خواہش میں ایسی شورش اور مستی بھری ہوتی ہے کہ انسان تمام حدود کو پھلانگ کر عیاشی کی نت نئی راہیں نکالتا رہتا ہے۔

ایسی ہی ایک راہ یہ نکل آئی کہ عورت سے عورت کی اور مرد سے مرد کی آگ بجھائی جانے لگی۔یہ حقیقت نیشنل جغرافک کی ویڈیوز میں محفوظ ہے کہ آج اکیسویں صدی میں یورپ اور امریکہ کی کئی عدالتوں نے عورت سے عورت کی اور مرد سے مرد کی شادی جائز قرار دے دی ہے۔

کئی گرجا گھروں میں باقاعدہ ان کی شادیوں کے مناظر بھی دکھائے گئے ہیں۔انسانی تاریخ کے دورِ جاہلیت سے یہ سلسلہ شروع ہوا تھا۔امیر کبیر لوگ نوعمر خوبصورت

لڑکوں کو خریدتے تھے۔ جو شہزور ہوتے تھے۔ وہ ان چھوکروں کو اٹھا کر لے جاتے تھے۔ کبھی کبھی قدرتی طور پر ایسے بچے بھی پیدا ہوتے تھے جو نہ لڑکے ہوتے تھے' نہ لڑکی۔ یہ درمیانی مخلوق کبھی کبھی کہیں کہیں دیکھنے میں آتی تھی۔ جہاں پیدا ہوتے تھے' وہاں انہیں فوراً ہی خرید لیا جاتا تھا یا ان کے ماں باپ سے جبراً چھین لیا جاتا تھا۔

تقریباً ساڑھے چار ہزار سال پہلے ملک خطا کے بادشاہ نے سوچا کہ قدرت کے خلاف ایسی درمیانی مخلوق بنائی جا سکتی ہے۔ اس بادشاہ کو جو حسین چھوکرے پسند آتے تھے۔ وہ ان کے لئے حکم دیتا تھا کہ انہیں خصی کر دیا جائے۔

حکیموں کو حکم دیا جاتا تھا کہ وہ بڑی حکمت سے بڑے' آرام سے اور مجرب دواؤں سے ان چھوکروں کو ایسے مرحلے پر پہنچا دیں' جہاں وہ ایسی اذیت برداشت کر سکیں۔

پھر اس سلسلے نے دوسری صورت اختیار کی۔ جو لوگ زنا کے مرتکب ہوتے تھے اور بادشاہ کے خلاف بغاوت کرتے تھے۔ انہیں خصی کرا دینے کا حکم دیا گیا۔ سزا دینے کے لئے بڑی بے رحمی کے ساتھ ایسا کیا جاتا تھا۔ کتنے ہی اذیت برداشت نہ کرنے کی صورت میں مر جاتے تھے جو سخت جان ہوتے تھے۔ وہ زندہ رہتے تھے۔ انہیں محل کی دربانی کرنے اور جھاڑو دینے پر مامور کیا جاتا تھا۔

بادشاہ کی حرم میں بیگمات اور کنیزوں کا میلا لگا رہتا تھا۔ بادشاہ ان سب کو باقاعدہ وقت نہیں دے سکتا تھا۔ کئی کئی ماہ بعد کسی سے رجوع کرتا تھا۔ اس طرح وہ بے راہ روی کا شکار ہو جاتی تھیں۔ اکثر پہرے دار سپاہیوں کے ساتھ پکڑی جاتی تھیں تو شامت آ جاتی تھی۔ انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا تھا۔

ان حالات میں یہ بات سجھائی دی کہ جو درمیان والے ہیں' وہی صحیح طور پر پہرے داری کے فرائض انجام دے سکتے ہیں۔ تب سے انہیں وزراء' امراء' سلاطین کے اور رؤسا کی محل سراؤں میں داخل ہونے کا موقع ملا۔ وہ بیگمات اور کنیزوں کی نگرانی بھی کرتے تھے اور ان کی خدمت بھی کرتے رہتے تھے۔

عورتیں پیٹ کی ہلکی ہوتی ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے خلاف ایسی ایسی باتیں اگلتی تھیں کہ ان خصی غلاموں کو بڑی عجیب و غریب معلومات حاصل ہوتی رہتی تھیں۔ پھر بیگمات

بھی ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی کرتی رہتی تھیں اور ان غلاموں کو اپنا خاص جاسوس اور رازدار بنایا کرتی تھیں۔ یہ بیگمات اپنے اپنے بادشاہ سے' اپنے وزیر سے اور اپنے دربان کے امیر سے ان کی تعریفیں کرتی تھیں۔ انہیں وفادار' خدمت گزار اور قابل اعتماد کہتی تھیں۔ اس طرح خصی غلاموں کو وزراء' سلاطین اور امراء کی توجہ اور اعتماد بھی حاصل ہونے لگا تھا۔

بیگمات انہیں انعام واکرام سے نوازا کرتی تھیں۔ پھر ان کے شوہر حضرات بھی کسی نہ کسی بات پر خوش ہو کر انہیں مالا مال کر دیتے تھے۔ یہ خصی غلام جو بعد میں چل کر خواجہ سرا کہلائے ابتدائی دور میں رفتہ رفتہ ترقی کرنے لگے۔ انہیں حرم سرا میں رہ کر بیگمات کے ذریعے حکومت کے کئی راز معلوم ہوتے رہتے تھے۔ وہ ان رازوں کے حوالے سے انجان بن کر بادشاہوں اور وزراؤ کو ایسے مشورے دیتے تھے کہ وہ دنگ رہ جاتے تھے۔

مثلاً انہوں نے مشورہ دیا کہ اپنے حرم کے چند غلاموں کو دشمن بادشاہوں کی حرم سراؤں میں بھیجا جائے۔ وہاں وہ جاسوسی کریں گے اور اندر کی خبریں یہاں پہنچائیں گے۔ یہ اتنا عمدہ اور کارآمد مشورہ تھا کہ اس پر فوراً عمل کیا گیا۔ ان غلاموں کو مشیر کے عہدوں پر فائز کیا گیا۔ ان میں سے کسی کو میر عرض کا عہدہ دیا گیا۔ یہ عہدیدار وہ ہوتا ہے' جو بادشاہ کے سامنے لوگوں کی عرضی پیش کرتا ہے۔ دربار کے اعلیٰ عہدے داروں کو اور اراکین سلطنت کو بھی انہیں کے توسط سے بادشاہ تک پہنچنا پڑتا تھا۔

یوں بادشاہ کا مکرم ہونے کے باعث ان کی عزت اور عظمت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ دربار کے سب ہی چھوٹے بڑے ان کے محتاج ہو گئے۔ انہیں خوش کرنے کے لئے بڑے بڑے نذرانے پیش کرنے لگے۔ جب لوگوں نے ان خصی غلاموں کو اتنا عروج حاصل کرتے اور دولت کماتے دیکھا تو وہ اپنے بیٹے کو بھی درمیانی مخلوق بنا کر وزیروں' امیروں اور سلاطین کے محلوں میں بھیجنے لگے۔

ان درمیان والوں کی نسل قدرتی طور پر نہیں بڑھ سکتی تھی۔ لیکن ان کی حکمت عملی سے بڑھنے لگی۔ غلاموں کی منڈی میں پہلے حسین عورتوں اور مردوں کو غلام بنا کر فروخت کیا جاتا تھا۔ پھر اس منڈی میں خصی غلاموں کی مانگ زیادہ بڑھ گئی۔ وہ اچھے داموں فروخت

ہونے لگے۔

یہ بدلتے ہوئے وقت اور دور کے مطابق ایسے ابھرتے رہے کہ شاہی لشکروں میں بھی اپنے لئے اعلیٰ عہدہ حاصل کرنے لگے۔ ہندوستان میں سلطان علاؤالدین کے عہد میں ملک کافور ایک خواجہ سرا تھا۔ اس نے جو اقتدار اور مرتبہ حاصل کیا۔ اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے تھے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ ہجڑے تلوار نہیں چلا سکتے۔ لیکن ملک کافور نے چار مرتبہ دکن کے علاقوں کو فتح کیا تھا۔ راجہ رام دیو کو قیدی بنا کر دہلی لے آیا تھا۔ ووارکا کے راجاؤں کو بھی اسی نے شکست دی۔ وارانگل کے راجہ کو بھی اس نے مطیع و فرمانبردار بننے پر مجبور کر دیا۔

ہندوستان میں تیرہویں عیسوی صدی کو خواجہ سراؤں کے حوالے سے ایک قابل فخر صدی کہا جاسکتا ہے۔

روحی صبا تلوار چلانا نہیں جانتا تھا۔ اس نے سپہ گری کا ہنر نہیں سیکھا تھا۔ اس دور میں یہ ہنر سیکھنے اور نیام میں تلوار رکھ کر گھومنے سے رعب و دبدبہ طاری ہوتا تھا۔ اچھی تنخواہ ملتی تھی۔ سپاہی سے سپہ سالار کے عہدے تک ترقی ہوتی تھی۔ نام بھی ملتا تھا اور مرتبہ بھی بلند ہوتا تھا۔

سخت مزاج رکھنے والی سنگدل عورتیں بھی سپہ گری کی تربیت حاصل کرتی تھیں۔ روحی صبا عورت نہیں تھا۔ نہ ہی قدرتی طور پر تیسری مخلوق تھا۔ پھر بھی اس نے تلوار کبھی نہیں اٹھائی۔ اسے علوم حاصل کرنے اور زبانیں سیکھنے کا شوق تھا۔ پیدائشی طور پر ہندوستانی تھا۔ اس لئے ہندی مادری زبان تھی۔ حکمرانوں کی زبان فارسی تھی۔ اس لئے اس نے یہ زبان بھی اچھی طرح سیکھی لیکن بارہ برس کی عمر میں ہی یہ تعلیمی سلسلہ ختم ہو گیا۔

بادشاہِ وقت کے وزیر نے ایک بار اسے دیکھا تو فوراً ہی اپنا منظورِ نظر بنا لیا۔ اس کے غریب والدین کو جھولی بھر کر دولت دی اور اسے اپنے حرم میں داخل کر لیا۔

ان دنوں اس کا نام مصباح احمد تھا۔ وہ ایسی زندگی نہیں گزارنا چاہتا تھا۔ لیکن حکمِ حاکم مرگِ مفاجات.. اس پر ذرا سختیاں کی گئیں تو وہ جبر کے آگے صبر کرنے پر مجبور ہو گیا۔ چونکہ وزیر کا منظورِ نظر تھا۔ اس لئے اسے حرم سرا میں جانے کی اجازت تھی۔ یہ خیال تھا

کہ نوخیز لڑکا ہے۔ وہاں کوئی گڑبڑ نہیں کرے گا۔

ابتدا میں کوئی گڑبڑ نہیں ہوئی۔ حرم میں درجنوں خوبصورت کنیزیں تھیں۔ جس سے وزیر موصوف کا دل بھر جاتا تھا۔ اسے اچھی خاصی رقم دے کر وہاں سے رخصت کر دیا جاتا تھا۔ پھر اس کی جگہ کوئی نئی طرحدار حسینہ آ جاتی تھی۔ جب وہ چودہ برس کا ہوا تو اس حرم میں زلیخا آئی۔ نہایت ہی حسین و جمیل' دھان پان سی لڑکی تھی۔ وزیر اس پر ہزار جان سے عاشق ہو گیا تھا۔ لیکن زلیخا نے حرم میں آتے ہی مصباح احمد کو دیکھا تو اس پر بری طرح مرمٹی۔

تقدیر کے تماشے عجیب ہوتے ہیں۔ وزیر اس رات زلیخا کو اپنی خوابگاہ میں طلب کرنا چاہتا تھا۔ اس سے پہلے ہی بادشاہ نے اسے طلب کیا۔ ایک گھمبیر مسئلہ درپیش تھا۔ روز بروز یہ اطلاع مل رہی تھی کہ بابر ہندوستان آگیا ہے اور فتوحات حاصل کرتا ہوا دہلی کی طرف بڑھتا چلا آرہا ہے۔

بادشاہ نے دربارِ خاص میں ہنگامی اجلاس طلب کیا تھا۔ وہاں لشکر کا سپہ سالار اور میر تُوزک بھی تھے۔ لشکر کے انتظامات سنبھالنے والوں کو میر تُوزک کہا جاتا تھا۔ نجومیوں کو بھی بلا کر یہ معلوم کیا جا رہا تھا کہ آئندہ حالات کیا ہوں گے؟

سپہ سالار نے کہا۔ ''بہتر ہے' ہم انہیں دہلی تک پہنچنے کا موقع نہ دیں۔ اس کے لشکر کو پانی پت کے میدان میں ہی روک کر مقابلہ کریں۔''

وزیر نے کہا۔ ''مقابلہ کرنے سے پہلے بابر کی فوجی قوت کا اندازہ کیا جائے۔ اس کے پاس بھاری بھرکم توپیں ہیں۔ ہمارے پاس جو بندوقیں ہیں۔ وہ ایک دو بار چلنے کے بعد ناکارہ ہو جاتی ہیں۔ ایران' ترکستان' تاجکستان اور افغانستان وغیرہ میں بندوقیں ڈھالنے کا کام ہوتا ہے۔ بابر کے لشکر میں کئی اقسام کی بندوقیں ہیں۔ ہمارے سپاہی تیروں' تلواروں اور نیزوں سے کب تک مقابلہ کر سکیں گے؟''

سپہ سالار نے کہا۔ ''ہم ہتھیاروں کے معاملے میں کمزور ہیں۔ لیکن چالاکیوں سے اور حکمت عملی سے بابر کو پسپا کیا جا سکے گا۔''

نجومیوں نے کہا۔ ''جنگ ہوگی۔ بابر کا لشکر بھاری پڑے گا۔ پھر بھی وہ آگے نہیں بڑھ سکے گا۔ ہمارا علم پوری وضاحت سے تمام باتیں نہیں بتاتا ہے۔ اتنا معلوم ہے کہ وہ کسی

وجہ سے واپس چلا جائے گا۔ یہاں بادشاہ سلامت کی حکومت قائم رہے گی۔''

ہندوستان پر حکومت کرنے والے بادشاہوں' راجاؤں اور مہاراجاؤں پر ظہیر الدین بابر کی دہشت طاری تھی۔ اس اجلاس میں تدبیریں سوچی جارہی تھیں۔ ایسا کیا جائے کہ بابر پانی پت سے آگے نہ بڑھے۔ واپس چلا جائے؟ بادشاہ کو فکر لاحق تھی۔ جب تک وہ مطمئن نہ ہوتا تب تک اجلاس ختم نہ ہوتا اور رات تھی کہ گزرتی جارہی تھی۔

وزیر بھی بابر کی بڑھتی ہوئی قوت سے پریشان اور خوفزدہ تھا۔ دوسری طرف وہ نئی چنچل حسینہ زلیخا بھی یاد آرہی تھی۔ اس نے مصباح احمد کو حکم دیا تھا کہ جب تک وہ واپس نہ آئے' تب تک وہ زلیخا کی خاطر مدارات کرے اور اس کا دل بہلاتا رہے۔

مصباح احمد اس کا دل کیا بہلاتا؟ وہی اسے بہلانے پھسلانے لگی۔ وہ پریشان ہوکر بولا۔ ''یہ کیا کررہی ہو؟''

وہ اس کے مضبوط بازوؤں کو چوم کر چوڑے سینے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔ ''میں نے کتنے ہی خوبرو مرد دیکھے ہیں۔ مگر تم جیسا نہیں دیکھا۔''

وہ بولا۔ ''میں جوان مرد نہیں ہوں۔''

اس نے پوچھا۔ ''کیا خواجہ سرا ہو؟''

وہ انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''نہیں۔ میں ابھی چودہ برس کا ہوں۔ مجھے جوان مرد تو نہیں کہا جائے گا۔''

وہ مسکرا کر بولی۔ ''میری آنکھوں سے دیکھو! میرے دل سے پوچھو.... تم تو اتنے بھرپور ہو کہ مجھ جیسی ادھوری کو بھرپور بنا سکتے ہو۔''

اس نے مصباح احمد کے دونوں ہاتھوں کو اپنے بدن پر رکھ کر کہا۔ ''مجھے اچھی طرح دیکھو! کیا میں تمہاری ضرورت نہیں ہوں؟''

اس کے لرزتے اور بہکتے ہوئے ہاتھ کہنے لگے۔ ''ہاں۔ ضرورت ہے.... جب تالی بجانا ضروری ہو تو دونوں ہاتھوں کو ایک دوسرے سے ٹکرانا ہی پڑتا ہے۔''

مصباح احمد نے بھی عزم کیا تھا کہ زیادہ سے زیادہ علوم حاصل کرے گا۔ ہندوستان سے باہر ہر ملک کی درسگاہوں میں جائے گا اور عالم فاضل بنے گا۔ پھر اس

کی زندگی میں ایک چاہنے والی آئے گی اور وہ ایک بھرپور مرد کی طرح اس کے ساتھ زندگی گزارے گا۔ لیکن ایک زر پرست نے اسے غریب ماں باپ سے خرید کر زندگی کا رخ ہی بدل دیا تھا۔

خزانہ لٹانے والے کسی کو بھی خرید سکتے ہیں۔ وزیر نے اسے اپنی دولت سے خریدا تھا۔ زلیخا نے حسن و شباب کا خزانہ لٹاتے ہوئے اسے خرید لیا۔ اس حسینہ کی بے باکی نے اچھی طرح سمجھا دیا کہ وہ ایک مرد ہے اور آئندہ اسے مردوں کی طرح زندگی گزارنی چاہئے۔ یہ بات اس کے دل و دماغ میں سمائی مگر ذرا دیر سے سمائی۔

دروازے پر دستک سن کر دونوں ہی چونک گئے۔ فوراً ہی دروازہ نہ کھول سکے۔ اپنا حلیہ درست کرنے میں کچھ دیر لگی۔ جب اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا تو اس کھلے ہوئے دروازے پر زلیخا کا خریدار کھڑا ہوا ان دونوں کو گھور کر دیکھ رہا تھا۔ اس کے پیچھے اردا بیگنیاں ننگی تلواریں لئے کھڑی تھیں۔ دو خواجہ سرا بھی تھے۔ ان سب کی نظریں کہہ رہی تھیں کہ بند کمرے کا کھیل تماشہ باہر والوں کی سمجھ میں آگیا ہے۔

آقا نے ایک ہاتھ سے مصباح احمد کا گلا دبوچتے ہوئے پوچھا۔ ''تُو نے دروازہ کھولنے میں دیر کیوں کی؟''

پھر وہ دوسرے ہاتھ سے زلیخا کا گلا دبوچتے ہوئے بولا۔ ''تُو بول.... کیا ہو رہا تھا؟''

یہ کہہ کر اس نے زلیخا کو ایک دھکا دیا۔ وہ لڑکھڑاتی ہوئی پیچھے گئی۔ وزیر نے اُردا بیگنیوں کو حکم دیا۔ ''ابھی اس کا معائنہ کرو۔ انہوں نے دروازے کو اندر سے بند کرنے کی جرات کیسے کی؟''

دو اُردا بیگنیوں نے زلیخا کو فرش پر پٹخ دیا۔ وہ چیخنے چلانے لگی۔ ''مجھے جتنی قیمت میں خریدا گیا ہے۔ میں اس کی دُگنی قیمت ادا کردوں گی۔ مصباح کی بھی قیمت ادا کروں گی۔ اس پر میرا دل آگیا ہے۔ میں اسے یہاں سے خرید کر لے جاؤں گی۔''

ایک اُردا بیگنی نے اسے ٹھوکر مارتے ہوئے وزیر سے کہا۔ ''آقا! یہ دونوں بدکار ہیں۔''

وہ تو پہلے ہی سمجھ گیا تھا۔ لیکن تصدیق ہوتے ہی غصے سے اور زیادہ بھڑک

گیا۔ایک اُردا بیگنی سے چابک لے کر مصباح احمد پر برسانے لگا۔ ''کتے! کمینے! تو نے ہمارے برتن میں کھانے کی جرات کی۔ہم تجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔''

ایک اُردا بیگنی نے اپنی تلوار پیش کرتے ہوئے کہا۔ ''آقا! یہ تلوار حاضر ہے۔''

اس نے ہانپتے ہوئے' گھورتے ہوئے مصباح احمد کو دیکھا پھر انکار میں سر ہلا کر کہا۔ ''نہیں۔ یہ تلوار کے ایک ہی وار سے مر جائے گا۔ہم اسے تڑپا تڑپا کر مارنا چاہتے ہیں۔اس زنخے نے ہمارے حرم میں مردانگی دکھائی ہے۔ہم اس کی مردانگی کو ہمیشہ کے لئے نابود کردیں گے۔''

پھر اس نے چابک برساتے ہوئے' گرجتے ہوئے کہا۔ ''اسے یہاں سے لے جاؤ اور قصاب کے حوالے کردو۔اس سے کہو کہ اسے خواجہ سرا بنانا ہے۔لیکن زندہ بھی رکھنا ہے۔''

اردا بیگنیاں مصباح احمد کو پکڑ کر وہاں سے لے گئیں۔وہ وزیر اپنی توہین پر تلملا رہا تھا۔اس کے کھانے کو جھوٹا کیا گیا تھا۔وہ زلیخا پر چابک برساتے ہوئے' اسے گالیاں دینے لگا۔کہنے لگا۔ ''تو کیا سمجھتی ہے' ہم تجھے آسانی سے چھوڑ دیں گے؟ روز صبح شام تجھ پر چابک برساتے رہیں گے۔تیری جوانی کو' تیرے بدن کی خوبصورتی کو لہولہان کرتے رہیں گے۔تو تڑپ تڑپ کر موت مانگتی رہے گی۔مگر ہم تجھے مرنے نہیں دیں گے۔تو بدکار ہے... فاحشہ ہے...''

وہ روتے ہوئے' تکلیف سے کراہتے ہوئے بولی۔ ''اور تُو کیا ہے....؟ ہم کریں تو بدکاری اور تُو کرے تو فاتح کہلائے۔یہ کہاں کا انصاف ہے....؟ مجھے خریدنے والے تُو نے بڑی خریداریاں کی ہیں۔بڑی بدکاریاں کی ہیں۔آج ایک نیکی کر لے۔میرے مصباح کو میرے نام کردے اور مجھے یہاں سے جانے دے۔تیری یہ نیکی ہزار نیکیوں کے برابر ہوگی۔کبھی زندگی میں اچھا کام نہیں کیا ہے تو بس ایک بار اچھا کام کرلے۔خدا تجھ سے راضی رہے گا۔''

اس کا ہاتھ نہیں رک رہا تھا۔ہر چابک پر لباس پھٹ رہا تھا۔گورے اور چکنے بدن پر لہو کی لکیریں پڑتی رہی تھیں۔کہیں کہیں سے کھال ادھڑتی جارہی تھی۔وہ کہہ رہا تھا۔ ''ہم جمعہ کی نماز میں وعظ اور نصیحتیں سنتے رہتے ہیں۔وہ نصیحتیں ہمارے لئے نہیں....تم جیسوں

کے لئے ہوتی ہیں۔تم عورتوں کو سمجھایا جاتا ہے کہ جس کی امانت ہو' اسی کے پاس جاؤ۔مگر تُو نے امانت میں خیانت کی ہے۔اب اپنا اور اپنے یار کا انجام دیکھے گی۔''

وہ مار کھاتے کھاتے بیہوش ہوگئی۔اس نے غصے سے چابک کو ایک طرف پھینکا۔پھر اسے ٹھوکر مار کر وہاں سے جاتے ہوئے حکم دیا۔ ''دروازہ باہر سے بند رکھو۔اسے بھی یہاں سے جھانکنے کی بھی اجازت نہ دو۔''

وہ غصے سے پاؤں پٹختا ہوا چلا گیا۔ادھر مصباح احمد پر قیامت گزر گئی تھی۔وہ بیہوش ہو گیا تھا۔اسے ایسی اذیتوں سے گزارا گیا تھا کہ بیہوشی کے دوران وہ مر بھی سکتا تھا۔ایک رات اور ایک دن کے بعد آنکھیں کھولیں تو وہ ہوش وحواس میں نہیں تھا۔نہ خود کو پہچان رہا تھا' نہ اپنے آس پاس کی دنیا کو سمجھ رہا تھا۔یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہو چکا ہے...؟

اسے کچھ پلایا گیا۔کسی مشروب کے ذریعے خوراک دی گئی۔اس کے بعد پھر آنکھیں بند ہوگئیں۔وہ خود سے غافل ہوتا چلا گیا۔کئی دن اور کئی راتوں تک زندگی اور موت کے درمیان رہا۔جب ذرا ہوش میں آنے لگا تو پتہ چلا کہ اسے درمیان والا بنا دیا گیا ہے۔وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔اپنی تقدیر کا ماتم کرنے لگا۔ایسی اذیتوں سے گزرنے والے اکثر لوگ مر جاتے ہیں۔وہ سخت جان تھا۔بچ گیا تھا۔لیکن زندگی کسی کام کی نہیں رہی تھی۔

جب وہ ذرا چلنے پھرنے کے قابل ہوا تو اسے غسل کرایا گیا۔نئے کپڑے پہنائے گئے۔پھر حرم سرا میں زلیخا کے اسی کمرے میں پہنچا دیا گیا۔وہ ظالم وہاں ایک شاہی طرز کے تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔اس نے مصباح کو حقارت سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''اب تھا....موت تجھے کیسی لگی؟ تیرے بہت قریب سے ہو کر گزری۔لیکن ہم نے تجھے مرنے نہیں دیا۔آئندہ بھی تو اسی طرح جیتا رہے گا اور مرتا رہے گا۔''

پھر اسے نے حکم دیا۔ ''زلیخا کو حاضر کیا جائے۔''

وہ اُردو بیگنیاں اسے دو طرف سے پکڑ کر وہاں لے آئیں۔مصباح احمد اسے دیکھتے ہی پہچان نہ سکا۔وہ سوکھ کر کانٹا ہوگئی تھی۔مختصر سا لباس پہنایا گیا تھا۔تا کہ یہ دیکھا جاسکے کہ اس کے خوبصورت بدن کی کھال ادھیڑ ڈالی گئی ہے۔چہرہ بھی ایسا لگ رہا تھا' جیسے

اچھی طرح نوچا کھسوٹا گیا ہو۔ وہ کمزوری کے باعث ہولے ہولے لرز رہی تھی۔ آقا نے بڑے فخر سے پوچھا۔ ''کیا تو اپنی معشوقہ کو پہچان رہا ہے؟''

اردابیگنیاں اسے چھوڑ کر ذرا دور ہوگئیں۔ اس پر ایسے مظالم ڈھائے گئے تھے۔ ایسی درندگی کا مظاہرہ کیا گیا تھا کہ وہ اپنے بل پر کھڑی رہنے کے قابل نہیں رہی تھی۔ ادھر ادھر ڈگمگاتے ہوئے گرنے والی تھی۔ مصباح نے جلدی سے آگے بڑھ کر اسے بازوؤں میں تھام لیا۔ آقا نے کہا۔ ''واہ رے لیلیٰ مجنوں....! رسی جل گئی۔ مگر بل نہیں گئے۔ اب بھی ایک دوسرے کے طلب گار رہو۔ ہم بھی دیکھنا چاہتے ہیں' تمہارے جیسے طلبگار اب ایک دوسرے کے لئے کیا کر پائیں گے؟''

مصباح احمد نے زلیخا کو فرش پر بٹھایا پھر گھٹنے ٹیک کر دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا۔ ''آپ ہمیں جتنی سزا دیں گے' اتنی ہی آپ کو کم لگے گی۔ خدا کے لئے اس غریب کو معاف کر دیں۔ اس کی جتنی سزا باقی رہ گئی ہے۔ وہ مجھے دیں۔''

وہ بولا۔ ''واہ کیا عشق ہے؟ مرتے مرتے بڑی مشکل سے بچا ہے۔ اب اپنے ساتھ معشوقہ کے حصے کی بھی سزا پانا چاہتا ہے۔ تُو تو عشق کے معاملے میں مجنوں کے بھی کان کاٹ رہا ہے۔''

پھر وہ اپنے تخت پر سے اٹھتے ہوئے بولا۔ ''ہم ایک شرط پر تم دونوں کو معاف کریں گے۔ تمہیں رہائی ملے گی۔ اس کے بعد اسے لے کر کہیں بھی جا سکو گے۔''

وہ جلدی سے بولا۔ ''حضور کا اقبال بلند ہو۔ میں آپ کی ہر شرط مان لوں گا۔ آپ جان پر کھیلنے کو کہیں گے۔ میں ابھی اپنی جان سے گزر جاؤں گا۔''

''ہم اتنی بڑی قربانی نہیں چاہتے۔ بس ایک معمولی سی شرط ہے۔ بس اسے پورا کر دے۔ تُو نے اسی حرم سرا میں' اسی خوابگاہ کی چھت کے نیچے اپنی مردانگی کا مظاہرہ کیا تھا۔ آج یہ کھیل دکھا دے۔ تجھے معاف کر دیا جائے گا۔''

مصباح کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ اس نے جھجکتے ہوئے زلیخا کو دیکھا۔ وہ دونوں ہاتھ فرش پر ٹیکے سر جھکائے فرش پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ہولے ہولے کانپ رہی تھی۔ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گئی تھی۔ اس کی حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی۔ وہ تڑپ کر بولا۔ ''میرے

آقا! آپ میری زندگی کے مالک و مختار ہیں۔ جو کچھ چھیننا تھا' آپ نے چھین لیا۔ یہ خوب سمجھتے ہیں کہ میں آپ کی یہ شرط کبھی پوری نہیں کر سکوں گا۔''

زلیخا لرزتے ہوئے ہاتھ سے اس کے ہاتھ کو پکڑ بولی۔ ''میرے مصباح! تُو نے میرے لئے بڑے دکھ اٹھائے ہیں۔ میری زندگی رہی تو میں تجھے پیار کی دولت سے مالا مال کر دوں گی۔ ابھی کوئی شرم نہ کر... س کی شرط پوری کر دے۔ میں جس حال میں ہوں۔ راضی ہوں۔''

وزیر قہقہہ لگاتے ہوئے ادھر سے ادھر جاتے ہوئے بولا۔ ''ہاں۔ یہ راضی ہے۔ ایک پرانی کہاوت ہے' میاں بیوی راضی تو کیا کرے گا قاضی؟ ہم کچھ بھی نہیں کریں گے۔ بس تماشہ دیکھیں گے اور تم دونوں کو رہا کر دیں گے۔''

مصباح احمد نے ہونٹوں کو سختی سے بھینچ لیا تھا۔ اندر سے صدمات ہلچل مچا رہے تھے۔ وہ زلیخا سے کہنا نہیں چاہتا تھا کہ اس کی خاطر کتنے بڑے عذاب سے گزر چکا ہے؟ اب ساری عمر ایک نہتے سپاہی کی طرح عشرت کدوں سے گزرتا رہے گا اور اپنی نامرادی پر آنسو بہاتا رہے گا۔

زلیخا نے اسے دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ لرزتے ہوئے کہا۔ ''تُو چپ کیوں ہے؟ رہائی کی یہی شرط ہے تو اسے پورا کر دے۔ جب میں عورت ہو کر نہیں شرماتی تو تُو کیوں شرما رہا ہے؟''

اچانک ہی اس کی آنکھوں سے آنسو ابل پڑے۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے بولا۔ ''میں۔ میں نہ رہا...... نہ ادھر کا رہا۔ نہ ادھر کا رہا.... یہ ہمارے آقا ہیں۔ ہمارے جسم و جان کے مالک ہیں۔ انہوں نے مجھے خواجہ سرا بنا دیا ہے۔''

وہ پہلے ہی لرز رہی تھی۔ صدمے کی شدت سے اور لرز گئی۔ اس سے لپٹ کر روتے ہوئے بولی۔ ''ہائے مصباح....! یہ کیا ہو گیا؟ میں نے تجھے اپنی طرف مائل کیا۔ اپنے بدن کی سوغات پیش کی۔ اپنا دیوانہ بنایا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ تجھے اتنی بڑی قیمت چکانی پڑے گی؟''

اسے مصباح پر اتنا پیار آ رہا تھا۔ اس کی چاہت میں ایسی شدت پیدا ہو رہی

تھی' جی چاہتا تھا کہ ابھی اس کے قدموں میں جان دے دے۔ مگر جان دینے سے محبوب کو رہائی ملنے والی نہیں تھی۔

وہ اس سے الگ ہو کر سجدے میں گرتے ہوئے اس ظالم سے بولی۔ ”تجھے خدا رسول ﷺ کا واسطہ دیتی ہوں۔ میری جان لے لے۔ اس غریب پر بہت ظلم ہوا ہے۔ اب تو اسے معاف کر دے۔“

وہ اپنے آرام دہ تخت پر آ کر بیٹھ گیا۔ سوچتی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔ ”ایک اور کام ہے۔ وہ کرے گا تو تیرے ساتھ اس ہڈیوں کے ڈھانچے کو بھی رہائی مل جائے گی۔“

وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر بولا۔ ”حضور! جو کام بولیں گے' وہ کروں گا۔ اپنی جان دے کر بھی کروں گا۔ آپ حکم کریں...“

اس نے کہا۔ ”بابر بادشاہ کا خطرہ ہمارے سروں پر منڈلا رہا ہے۔ ہمارے چند جاسوس اس کے حالات اور اس کی کمزوریاں معلوم کرنے کے لئے یہاں سے جا چکے ہیں اور کچھ جانے والے ہیں۔ یہ خبر ملی ہے کہ بابر کے ساتھ اس کی بیگمات اور کنیزیں بھی ہیں۔ اگر تو ہمارے جاسوسوں کے قافلے کے ساتھ جائے گا اور اس کے حرم میں رسائی حاصل کرے گا تو سمجھ لے بہت بڑا کارنامہ انجام دے گا۔ تجھے حرم میں رہ کر اندر کی بہت سی اہم خبریں ملتی رہیں گی اور تُو وہ تمام خبریں ہمیں پہنچاتا رہے گا۔“

وہ بولا۔ ”حضور! یہ کام کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے۔ آپ اس غریب کو رہا کر دیں۔ میں ابھی جانے کو تیار ہوں۔“

”کیا تو ہمیں نادان بچہ سمجھتا ہے؟ اسے رہائی ملے گی تو پھر تُو ہمارا کام کیوں کرے گا؟ یہ یہاں قید میں رہے گی۔ ہمارا وعدہ ہے' اس کے آرام و آسائش کا خیال رکھا جائے گا۔ علاج بھی ہوتا رہے گا اور زخموں کی مرہم پٹی بھی ہوتی رہے گی۔ جب تو واپس آئے گا تو تجھے یہاں پہلے والی زلیخا ملے گی۔“

زلیخا نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ ”حضور! ہمیں تنہائی میں کچھ باتیں کرنے کا موقع دیں۔ میں اسے راضی کروں گی۔ یہ میری خاطر آپ کا مخبر بن کر جہاں کہیں گے' وہاں

جائے گا۔“

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ”تُو تھوڑی دیر کے لئے اس کے ساتھ تنہائی چاہتی ہے۔ اب تو یہ دن رات خلوت میں رہ کر بھی تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔“

وہ قہقہہ لگاتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ اردا بیگنیاں اور خواجہ سرا بھی چلے گئے۔ تنہائی ملتے ہی زلیخا نے اس کے قدموں کو چھوتے ہوئے کہا۔ ”رہائی کا اس سے بہتر موقع اور نہیں ملے گا۔ تجھے فوراً ہی جاسوسوں کے قافلے کے ساتھ یہاں سے روانہ ہو جانا چاہئے۔“

”یہ آقا جھوٹا اور مکار ہے۔ میں یقین سے کہتا ہوں' کام ہو جانے کے بعد یہ اپنا وعدہ پورا نہیں کرے گا۔ تجھے رہائی نہیں دے گا۔“

”تو میری فکر نہ کر..... میں کسی دم کی مہمان ہوں۔ تو نہیں جانتا' مجھے اندر سے ایسی چوٹیں پہنچائی گئی ہیں کہ میں زیادہ جی نہیں سکوں گی۔ تجھے اس یقین کے ساتھ یہاں سے جانا ہے کہ یہ ہماری آخری ملاقات ہے۔“

وہ تڑپ کر بولا۔ ”زلیخا! ایسی باتیں نہ کر۔ میں تیرے بغیر جی نہیں سکوں گا۔“

”اور میں تیرے بغیر مر کر بھی چین نہیں پا سکوں گی۔ تیرے لئے دوسرا جنم لوں گی۔“

”یہ کیسی باتیں کر رہی ہے؟ دوسرا جنم لینے والا آواگون کا عقیدہ ہندوؤں کا ہے۔ وہ کہتے ہیں' انسان مرنے کے بعد دوسرا تیسرا جنم لیتا ہے اور سات جنم تک اس دنیا میں آتا رہتا ہے۔ مگر ہم اسے نہیں مانتے۔“

”میں مانتی ہوں۔ آج تجھے بتا دوں کہ میں مسلمان نہیں..... ہندو ہوں۔“

اس نے شدید حیرانی سے پوچھا۔ ”یہ تو کیا کہہ رہی ہے؟“

”سچ کہہ رہی ہوں۔ مجھے فروخت کرنے والے تاجر نے جب یہ دیکھا کہ یہاں کا وزیر ایک مسلمان حسین و جمیل کنیز کو خریدنا چاہتا ہے تو اس نے مجھے مسلمان کہہ کر فروخت کر دیا۔ مجھے سمجھا دیا کہ آئندہ میں اس حرم میں مسلمان بن کر نہیں رہوں گی تو بے موت ماری جاؤں گی۔ وہ تاجر تو اپنے دام کھرے کر کے جا چکا ہے۔“

وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔ ”مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ تو ہندو ہے یا مسلمان..... بس تو میری جان ہے..... میری زندگی ہے۔“

وہ بولی۔ ’’مجھے دل و جان سے چاہتا ہے تو مجھ پر بھروسہ کر۔ میں اپنے عقیدے کے مطابق تیرے لئے دوسرا جنم لوں گی۔ تیرے پاس ضرور آؤں گی۔‘‘

’’یہ محض بہلانے والی باتیں ہیں۔‘‘

’’میں کچھ نہیں جانتی۔ اگر پیار کرتا ہے تو مجھ پر بھروسہ کر۔ جب تیری زندگی میں دوسری بار آؤں گی تو تجھے یقین آجائے گا کہ میں سچ بول رہی تھی اور وہ سچ تیرے سامنے آچکا ہے۔‘‘

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا ’’مجھے تو ہر حال میں مخبری کے لئے جانا ہوگا۔ کامیابی ہوگی تو یہاں تیری خاطر ضرور واپس آؤں گا۔‘‘

وہ بڑی کمزوری سے اسے جھنجھوڑتے ہوئے بولی۔ ’’نہیں۔ تو کبھی یہاں نہیں آئے گا۔ میں تجھے اپنی قسم دیتی ہوں۔ تو وہاں بابر بادشاہ کی حرم میں جگہ بنائے گا۔ اس کا وفادار بن کر رہے گا۔ اور اگر وہاں جگہ نہ ملی تو کہیں فرار ہوجائے گا۔ مگر ان ظالموں کے ہاتھ کبھی نہیں آئے گا۔ مجھ سے وعدہ کر..... میں آرام سے مروں گی تو دوسرا جنم لے کر تیرے پاس ضرور آؤں گی۔ تجھے ابھی قسم کھانی ہوگی کہ یہاں سے نکلنے کے بعد واپس نہیں آئے گا۔‘

وہ ضد کرنے لگی۔ کہنے لگی۔ ’’اگر تو نے میری بات نہیں مانی تو میں ابھی تیرے سامنے جان دے دوں گی۔‘‘

اس نے مجبور ہو کر کہا۔ ’’اچھی بات ہے۔ میں قسم کھاتا ہوں۔‘‘

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی۔ ’’نہیں۔ پہلے اپنے خدا اور رسول ﷺ کی قسم کھا۔ پھر میری قسم کھا۔ تب مجھے یقین ہوگا۔‘‘

اس نے خدا اور رسول ﷺ کی قسم کھائی۔ پھر اس کی قسم کھا کر کہا۔ ’’میں یہاں سے جانے کے بعد کبھی واپس نہیں آؤں گا۔ اگر آواگون کا عقیدہ درست ہے تو تیرا انتظار کرتا رہوں گا۔‘‘

وہ آگے کو جھک کر اس سے لپٹ گئی۔ فرطِ جذبات سے الوداعی آنسو بہانے لگی۔

حضرت بادشاہ بابر کے متعلق تمام مؤرخ کی متفقہ رائے ہے کہ وہ اپنی پوری زندگی میں کبھی بدفعلی کا مرتکب نہیں ہوا۔ ایک ہی بری عادت تھی کہ وہ شراب پیتا تھا۔ بعد میں

اس نے شراب پینے سے بھی توبہ کر لی تھی۔ بڑے بڑے مٹکوں میں جتنی شراب رکھی گئی تھی۔ ان تمام مٹکوں کو توڑ ڈالا گیا تھا۔ مشرقی اور شمالی ممالک کے تاجر تقریباً پچاس اونٹوں پر شراب کے مٹکے لاد کر لا رہے تھے۔ ان سب کو بہا دیا گیا۔ حرم میں تین بیگمات اور محدود تعداد میں کنیزیں تھیں۔ وہ کسی بھی کنیز کو خلوت میں بلانے سے پہلے اس سے نکاح پڑھا لیا کرتا تھا۔

اس نے تزک بابری میں خود لکھا ہے کہ ایک بار ایک حسین لڑکے پر دل آگیا تھا۔ لیکن وہ خود اتنا شرمیلا تھا کہ اس نے کبھی اس لڑکے سے براہ راست گفتگو نہیں کی۔ اس کی شرافت اور اعلیٰ ظرفی اسے اس کی طرف مائل ہونے سے روکتی رہی تھی۔

بابر نے اپنے تزک میں اس حسین لڑکے کا نام نہیں لکھا۔ اس کا ذکر صرف اتنا ہی ہے کہ جب کبھی سامنا ہوتا تھا تو وہ اس لڑکے سے کترا جاتا تھا۔ مؤرخ حضرات کو ہر بات تاریخ کے صفحات سے نہیں ملتی۔ کسی خاص دور کے حالات اور واقعات کو پیشِ نظر رکھ کر عقلی دلائل سے اور واقعات کے سیاق و سباق سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ جو بات پس پردہ رہ گئی ہے۔ وہ دراصل کیا ہوگی؟

اس حسین لڑکے کی بات بھی پس پردہ رہ گئی تھی۔ حالات و واقعات کا تانا بانا بنتے ہوئے یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہ حسین لڑکا مصباح احمد تھا۔ بابر نے حرم کے داروغہ کو حکم دیا تھا کہ وہ مصباح احمد کو جانچے پرکھے پھر اسے خواجہ سرا کی حیثیت سے حرم میں داخل کرے۔

داروغہ نے اسے اپنے دفتر میں جا کر کہا۔ ’’جھوٹ اور فریب کی سزا موت ہے۔ اگر دشمن ہو یا دشمنوں کا ساتھ دے رہے ہو تو سچ بولو۔ اس طرح تم سزا سے بچ سکو گے۔‘‘

مصباح احمد نے کہا۔ ’’میں دہلی سے آیا ہوں۔ میرا نام مصباح احمد ہے۔ لیکن اب اس نام کے قابل نہیں رہا ہوں۔ مجھے جبراً خواجہ سرا بنا دیا گیا ہے۔‘‘

داروغہ نے پوچھا۔ ’’تم پر کس نے جبر کیا ہے؟‘‘

وہ جواباً اپنی پوری روداد سنانے لگا۔ داروغہ بڑی دلچسپی سے سن رہا تھا اور اس سے متاثر ہو رہا تھا۔ تمام روداد سننے کے بعد اس نے پوچھا۔ ’’تم ہمارے خلاف جاسوسی کرنے آئے ہو؟ اگر نہیں کرو گے یہاں کی خبریں وہاں نہیں پہنچاؤ گے تو اپنی محبوبہ کو کیسے رہائی دلا سکو گے؟‘‘

"جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے۔ وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن چکی ہے۔ اندر سے اس قدر زخم خوردہ ہے کہ زیادہ دن نہیں جی سکے گی۔ اس نے مجھے قسم دی ہے' میں یہاں آنے کے بعد وہاں واپس نہ جاؤں۔ اسے تو یوں بھی مرنا ہے۔ لہٰذا میرے روانہ ہوتے ہی وہ موت کو گلے لگا لے گی۔"

یہ کہتے کہتے وہ سر جھکا کر رونے لگا۔ کہنے لگا۔ "اس سے بچھڑے ہوئے آج پانچواں دن ہے۔ وہ اب تک یہ دنیا چھوڑ چکی ہو گی۔ آپ مجھے حرم میں نہ رکھیں۔ کوئی ملازمت نہ دیں۔ کہیں قید خانے میں ڈال دیں۔ میں نے زلیخا کی قسم کھائی ہے۔ واپس نہیں جاؤں گا۔ یہیں مر جاؤں گا۔"

داروغہ نے کہا۔ "فکر نہ کرو۔ تمہیں یہاں پناہ ملے گی۔ تم جاسوسوں کے قافلے میں رہے ہو۔ ان سب کو چہروں سے پہچانتے ہو۔ کیا ان کی نشاندہی کرو گے؟"

"بے شک کروں گا۔ میں چاہتا ہوں' وہ مخبری کرنے اور سازشیں کرنے میں ناکام رہیں۔ ہمارے حضرت بادشاہ (بابر) دشمنوں پر غالب آجائیں اور دہلی تک فتح حاصل کرتے چلے جائیں۔"

پھر اس نے دہلی سے آنے والے ایک ایک جاسوس کی نشاندہی کی۔ وہ جہاں جہاں چھپے ہوئے تھے۔ ان سب کو گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا۔ داروغہ نے مصباح احمد سے کہا۔ "تمہیں حرم میں داخل کرنے سے پہلے تربیت دی جائے گی۔ یہاں کے طور طریقے سکھائے جائیں گے۔ تمہیں عورتوں کی طرح بولنا ہو گا۔ محل کی بیگمات اور کنیزوں کو تمہاری رفتار اور گفتار سے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ تم ان کے جیسے ہو۔ کبھی بھول کر بھی کوئی مردانہ خصلت چھلکے گی تو وہ اجنبیت محسوس کریں گی۔"

اسے ایک ماہ تک تربیت دی گئی۔ پھر حرم میں داخل کر دیا گیا۔ ماہ و سال گزرنے لگے۔ بابر نے فتوحات حاصل کرتے ہوئے آگرہ اور دہلی تک اپنی سلطنت قائم کر لی۔ مصباح کا نام روحی صبا رکھ دیا گیا تھا۔ وہ اکثر زلیخا کو یاد کرتا تھا اور سوچتا تھا۔ "ہم مسلمان اس بات کو نہیں مانتے کہ انسان مرنے کے بعد دوسری بار اس دنیا میں جنم لیتا ہے۔ مگر میرا دل کہتا ہے' ایک بار ایسا ہو جائے زلیخا پھر سے جنم لے کر میرے سامنے چلی آئے۔"

وہ تقریباً چھ برس تک سوچتا رہا۔ اس کا انتظار کرتا رہا۔ پھر اچانک ہی وہ ایک دن نگاہوں کے سامنے چلی آئی۔ وہ اختری تھی۔ اسے ایک خادمہ کی حیثیت سے حرم سرا میں داخل کیا گیا تھا۔ ہو بہو زلیخا جیسی تو نہیں تھی۔ لیکن بڑی حد تک اس سے مشابہت رکھتی تھی۔ روحی صبا (مصباح احمد) کا دل دھڑک دھڑک کر کہتا تھا۔ "یہ میری زلیخا ہے۔ اس نے برسوں بعد میری خاطر جنم لیا ہے۔ ایک خادمہ بن کر اس حرم میں آئی ہے۔ مجھے بھول گئی ہے۔ مگر اپنا وعدہ پورا کیا ہے۔"

وہ اپنے دل کو تسلیاں دیتا تھا۔ "اچھا ہوا کہ مجھے بھول گئی ہے۔ اگر پہچان بھی لیتی اور پھر سے میرے عشق میں مبتلا ہو جاتی تو اسے ایک خواجہ سرا سے کیا ملتا؟ صرف نامرادی...."

کئی بار دل میں یہ بات آئی کہ اس سے اپنی چاہت کا اظہار کرے۔ یا اسے اپنے اور زلیخا کے عشق کی روداد سنائے۔ لیکن وہ ایسا نہ کر سکا۔ ماضی کے اوراق کھولنے سے مردانہ خصلت جھلکنے لگتی اور وہاں اس بات کی سختی سے ممانعت تھی۔

اس کی چاہت اور لگن ایسی تھی کہ وہ رفتہ رفتہ اختری کا خاص خدمت گار بن گیا تھا۔ یہ دیکھ کر صدمہ پہنچتا تھا کہ اختری بھی زلیخا کی طرح بدنصیب ہے۔ وہ اپنے مصباح احمد کی دیوانی تھی اور اختری بادشاہ ہمایوں کی..... وہ مصباح کو نہ پا سکی اور اختری ایک رات کے بعد ہمایوں کے لئے ترستی رہی۔

زلیخا نے جس بے بسی سے دشمنوں کے چنگل میں رہ کر موت کو گلے لگایا تھا۔ اسی طرح اختری بھی دشمنوں کے درمیان بے یار و مددگار ہو کر موت کی آغوش میں جا چکی تھی۔

وہ فصیل کے پختہ فرش پر سر جھکائے بیٹھا ہوا تھا۔ اردا بیگنیوں نے اس کی آنکھوں کے سامنے اختری کی لاش کو اٹھا کر فصیل کی بلندی سے پیچھے گہری کھائی میں پھینک دیا تھا۔ اس کے دل سے ایک آہ نکلی۔ "آہ.....! یہ کیسی بے بسی ہے؟ میرے سامنے میری محبت کو دوسری بار موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے۔"

بعد میں اردا بیگنیوں کے ذریعے اسے معلوم ہوا کہ اختری کا اسقاط حمل نہیں ہوا تھا۔ بلکہ اس نے زہریلی گولیاں کھا کر جان دی تھی۔

"ہائے.....! ہم درمیان والے نہ تو عورت ہوتے ہیں کہ اپنے ناز نخروا

بادشاہوں کے دل جیت لیں اوراپنی بات منوالیں۔ نہ مرد ہوتے ہیں۔ اپنی محبت کے دشمنوں سے انتقام لینے کا حوصلہ بھی نہیں رکھتے۔"

ایک اردابیگنی نے اپنی ننگی تلوار کواس کے شانے پر رکھتے ہوئے کہا۔"چل اٹھ یہاں سے۔حرم میں جا۔اب یہاں مسلح پہریدار آنے والے ہیں۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ دوسری اردا بیگنی نے کہا۔"اور خبردار! اب ماتم نہ کرنا۔اختری کی موت کوراز میں رکھا گیا ہے۔تیرے آنسو بہانے کی بات باہر تک جائے گی توراز فاش ہوجائے گا۔تیرا سر قلم کردیا جائے گا۔اب جا یہاں سے......"

وہ سر جھکا کر وہاں سے جاتے ہوئے دل ہی دل میں کہنے لگا۔"یا اللہ تعالیٰ! تو بڑا کارساز ہے۔میں نے زلیخا کے دشمنوں سے انتقام لیا تھا۔حضرت بادشاہ بابر کوخود پر مسلط کردیا تھا۔مجھے پھر کوئی ایسا موقع دے میرے مالک! میں بادشاہ ہمایوں کو ان لوگوں پر مسلط کردوں۔میں درمیان والا نہ اپنے کام آسکتا ہوں۔نہ اپنوں کے کام آسکتا ہوں۔بس ایک تیرا ہی آسرا ہے میرے پروردگار......!"

☆☆☆

ہمایوں نے ایران کے شاہ تہماسب سفوی کے نام ایک طویل خط لکھا۔اپنے بھائیوں کی سازشوں اور دشمنوں کا ذکر کرتے ہوئے یہ تفصیلات بیان کیں کہ کس طرح شیر خان سوری ان سوتیلے بھائیوں کی دشمنی سے فائدہ اٹھا کر ہمایوں پر غالب آتا رہا۔اب یہ ہمایوں راندہ درگاہ ہوکر شاہ تہماسب کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہے۔

اس نے یہ خط ایک قاصد کے ذریعے روانہ کیا۔پھر حمیدہ بانو، گلنار آغاچہ اور نارگل آغاچہ کے ہمراہ ایران کی طرف روانہ ہوگیا۔شاہ طہماسپ صفوی بہت ہی ذہین اور مضبوط قوت ارادی رکھنے والا مطلق العنان حکمران تھا۔فردوس مکانی بابر سے اس کے گہرے تعلقات رہے تھے۔

ہمایوں کا خط پڑھتے ہی ذہن میں یہ بات آئی کہ دوست کا بیٹا اپنے سوتیلوں سے ڈسا ہوا ہے۔یقیناً اسلحہ اور فوجی امداد چاہے گا۔

ادھر کامران مرزا کے خاص آدمی پہلے ہی ایران پہنچ گئے تھے۔شاہ کے بھائی

شہزادہ بہرام کو ہمایوں کے خلاف بھڑکا رہے تھے۔شاہ کے امراء بھی ہمایوں کے آمد پر خوش نہیں تھے۔لیکن شاہ نے اپنے بھائی شہزادہ بہرام کو حکم دیا۔"ایک لشکر لے کر ہمایوں کے استقبال کے لئے جاؤ اوراسے نہایت عزت واحترام سے ہمارے پاس لے آؤ۔"

پھر امیر شہر کو حکم دیا۔"بابر کا بیٹا آرہا ہے۔پورے شہر کو دلہن کی طرح سجاؤ۔شادیانے بجاؤ۔وہ جہاں سے گزرتا ہوا آئے۔وہاں اس پر پھولوں کی بارش ہوتی رہے۔"

شاہ کی ہمشیرہ شہزادی سلطانہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھی۔اس کی بچپن کی سہیلی حمیدہ بانو آرہی تھی۔وہ اس کے ساتھ حرم میں جشن منانے کے انتظامات کرنے لگی۔شاہ نے امراء اور دربار کے اراکین کو حکم دیا کہ وہ ہمایوں کے استقبال کے لئے دربار خاص میں موجود رہیں۔

ہمایوں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کا اتنی گرم جوشی سے کا استقبال کیا جائے گا۔وہ ایران کی سرحد پر پہنچا تو شہزادہ بہرام پہلے ہی اپنے لشکر کے ساتھ وہاں استقبال کے لئے موجود تھا۔جب ان کے ساتھ منزلیں طے کرتا ہوا شہر میں پہنچا تو وہ اور حمیدہ بانو وہاں کی سجاوٹ دیکھ کر حیران رہ گئے۔وہ جہاں سے گزر رہے تھے۔ان پر پھولوں کی بارش ہورہی تھی۔

جب حمیدہ بانو حرم میں پہنچی تو شہزادی سلطانہ دوڑ کر آئی اور اس سے لپٹ گئی۔دونوں سہیلیاں گلے مل کر رونے لگیں اور ہنسنے بھی لگیں۔محل کے دروازے پر شاہ تہماسب سفوی نے خود آگے بڑھ کر ہمایوں کو خوش آمدید کہتے ہوئے گلے لگایا۔پھر تمام امراء سے اس کا تعارف کرایا۔مہمان خانے میں اس کی رہائش کے پرتکلف انتظامات کئے گئے تھے۔

شاہ نے اس کے ساتھ مہمان خانے میں آکر کہا۔"تم ایک طویل سفر کے تھکے ہوئے ہو۔دو گھڑی آرام کرو۔"

ہمایوں نے کہا۔"آپ نے جیسی والہانہ محبت کا اظہار کیا ہے۔اسے دیکھ کر ہماری ساری تھکن دور ہوگئی ہے۔اگرچہ ہم آپ کے مرحوم دوست کے بیٹے اور آپ کے مہمان ہیں۔لیکن اس سے پہلے ایک سوالی ہیں۔کسی تمہید کے بغیر یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ فردوس مکانی کی سلطنت کھو کر نہایت ہی شرمسار ہیں۔خدا گواہ ہے، ہم سے جان بوجھ کر کوئی

کوتاہی نہیں ہوئی۔سوتیلے بھائیوں کی سازشوں نے ہماری کمر توڑ دی ہے۔ہمیں اس مقام پر پہنچا دیا ہے کہ جہاں ہمارا اپنا کوئی نہیں ہے۔اوپر خدا ہے' نیچے آپ کا آسرا ہے۔ہم آپ سے اسلحہ اور فوجی مدد حاصل کرنے آئے ہیں۔"

شاہ نے کہا۔"خدا بڑا کارساز ہے۔ہم تو اس کے عاجز بندے ہیں۔وہ چاہے گا تو تمہاری مشکل آسان ہو جائے گی۔"

پھر اس نے ہمایوں کے شانے کو تھپک کر کہا۔"جاؤ! غسل کرو اور آرام سے سو جاؤ۔رات کو دسترخوان پر ملاقات ہوگی۔"

شاہ اسے مہمان خانے میں چھوڑ کر چلا گیا۔دوسری طرف حرم میں حمیدہ بانو نے بھی کسی تمہید کے بغیر شہزادی سلطانہ سے کہا۔"ہمارے مجازی خدا بادشاہ ہمایوں کی حالت قابلِ رحم ہے۔سوتیلے بھائیوں کی عداوت نے انہیں خانماں برباد کر دیا ہے۔فردوس مکانی (بابر) کی قائم کردہ سلطنت ہاتھ سے نکل گئی ہے۔اب اس سلطنت کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے ہمیں اسلحہ اور فوجی امداد کی ضرورت ہے۔شاہ برادر تمہیں جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ہم چاہتے ہیں' تم ان سے ہماری سفارش کرو۔وہ تمہاری خوشی کے لئے ہمارے لئے کچھ نہ کچھ کر سکتے ہیں۔"

شہزادی سلطانہ نے کہا۔"ہم حکمرانی اور اس کی حکمت عملی کو بالکل نہیں سمجھتے۔شاہ برادر بہتر سمجھ سکتے ہیں کہ تمہارے معاملات میں انہیں کیا کرنا چاہئے؟ ویسے ہم بھرپور سفارش کریں گے۔تمہارے ہمایوں بادشاہ کو خالی ہاتھ نہیں جانے دیں گے۔"

دربارِ خاص میں شاہ تہماسپ اپنے امراء اور ارکینِ دربار کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔یہی موضوع زیرِ بحث تھا کہ بادشاہ ہمایوں شکست خوردہ آیا ہے۔فوجی امداد کا طالب ہے۔شہزادہ بہرام اپنے شاہ برادر کے سامنے ہاتھ باندھے سر جھکائے کھڑا تھا۔

اس نے کہا۔"ہمایوں ایک نااہل حکمران ہے۔وہ ملک گیری اور حکمرانی کے بھید کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ایک جنگجو کی مستقل مزاجی سے جنگ لڑنا بھی نہیں جانتا۔فوجی امداد دی جائے گی تو وہ پھر شکست کھائے گا۔اس کے ساتھ ہمارے ہزاروں فوجی مارے گے۔سینکڑوں' ہزاروں کی تعداد میں دیا ہوا اسلحہ بھی برباد ہوگا۔"

شاہ نے کہا۔"ہمایوں شیر دل بابر کا بیٹا ہے۔اس نے دشمنوں سے نہیں۔اپنے بھائیوں کی کمینگی سے مات کھائی ہے۔اگر ہم اس کی طرح نرم دل ہوتے۔تمہارے ساتھ محبت اور مروت سے پیش آتے تو تم بھی ہمارے سر پر ناچنے لگتے۔باغی بن کر ہمارے خلاف سازشیں کرتے اور ایک علیحدہ حکومت قائم کرنے کے لئے اس ملک کے ٹکڑے کر دیتے۔ہم نے تمہیں اس قدر پابندیوں میں رکھا ہے کہ تم ہمارے حکم کے بغیر پانی بھی نہیں پی سکتے۔ہمارے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہو۔ہم تمہیں پیچھے کھڑے ہونے کی اجازت نہیں دیتے۔کیونکہ سوتیلے بھائی اکثر پیچھے سے حملہ کرتے ہیں۔"

شہزادہ بہرام چپ چاپ سر جھکائے کھڑا رہا۔جواباً کچھ نہ کہہ سکا۔ایک امیر نے اٹھ کر دست بستہ عرض کیا۔"آپ حکومت کی خارجہ اور داخلہ حکمتِ عملیوں کو بہتر سمجھتے ہیں۔ہندوستان بہت بڑا ملک ہے۔اس کی طاقت بھی اتنی ہی بڑی ہوگی۔ہمایوں جتنی مستحکم حکومت قائم کرے گا اتنا ہی ہمارے ملک کے لئے خطرہ بنتا رہے گا۔"

شاہ نے کہا۔"ہمیں ہمایوں میں اپنے مرحوم دوست بابر کی صورت اور سیرت دکھائی دیتی ہے۔ہم نے برسوں پہلے بابر کو تحفے کے طور پر دو کنیزیں دی تھیں۔وہ دونوں ہمایوں کے ساتھ یہاں آئی ہیں۔ان کا بیان ہے کہ بابر نے ہمارے دیئے ہوئے تحفوں کی اتنی قدر کی کہ کبھی انہیں کنیز بنا کر نہیں رکھا۔ان دونوں کو شاہی بیگمات کا درجہ حاصل رہا ہے۔بابر کی موت کے بعد اب ہمایوں ان کنیزوں کو ماں کا درجہ دیتا رہا ہے۔جس کی فطرت میں اس قدر کی اعلیٰ ظرفی ہو۔وہ اپنے محسن کے احسانات کو کبھی نہیں بھلاتا۔ہم یہ بھی سوچ بھی نہیں سکتے کہ وہ ہندوستان میں دوبارہ اقتدار حاصل کرنے کے بعد بھی ہمارے لئے خطرہ بنے گا۔"

وہ بڑے اعتماد سے بولا۔"اور یہ خطرہ کیا ہوتا ہے؟ ہم جیسے بادشاہوں کو ہوشیار اور مستعد رکھنے کے لئے ایک تعزیانہ ہوتا ہے۔آس پاس کے ممالک فوجی اعتبار سے مستحکم ہوں تو ہم بھی ہمہ وقت بیدار اور مستحکم رہنے کے عادی ہو جاتے ہیں۔اگر آس پاس کے دشمنوں سے خوف آتا ہو تو اپنی زبانیں کاٹ کر پھینک دو۔کیونکہ یہ بھی بتیس دانتوں کے درمیان رہتی ہے۔یہ بتیس دشمن ایک زبان کو کسی وقت بھی کچل سکتے ہیں۔مگر کچل نہیں

پاتے.....ہمیں زبان کی طرح کبھی شیریں بن کر اور کبھی تلخ بن کر رہنا آتا ہے۔"

ایک اور امیر نے اٹھ کر دست بستہ عرض کیا۔"یہ بندہ مذہبی حوالے سے کچھ عرض کرنے کی جرات کر رہا ہے۔ ہمایوں کا تعلق ہمارے مسلک سے نہیں ہے۔ اسے بہت بڑی فوجی امداد دینا اور اپنے ہزاروں سپاہیوں کو داؤ پر لگانا کیا مناسب ہوگا؟"

شاہ نے کہا۔"ہمارا مسلک' ہمارا عقیدہ کہتا ہے۔ اگر پھیل سکتے ہو تو انسانوں کے دلوں میں کائنات کی طرح پھیلو۔ خاندانِ تیموریہ کی پوری تاریخ پر نظر ڈالو۔ شیر دل بادشاہ بابر نے اس ماں کا دودھ پیا' جس کا تعلق ہمارے مسلک سے تھا۔ ہمایوں کی والدہ ماہم بیگم بھی ہم میں سے تھیں۔ ہمایوں نے حالات سے مجبور ہو کر اپنے بیٹے اکبر کو ایک معزز دائی ماہم انگہ کے حوالے کیا ہے۔ اکبر اس کا دودھ پی رہا ہے اور ہمارے فرقے سے دودھ کی جو نہر نسل در نسل بہہ رہی ہے۔ اس سے مغل خاندان کی تاریخ کبھی انکار نہیں کر سکے گی۔ تم فوجی امداد پر اعتراض کر رہے ہو۔ یہاں دودھ کی آبیاری سے نسلیں پھل پھول رہی ہیں۔ وہ نہ کبھی دودھ کا قرض چکا سکیں گے اور نہ ہی کبھی کم ظرفی کا ثبوت دیں گے۔ یہ ہمیں پورا یقین ہے....."

شاہ تہماسپ ایسا مدبر اور معاملہ فہم بادشاہ تھا کہ اس کے آگے کوئی بول نہیں پاتا تھا۔ سب کی زبانیں بند ہو جاتی تھیں۔ رات کو ہمایوں کے لئے جو عشائیہ دیا گیا۔ اس میں تمام امراء اور اراکین دربار شریک ہوئے۔ دور تک بچھے ہوئے دستر خوان پر انواع و اقسام کے کھانے چنے گئے تھے۔ شاہ اور ہمایوں ایک دستر خوان پر آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ شہزادہ بہرام ہاتھ باندھے کھڑا ہوا تھا۔

شاہ نے اسے حکم دیا۔" آفتابہ اور سیلابچی لے کر آگے بڑھو اور مہمان کے ہاتھ دھلاؤ۔"

شہزادہ بہرام نے حکم کی تعمیل کی۔ ہمایوں کے سامنے سیلابچی رکھ کر آفتابہ کے پانی سے اس کے ہاتھ دھلانے لگا۔ شاہ نے اپنی بڑی بڑی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔" دیکھو.....! بھائیوں کو اس طرح رکھا جاتا ہے۔"

ہمایوں نے ہاتھ دھوتے ہوئے اس سوتیلے بھائی کو دیکھا۔ اس کا چہرہ توہین کی احساس سے سرخ ہو رہا تھا۔ لیکن وہ شاہ کے آگے دم نہیں مار سکتا تھا۔ کھانے کے دوران شاہ

نے ہمایوں سے کہا۔"ہم تمہیں پچیس ہزار سپاہی اور پچاس ہزار بندوقیں دیں گے۔ مگر ہماری ایک شرط ہے۔"

ہمایوں نے کہا۔"ہمیں آپ کی ہر شرط منظور ہے۔ آپ حکم دیں۔"

"ہم تمہارے باپ کی جگہ ہیں۔ حکم نہیں دیں گے۔ ایک اچھی نصیحت کریں گے اور وہ یہ کہ جب یہاں سے پوری فوجی قوت کے ساتھ یہاں سے نکلو تو فی الوقت دشمنوں کو بھول جاؤ۔ سب سے پہلے بھائیوں کی سرکوبی کرو۔ انہیں کچل ڈالو۔ جب آستین کے سانپ مر جائیں گے۔ گھر کا کوئی بھیدی ہی نہیں رہے گا تو بابر کا بیٹا بڑے سے بڑے شہ زور دشمنوں پر غلبہ حاصل کرتا چلا جائے گا۔"

ہمایوں نے شاہ کو احسان مندی سے دیکھتے ہوئے کہا۔"خدا ہمیں توفیق دے۔ ہم آپ کی نصیحت پر حرف بہ حرف عمل کریں گے۔"

شاہ نے نیام سے تلوار نکالی۔ پھر اس تلوار کو بکرے کی بھونی ہوئی بھاری بھرکم ران میں پیوست کر کے وہاں سے اٹھایا۔ اسے ایک ہاتھ سے پکڑ کر دانتوں سے نوچ نوچ کر چباتے ہوئے کہا۔"جو قریب ہیں' پہلے انہیں چبانا شروع کرو۔ دور والے تمہارے چبانے کا انداز دیکھ کر دور بھاگتے چلے جائیں گے۔"

☆☆☆

بدبختی اور خوش بختی دونوں ہی ہمایوں کے ساتھ ساتھ چل رہی تھیں۔ حالات اسے گراتے تھے۔ مگر وہ سنبھلنے میں دیر نہیں کرتا تھا۔ ایک چھوٹا سا گھر تباہ ہو جائے اور در بدر ہونا پڑے تو آدمی سنبھل نہیں پاتا۔ ہمایوں کا وسیع و عریض محل ہی نہیں۔ ہندوستان کی پوری سلطنت لٹ گئی تھی۔ اس سے چھین لی گئی تھی۔ اسے بے گھر بے در کر دیا گیا تھا۔ وہ صحرا میں بھٹک رہا تھا۔ قسمت کا دھنی تھا۔ لہٰذا خوش بختی اسے ایران لے گئی تھی۔ جہاں وہ پھر سے ایک فوجی قوت حاصل کر رہا تھا۔

اگر اسے خوش بختی کہا جائے تو بدبختی یہ تھی کہ اپنا بیٹا.....اپنا لختِ جگر اکبر بچھڑ گیا تھا۔ فردوس مکانی بابر کے وقت سے یہ خواہش پنپ رہی تھی کہ ایک' بیٹا ایک وارث ہونا چاہئے۔ ماہم بیگم نے ایک پوتے کو گود میں کھلانے کے لئے کتنی ہی کوششیں کر

ڈالیں۔ ہمایوں کی کتنی ہی شادیاں کرائیں۔ لیکن بیٹیاں پیدا ہوتی رہیں۔ کوئی جیتی رہی.... کوئی مرتی رہی۔ کسی بھی بہو سے پوتا نہ ہوا۔ آخر اختری سے یہ امید بندھی۔ نجومیوں نے پورے یقین سے پیشگوئی کی کہ بیٹا ہوگا... اور یقیناً ایسا ہی ہوا۔

ہونے کو تو بہت کچھ ہوتا ہے۔ مالی بیج بوتا ہے' درخت اگاتا ہے۔ لیکن پھل کھانا اس کے نصیب میں نہیں ہوتا۔ وہ پھل دوسروں کی جھولی میں چلا جاتا ہے۔ جیسا کہ اختری اپنے ہونے والے بیٹے کے ساتھ ہاتھ سے بے ہاتھ ہوگئی تھی۔ ماہم بیگم اور ہمایوں سے جدا ہوکر سوتیلے بھائی کے شکنجے میں چلی گئی تھی۔ وہ بیٹا جو دنیا میں آ ہی رہا تھا۔ وہ آتے آتے نابود ہوگیا تھا۔

ایک نئی فوجی قوت حاصل کرنے والے اس خوش بخت بادشاہ کی بدبختی یہ تھی کہ حمیدہ بانو کے بطن سے ہونے والا دوسرا بیٹا اکبر بھی اس سے بچھڑ گیا تھا۔ بظاہر تو یہی بات تھی کہ اس شیر خوار بچے کو طویل سفر کی صعوبتوں میں ساتھ نہیں رکھا جاسکتا تھا۔ اس لئے اسے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھنے والی دائی ماہم انگہ کی گود میں دے دیا گیا تھا۔ اکبر اس کا دودھ پی رہا تھا۔ ہمایوں کا سوتیلا بھائی دلدار بیگم کا بیٹا ہندال قندھار کا حکمران تھا۔ اکبر وہاں پوری طرح محفوظ تھا۔ لیکن اپنی چیز اپنے ہی ہاتھ میں ہو تو اپنی رہتی ہے۔ بچھڑنے کے بعد اختری سے ہونے والے بیٹے کا کیا انجام ہوا تھا....؟

اب حمیدہ بانو سے ہونے والے بیٹے کی جدائی کیا گل کھلانے والی تھی....؟

کیا گل سے گلستان ہونا تھا...؟ یا بدبختی کوئی اور ہی رنگِ گلستان دکھانے والی تھی؟

بظاہر تو ایسے آثار نہیں تھے کہ اچانک ہی زلزلہ آجاتا زمین پھٹ جاتی یا آسمان ٹوٹ پڑتا۔ بدبختی کا یہ دستور رہا ہے کہ وہ آنے سے پہلے کبھی آثار پیدا نہیں کرتی۔ کوئی اشارہ نہیں دیتی۔ بس اچانک ہی چھاپہ مار دیتی ہے۔

عسکری مرزا اچانک ہی اپنے لشکر کے ساتھ چڑھ دوڑا۔ ہندال ایسے حملے کے لئے تیار نہیں تھا۔ پھر بھی اس نے جم کر مقابلہ کیا۔ اس کے سپاہی زرہ بکتر کے ساتھ تیار نہیں تھے۔ یکا یک افتاد آپڑی تو ہتھیار اٹھا کر مقابلے پر آگئے تھے۔ مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق اپنا بچاؤ کررہے تھے۔ اس طرح کبھی جنگ نہیں لڑی جاتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے قدم اکھڑنے

لگے۔ ہندال کو محل کی طرف واپس آنا نصیب نہیں ہوا۔ وہ اپنی جان بچانے کے لئے دوسری طرف فرار ہوگیا۔

عسکری مرزا ایک فاتح کی شان سے محل میں داخل ہوا۔ کنیزوں نے' خواجہ سرا اور اردابیگنیوں نے اس کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے۔ وہ ان کے درمیان سے گزرتا ہوا بیگمات کے پاس آیا۔ دلدار بیگم نے سینہ تان کر کہا۔ "عسکری.... تم سوتیلے پن سے باز نہیں آئے۔ کوئی دوسری بات کرنے سے پہلے یہ بتاؤ' ہمارا بیٹا کہاں ہے؟ کس حال میں ہے؟"

عسکری نے کہا۔ "آپ کا بیٹا ہمایوں کی طرح بزدل اور بھگوڑا ہے۔ آپ سب کو ہمارے رحم کرم پر چھوڑ کر بھاگ گیا ہے۔"

پھر اس نے دلدار بیگم کی بیٹی اور ہندال کی بہن گلبدن بیگم کو دیکھ کر کہا۔ "آئندہ آپ سب یہاں قیدی کی حیثیت سے رہیں گی۔ حرم سے باہر کبھی تفریح کے لئے باغ میں بھی نہیں جائیں گی۔"

پھر اس نے پوچھا۔ "یہاں اور کتنی بیگمات ہیں؟ ان سب کو حاضر کیا جائے۔"

اس کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ ماہم انگہ کو پیش کیا گیا۔ گیارہ ماہ کا اکبر اس کے سینے سے لگا ہوا تھا۔ عسکری نے پوچھا۔ "یہ کون ہے؟"

دلدار بیگم نے کہا۔ "تمہیں یاد ہوگا' قنوج کی جنگ کے موقع پر شمس الدین خان نے ہمایوں کا بھرپور ساتھ دیا تھا اور اس جنگ میں اپنی جانثاری کے خوب جوہر دکھائے تھے۔ یہ اسی کی زوجہ ماہم انگہ ہیں۔"

"اور یہ بچہ....؟"

"یہ ہمارے ہمایوں کا بیٹا جلال الدین اکبر ہے۔ ماہم انگہ کا دودھ پیتا ہے۔"

عسکری نے ایک دم سے چونک کر بچے کو دیکھا۔ پھر دونوں ہاتھ پھیلا کر سر اٹھا کر قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "یہ تو کمال ہوگیا۔ ہم آئے تھے آگ لینے کے لئے ہمیں پیغمبری مل رہی ہے..... آئے تھے قندھار فتح کرنے کے لئے اور برادر بادشاہ کا جانشین مل رہا ہے۔ آج تو ہمیں اپنی خوش بختی کا خوب جشن منانا چاہئے۔"

وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا ماہم انگہ کے پاس آیا۔ وہ اکبر کو سینے سے بھینچتی ہوئی

دوسری طرف پلٹ گئی۔ یہ سمجھ گئی تھی کہ وہ بچے کو چھیننے کے لئے آیا ہے۔ اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ ''ہم سوتیلے ہیں تو کیا ہوا؟ ایک ہی باپ کا لہو ہیں۔ یہ ہمارے برادر بادشاہ کا راج دلارا ہے۔ ہمیں بھی جان سے پیارا ہے۔ اسے ہمارے ہاتھوں میں دو۔ ہم سینے سے لگائیں گے۔''

ماہم انگہ نے پریشان ہو کر دلدار بیگم کی طرف دیکھا۔ عسکری مرزا فاتح بن کر آیا تھا۔ اس کے سامنے انکار کی گنجائش نہیں تھی۔ دلدار بیگم نے کہا۔ ''بے شک یہ تمہارا حق بنتا ہے کہ اپنے بھتیجے کو سینے سے لگا کر پیار کرو۔ مگر تم سے استدعا ہے کہ یہ بچہ ہمارے پاس ہمایوں کی امانت ہے' وعدہ کرو اس پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔''

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ''ہم کوئی آگ تو نہیں ہیں کہ اسے آنچ لگ جائے گی؟ صرف یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ ہم چار سوتیلوں کے بیچ میں یہ کیا چیز آئی ہے؟ اور اگر آ ہی گئی ہے تو ماں باپ کے پاس کیوں نہیں ہے؟ یہاں کیوں پڑی ہے؟''

دلدار بیگم نے کہا۔ ''اس لئے کہ یہ ماہم انگہ کا دودھ پیتا ہے۔ ہمایوں اپنی بیگم حمیدہ بانو کے ساتھ بے سروسامانی کی حالت میں ہے اور اپنی فوجی قوت بڑھانے کی فکر میں ہے۔''

وہ مسکرا کر بولا۔ ''آپ حقیقت کیوں چھپا رہی ہیں؟ یہ کیوں نہیں کہتیں کہ وہ فوجی امداد حاصل کرنے کے لئے ایران گیا ہے؟''

پھر اس نے ماہم انگہ کی طرف دونوں ہاتھ پھیلا کر کہا۔ ''لاؤ...... بچہ ہمیں دو۔''

اس نے بڑے ہی تحکمانہ انداز میں کہا تھا۔ بادشاہ ایک ہی بار حکم دیتا ہے اور اس پر عمل کرنا لازمی ہو جاتا ہے۔ ماہم انگہ نے اکبر کو اس کی پھیلی ہوئی ہتھیلیوں پر رکھ دیا۔ وہ اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''واہ کیا بات ہے۔ دیکھنے میں بڑا زبردست ہے۔ ابھی سے شاہانہ تیور دکھائی دے رہے ہیں۔ مگر نصیب تو اپنے باپ سے لے کر آیا ہے۔ اُس کے پاؤں تلے زمین نہیں ہے۔ وہ مارا مارا پھر رہا ہے اور اسے بھی ماں باپ کا سایہ نصیب نہیں ہے۔ یہ بھی ہاتھ سے بے ہاتھ ہو کر ایک تایا کی گود میں پہنچا ہوا ہے۔ اب ہمارے ہاتھوں میں آیا ہے۔ خدا جانے اس کے بعد کہاں جائے گا؟''

پھر اس نے دلدار بیگم سے کہا۔ ''کیا ہی اچھا ہوتا' برادر بادشاہ اپنے بچے کو ہاتھوں

میں اٹھا کر شاہ ایران کے پاس لے جاتے۔ اس کے قدموں میں اسے رکھ کر بھیک مانگتے۔ اللہ تمہارا بھلا کرے۔ تمہارے بچے سلامت رہیں۔ اپنے بچوں کے طفیل ہمیں اسلحہ اور سپاہیوں کی بھیک دے دو.....''

وہ بچے کو ہاتھوں پر اچھالتے ہوئے بولا۔ ''مگر نہیں ملے گی۔ خیرات نہیں ملے گی۔ شاہ ایران اتنا نادان نہیں ہے کہ اپنا قیمتی اسلحہ اور ہزاروں سپاہی لڑنے مرنے کے لئے اس کے حوالے کر دے گا۔''

دلدار بیگم نے کہا۔ ''ہمایوں کو اس کے حال پر رہنے دو۔ بچے کو یوں نہ اچھالو۔ ہماری سانسیں رک رہی ہیں۔''

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ''آپ کا دم نہیں نکلنا چاہئے۔ ہم اسے نہیں اچھالیں گے۔''

اس نے اکبر کو سینے سے لگایا پھر کہا۔ ''یہ بھتیجا اسی طرح اپنے چچا کے سینے سے لگا رہے گا۔ برادر بادشاہ کی واپسی تک امانت کے طور پر ہمارے پاس رہے گا۔''

ماہم انگہ' دلدار بیگم اور گلبدن بیگم نے اسے پریشان ہو کر دیکھا۔ گلبدن بیگم نے کہا۔ ''برادر! ہم خواتین بچے کی اچھی طرح نگرانی کر سکتی ہیں۔ خدارا! اسے ہمارے پاس رہنے دیں۔''

عسکری مرزا نے کہا۔ ''ہمارے حرم میں بھی خواتین ہیں۔ وہاں بھی اس کی نگرانی ہو سکتی ہے۔ ہاں۔ یہ اس خاتون کا دودھ پیتا ہے۔ اس لئے دودھ پلانے والی ہمارے ساتھ جائے گی۔''

دلدار بیگم نے کہا۔ ''بیٹے! ایسا ظلم نہ کرو۔ اکبر کو لے جانا چاہتے ہو۔ تو پھر ہمیں بھی ساتھ لے چلو۔ قیدی بنا کر رکھو۔ مگر ہمایوں کی امانت سے دور نہ کرو۔''

عسکری مرزا نے منہ پھیر کر اردابیگنیوں سے کہا۔ ''تمام بیگمات کو ایک کمرے میں لے جا کر بند کر دو۔''

پھر اس نے خواجہ سراؤں سے کہا۔ ''باہر جا کر پردے کا انتظام کرو۔ پھر ماہم انگہ کو اکبر کے ساتھ پالکی میں بٹھاؤ۔ ہمیں ابھی یہاں سے روانہ ہونا ہے۔''

اس نے اکبر کو ماہم انگہ کی گود میں دیتے ہوئے حکم دیا۔ ''ہمارے پیچھے آؤ.....''

وہ پلٹ کر فاتحانہ انداز میں سینہ تان کر جانے لگا۔ ماہم انگہ نے بڑی بے بسی سے دلدار بیگم اور گلبدن بیگم کو دیکھا۔ پھر اکبر کو سینے سے لگائے سر جھکائے اس فاتح کے پیچھے جانے لگی۔

ادھر اختری نے اپنی جان پر کھیل کر کامران مرزا کے لئے مشکلات پیدا کر دی تھیں۔ وہ اس آسرے پر تھا کہ اختری ایک بیٹے کو جنم دے گی تو ہمایوں اسے اپنا سمجھ کر کامران کے دباؤ میں آجائے گا۔ بیٹے کی خاطر اس کی عداوتوں اور سازشوں کو بھول کر اسے معاف کر دے گا۔ لیکن اختری کی موت نے اس منصوبے کو خاک میں ملا دیا تھا۔

اب اس نے سوچا تھا کہ ایک ایسے بچے کو حاصل کرے گا جو شاہی خاندان کا لگتا ہو۔ پھر اسے ہمایوں کا بیٹا بنا کر اس کے سامنے پیش کرے گا اور یہ بیان دے گا کہ اختری اس کے وارث کو جنم دینے کے کچھ دیر بعد اللہ کو پیاری ہو گئی تھی۔

گل رخ بیگم نے کہا۔ ''ہمارے خاندان میں کسی بیگم یا شہزادی کی گود میں شیر خوار بچہ نہیں ہے۔ ایسا بچہ کہیں باہر سے لانا ہوگا۔''

کامران مرزا نے کہا۔ ''بڑی مشکل ہے۔ باہر سے لانے کے غیروں کو راز دار بنانا ہوگا۔''

وہ جلد از جلد ایک شیر خوار بچہ حاصل کرنے کی تدابیر سوچ رہے تھے۔ ایسے ہی وقت عسکری مرزا نے اطلاع بھیجی کہ وہ قندھار فتح کر چکا ہے اور ہندال کو بھاگنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اس سے بھی بڑی خوش خبری یہ تھی کہ برادر بادشاہ کا بیٹا جلال الدین اکبر اس کے قبضے میں آگیا ہے۔ وہ اسے یرغمال بنا کر اپنے ساتھ لے آیا ہے۔

یہ سنتے ہی ماں بیٹا خوشی سے اچھل پڑے۔ وہ ہمایوں کے لئے ایک نقلی بچہ حاصل کرنا چاہتے تھے۔ ادھر اصلی بیٹا ہاتھ آگیا تھا۔ کامران مرزا نے خوش ہو کر ماں سے کہا۔ ''آکم مادر! عسکری مرزا نے تو کمال کر دیا ہے۔ ہماری بدنصیبی کو خوش نصیبی میں بدل دیا ہے۔ ہم اپنے بھائی کو سونے میں تول دیں گے۔ آپ آج ہی عسکری کے پاس جائیں اور برادر بادشاہ کے بیٹے کو یہاں لے آئیں۔''

ہمایوں کا بیٹا ان سب کے لئے طلسمی چراغ تھا۔ اسے حاصل کرنے کے لئے وہ

فوراً ہی اپنے دوسرے بیٹے عسکری کی طرف دوڑ پڑی۔

وہاں پہنچ کر اس نے اکبر کو دیکھا۔ پھر اسے ہاتھوں میں لے کر سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔ ''اس وقت تو ہمیں دو جہاں کی دولت مل رہی ہے۔ اب ہم خدا سے کچھ نہیں چاہیں گے۔ تم یہ بتاؤ' جب قندھار کو فتح کر لیا ہے تو پھر وہ علاقہ چھوڑ کر یہاں کیوں آگئے ہو؟''

اس نے کہا۔ ''آکم مادر! ہمارے پاس اتنا ہی لشکر ہے کہ ہندال کو زیر کر سکتے ہیں اور ہم نے ایسا کیا ہے۔ شاہ ایران سے توقع نہیں ہے کہ وہ ہمایوں کو فوجی امداد دینے کی غلطی کرے گا۔ فرض کریں' اس نے یہ غلطی کی اور اسے فوجی امداد مل گئی تو وہ سب سے پہلے اپنے بیٹے کے لئے سیدھا قندھار آئے گا۔ پھر ہم اس کے مقابلے میں ٹھہر نہیں سکیں گے۔''

''پھر تو تم نے اچھا ہی کیا کہ اکبر کو لے کر یہاں چلے آئے۔ لیکن قندھار کے لئے افسوس ہو رہا ہے۔ تم جیتا ہوا علاقہ چھوڑ آئے ہو۔''

''ہمیں فیصلہ کرنا تھا کہ کس کی اہمیت زیادہ ہے۔ اس علاقے کی یا ہمایوں زادے کی...؟''

''بے شک تم نے درست فیصلہ کیا ہے۔ خدا نہ کرے کبھی ہمیں ہمایوں کے سامنے جھکنا پڑا تو اس کا یہ بیٹا ہمارے بہت کام آئے گا۔ پھر یہ کہ تم دونوں بھائیوں کی لشکری قوت زیادہ ہو گی۔ یہاں تم ہمایوں کا مقابلہ کر سکو گے۔''

گل رخ بیگم کی گود میں اکبر رونے لگا۔ عسکری مرزا نے کہا۔ ''شائد اس کے دودھ کا وقت ہو گیا ہے۔''

اس نے حکم کیا۔ ''ماہم انگہ کو حاضر کیا جائے۔''

گل رخ بیگم نے پوچھا۔ ''یہ کون ہے؟''

''اکبر کی دایہ ہے۔ اسے دودھ پلاتی ہے۔ یہ اس سے بہت مانوس ہے۔ اس لئے ہم اسے بھی یہاں لے آئے ہیں۔''

ماہم انگہ نے آ کر سلام کیا تو گل رخ بیگم اسے دیکھتے ہی بولی۔ ''یہ آپ ہیں....؟''

پھر اس نے بیٹے سے کہا۔ ''یہ تو شمس الدین خان کی زوجہ ہیں۔ دہلی میں شاہی محل میں ہمارے ساتھ رہ چکی ہیں۔ بہت اچھی خاتون ہیں۔ تم نے بہت اچھا کیا جو انہیں

یہاں لے آئے۔"

اکبر ماہم انگہ کو دیکھتے ہی اس کے پاس جانے کے لئے مچلنے لگا۔ اس نے آگے بڑھ کر اسے گود میں لے لیا۔ گل رخ بیگم نے کہا۔ "یہ بھوکا ہے۔ اسے لے جائیں۔ دودھ پلانے کے بعد اپنا ضروری سامان رکھ لیں۔ اکبر کو یہاں محل میں نہیں۔ قلعے میں رکھا جائے گا۔"

ماہم انگہ اسے اپنے کمرے میں لے آئی۔ پھر دودھ پلاتے ہوئے اس کا سر سہلاتے ہوئے بولی۔ "میرے بچے! میں تمہیں دودھ پلانے کا اعزاز حاصل کرنا چاہتی تھی۔ میں نے تمہاری خاطر اپنے بیٹے کو دائی کے حوالے کر دیا ہے۔ اس کے حصے کا دودھ تمہیں پلا رہی ہوں۔ مگر تم بھی تو باپ کا نصیب لے کر آئے ہو۔ گھر سے بے گھر اور ہاتھ سے بے ہاتھ ہوتے جا رہے ہو۔ اب تمہیں کامران مرزا کے حوالے کیا جائے گا۔ پتہ نہیں یہ لوگ کیسی سازشیں کر رہے ہیں؟ اب تمہارا کیا ہونے والا ہے؟"

وہ دل ہی دل دعائیں مانگنے لگی کہ بادشاہ ہمایوں کو کسی بھی طرح ایران سے فوجی امداد حاصل ہو جائے اور وہ بیٹے کو حاصل کرنے کے لئے سیدھا یہاں چلا آئے۔

وہ نہیں جانتی تھی' ہمایوں کہاں ہے؟ کیا کر رہا ہے؟ اس کی راہوں میں کانٹے بچھائے جاتے تھے۔ کیا وہ کانٹے چنتا ہوا ایران تک پہنچا ہو گا؟ بخت اس سے ناراض ہے۔ کیا اس کی یاوری کرے گا؟

اکبر دودھ پیتے پیتے سو گیا۔ ایسے وقت ایک اردا بیگنی نے آ کر کہا۔ "خواجہ سرا روحی صبا حاضری کی اجازت چاہتی ہے۔"

ماہم انگہ نے اکبر کو بستر پر لٹاتے ہوئے کہا۔ "اجازت ہے۔"

اس نے باہر جا کر روحی صبا کو اندر بھیج دیا۔ وہ ماہم انگہ کو سلام کرتے ہوئے بولا۔ "میرا نام روحی صبا ہے۔ میں ملکہ معظمہ (گل رخ بیگم) کی خاص خادمہ ہوں۔ ان کے دونوں صاحبزادوں کی بھی معتمدِ خاص ہوں۔ مجھے آپ کی خدمت کے لئے وقف کیا گیا ہے۔ آپ قلعے میں جا کر رہیں گی تو میں دروازے کے باہر پہریدار کے طور پر موجود رہا کروں گی۔ آپ کا کوئی بھی کام صرف میں ہی کیا کروں گی۔"

"یہ اچھی بات ہے کہ تم ان کی معتمدِ خاص ہو۔ میں تمہارا نام یاد رکھوں گی اور

ضرورت کے وقت تمہیں طلب کروں گی۔"

"میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں۔"

ماہم انگہ نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر یہاں کے خواجہ سرا کو غیر ضروری گفتگو کرنے کی اجازت ہے تو کہو۔۔۔۔ کیا کہنا چاہتی ہو؟"

روحی صبا نے کہا۔ "ایک سوال ہے' آپ موجودہ حالات میں کس کی وفادار رہیں گی؟ کابل کے بادشاہ بخت آور کامران مرزا کی۔۔۔۔ یا ان کے برادر بادشاہ ہمایوں کی۔۔۔۔؟"

ماہم انگہ نے اکبر کو دیکھا۔ وہ گہری نیند میں تھا۔ اس نے کہا۔ "میں اس بچے کو جان سے زیادہ چاہتی ہوں۔ میرے والد محترم فردوس مکانی بابر کے وفادار تھے۔ میرے مجازی خدا شمس الدین خان بادشاہ ہمایوں کے جانثار محافظ ہیں۔ وفاداری میری گھٹی میں پڑی ہے۔ یہ سلسلہ یہاں تک آ پہنچا ہے کہ میں بادشاہ ہمایوں کے بیٹے کو دودھ پلا رہی ہوں۔"

وہ بولا' خدا شہزادہ اکبر کو اپنے حفظ امان میں رکھے۔ یہاں ان کا کوئی سگا نہیں ہے۔ سب سوتیلے ہیں۔ اوپر اللہ ہے اور نیچے آپ۔۔۔ خدا نہ کرے' ان پر کوئی آنچ آئے۔ اگر آئے گی تو کیا کریں گی؟"

ماہم انگہ نے اسے گھور کر دیکھا۔ پھر بڑے عزم اور حوصلے سے کہا۔ "میری آخری سانسوں تک یہی کوشش ہو گی کہ اس پر کبھی کوئی آنچ نہ آئے۔ مگر اس بچے پر جان نچھاور کرنے کے بعد کیا ہو گا یہ میں نہیں جانتی۔ صرف خدا جانتا ہے۔"

وہ بولا۔ "خدا آپ کو سلامت رکھے اور شہزادہ اکبر آپ کی آغوش میں دشمنوں سے محفوظ رہیں۔ آپ نے اختری کا نام سنا ہو گا۔ وہ بادشاہ سلامت کی منکوحہ تھیں۔ نجومیوں کی پیشگوئی کے مطابق ان کے بیٹے کو جنم دینے والی تھیں۔"

"ہاں۔ بہت کچھ سنا ہے۔ گلبدن بیگم نے بتایا تھا کہ کامران مرزا نے ان سب کو قیدی بنا کر رکھا تھا۔ لیکن اختری کو مہمان خاص بنایا ہوا تھا۔"

روحی صبا نے کہا۔ "ان بیگمات کو اختری کے سلسلے میں بہت سی غلط فہمیاں ہیں۔ میں چاہتی ہوں' یہ تمام غلط فہمیاں دور ہو جائیں۔"

اس نے محتاط نظروں سے بند دروازے کی طرف دیکھا۔ پھر اپنے لباس میں سے

کاغذات کا ایک پلندا نکالتے ہوئے کہا۔ ”میں نے تمام حقائق تفصیل سے لکھے ہیں۔ میری گذارش ہے' آپ انہیں ضرور پڑھیں اور پڑھنے کے بعد جلا دیں۔ اگر یہ ملکہ معظمہ (گل رخ بیگم) اور ان کے صاحبزادوں کے ہاتھ لگیں گے تو وہ میری کھال کھنچوا دیں گے۔ میں بہت بڑا خطرہ مول لے کر آپ پر اعتماد کر کے یہاں سے جا رہی ہوں۔ آپ کی بے اعتمادی میری موت کا سبب بنے گی۔“

وہ سلام کرتا ہوا دروازہ کھول کر باہر چلا گیا۔ ماہم انگہ نے اسے اندر سے بند کیا۔ پھر اکبر کے پاس آ کر بستر کے سرے پر بیٹھ گئی۔ اس پلندے کو کھول کر پڑھنے لگی۔

روحی صبا نے اختری کی پوری روداد لکھی تھی کہ وہ کس طرح حرم میں آئی تھی اور ہمایوں بادشاہ کو دل ہی دل میں چاہتی تھی۔ ایک جیوتشی نے کہا تھا کہ وہ ایک رات کی ملکہ بنے گی۔ یہی بات اس کے دل و دماغ میں نقش ہو گئی تھی۔ جب ماہم بیگم کے نجومی نے بھی یہی بات کہی تو انہوں نے ایک پوتا اور تخت کا وارث حاصل کرنے کے لئے بادشاہ ہمایوں کا نکاح اختری سے پڑھا دیا۔

بعد میں یہ پیشگوئی درست ثابت ہوئی۔ وہ صرف ایک ہی رات کے لئے اس کی دلہن بن پائی تھی۔ پھر سہاگ کی دوسری رات نصیب نہیں ہوئی۔ وہ بدنصیب حالات کے تھپیڑے کھاتی ہوئی کامران مرزا کے ہتھے چڑھ گئی۔

اس نے بادشاہ ہمایوں سے یہ بات چھپائی تھی کہ جو بیٹا وہ پیدا کرنے والی تھی۔ اس میں ملاوٹ ہو چکی ہے۔ اسے جیوتشی کی پیشگوئی پر پورا اعتماد تھا بلکہ عقیدہ تھا کہ وہ ہمایوں کے بیٹے کو ہی جنم دے گی۔ اسی لئے اس نے بادشاہ ہمایوں کو یہ نہیں بتایا کہ کامران مرزا اس کی آبرو پر ہاتھ ڈال چکا ہے۔

چونکہ وہ گل رخ بیگم اور کامران مرزا کی مرضی کے مطابق جھوٹ بول رہی تھی اور ہمایوں کو دھوکہ دے رہی تھی۔ اس لئے انہوں نے کابل میں تمام بیگمات کو قیدی بنا کر رکھا تھا اور اسے محل میں آرام و آسائش کے ساتھ رکھا تھا۔

اختری نے اس مرحلے پر ان تمام بیگمات کی حمایت میں بہت بڑا اقدم اٹھایا۔ اگلے دس بارہ دنوں میں زچگی ہونے والی تھی۔ اس نے خنجر کی نوک کو اپنے پیٹ پر رکھ

کر گل رخ بیگم کو مجبور کیا کہ وہ بیگمات کو رہا کر دے۔ ورنہ وہ اپنے ساتھ بچے کی بھی جان لے لے گی۔

گل رخ بیگم اور کامران مرزا نے یہ سوچ رکھا تھا کہ بادشاہ ہمایوں کو کبھی اقتدار حاصل ہوگا اور وہ اس کے زیر اثر آئیں گے تو اختری سے ہونے والے بیٹے کو بادشاہ ہمایوں کی امانت بنا کر پیش کریں گے۔ انہیں یقین تھا' وہ نرم دل بادشاہ ان کی عداوتوں کو ضرور معاف کر دے گا۔

گل رخ بیگم یہ نہیں چاہتی تھی کہ اختری کا بچہ ضائع ہو جائے۔ ایسے وقت ہندال نے بھی ان بیگمات کا مطالبہ کیا تھا۔ اس تحریر کو پڑھنے والے یہ یقین کریں کہ انہوں نے ہندال کے مطالبے سے نہیں بلکہ اختری کے جارحانہ اقدام سے مجبور ہو کر ان بیگمات کو رہا کیا تھا۔ وہ بیگمات اختری سے خواہ کتنی ہی نفرت کریں۔ یہ تو خدا ہی جانتا ہے کہ اس نے ان کی خاطر کتنی بڑی قربانی دی ہے۔

گل رخ بیگم نے بیگمات کو رہا کرنے کے بعد اختری پر بڑے مظالم ڈھائے۔ جب اس کے ذہن میں یہ بات اچھی طرح بیٹھ گئی کہ نجومی کی پیشگوئی کے مطابق اس کا بیٹا بادشاہ ہمایوں کا ہو یا نہ ہو۔ لیکن اس نے اپنے مجازی خدا سے جھوٹ کہا ہے۔ اپنی بے آبروئی کی بات چھپائی ہے۔ پھر یہ خیال بھی پیدا ہوا کہ جب بادشاہ ہمایوں کے ساتھ ایسا ہو رہا ہے تو خدا جانے آئندہ اس کے بیٹے کے ساتھ کیسا سلوک کیا جائے گا؟ اسے کس طرح استعمال کیا جائے گا؟

یہی ایک آخری بات سمجھ میں آئی کہ جو غلط ہے' وہ ہر حال میں غلط ہے اور اس غلطی کو مٹا دینا چاہئے۔ لہٰذا اس نے زہریلی گولیاں کھا کر خودکشی کر لی۔ دس بارہ دنوں بعد جو بیٹا پیدا ہونے والا تھا۔ اسے بھی اپنے ساتھ مار ڈالا۔ گل رخ بیگم اور کامران مرزا کے تمام منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔ انہوں نے غصے میں اس کی لاش کو ٹھوکریں ماریں۔ پھر حکم دیا کہ اسے اٹھا کر فصیل کے پچھلے حصے کی بلندی سے گہری کھائی میں پھینک دیا جائے۔

”مجھ بدنصیب نے وہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ محترمہ ماہم انگہ....! جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ شہزادہ اکبر کو آپ کے ساتھ کابل کے محل میں لایا گیا ہے اور آپ

انہیں دودھ پلاتی ہیں تو میرے دل میں بات آئی کہ اپنا دودھ پلانے والی شہزادے کی اور اس کے خاندان کی وفادار ہوگی۔ مجھے یہ ساری روداد لکھ کر آپ تک پہنچانا چاہئے۔ آپ کو تمام حقائق معلوم ہوں گے اور کبھی بادشاہ ہمایوں سے سامنا ہوگا تو انہیں اختری کے متعلق سچ معلوم ہو جائے گا کہ اس بے چاری نے بیگمات کی خاطر اور بادشاہ ہمایوں کی خاطر کتنی بڑی قربانی دی ہے؟ صرف اپنی ہی نہیں۔ اپنے ہونے والے بیٹے کی بھی جان لی ہے۔

میں ایک درمیان والی ہوں۔ نہ ادھر کی ہوں نہ ادھر کی.....اگر زندہ رہی اور بادشاہ اور بیگمات کے سامنے یہ روداد بیان کی تو یقین سے نہیں کہہ سکتی کہ وہ اسے سچ تسلیم کریں گے۔ آپ ایک معزز خاتون ہیں آپ کی باتوں میں وزن ہوگا۔ شائد وہ اختری کی قربانیوں کو تسلیم کریں اور اسے خراج عقیدت پیش کرنے کی خاطر اس کے لئے دعائے مغفرت کریں۔

آخر میں عرض ہے کہ ان کاغذات کو پڑھنے کے بعد فوراً جلا ڈالیں۔ اگر یہ باقی رہے اور کسی کے ہاتھ لگ گئے تو ظالم مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ میں موت سے نہیں ڈرتی۔ لیکن ایک ہی حسرت ہے کہ زندہ رہ کر ظالموں کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھوں۔

فقط بادشاہ ہمایوں کی وفادار۔ ایک خواجہ سرا عرف روحی صبا۔"

اس نے اختری کی روداد بڑے ہی دردناک انداز میں لکھی تھی۔ ماہم انگہ اسے پڑھ کر بے حد متاثر ہوئی۔ دیر تک بیٹھی سوچتی رہی۔ پھر حمام میں آ کر اس پلندے کو آگ لگائی۔ ان کاغذات کو آخر تک جلتے ہوئے دیکھا پھر اس راکھ کو ... پانی کی موری میں بہا دیا۔

☆☆☆

ہندال شکست کھا کر فرار ہو گیا تھا اور اپنا چھینا ہوا علاقہ واپس حاصل کرنے کے لئے بکھری ہوئی فوجی قوت کو یکجا کرنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔ اس سے پہلے ہی عسکری مرزا اپنے لشکر کے ساتھ قندھار واپس آ گیا۔ وہ اکبر کو قیدی اور یرغمال بنا کر وہاں سے لے گیا تھا۔ لیکن پھر اسے بڑے بھائی کامران مرزا کے حوالے کرنا پڑا تھا۔ ایسے میں اس نے سوچا کہ وہ جیتا ہوا علاقہ خالی پڑا ہے۔ وہ وہاں جا کر پھر سے قبضہ جما سکتا ہے۔

یہی سوچ کر وہ دوبارہ قندھار آ کر وہاں کا حکمران بن گیا۔ لیکن یہ حکمرانی زیادہ

عرصے تک قائم نہ رہ سکی۔ ہمایوں فوجی قوت حاصل کر کے ایران سے واپس آیا تو اس نے سیدھا قندھار کا رخ کیا۔ مرزا عسکری کو اطلاع ملی کہ برادر ہمایوں نے پھر سے قوت حاصل کر لی ہے۔ اس کے لشکر میں پچیس ہزار سپاہی ہیں۔ اتنی بندوقیں اور توپیں ہیں کہ دیکھتے ہی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں۔

یہ سنتے ہی عسکری مرزا اپنے لشکر کے ساتھ وہاں سے فرار ہو کر سیدھا کابل آ گیا۔ وہاں کامران مرزا کو بتایا کہ ہمایوں نے توقع کے خلاف بہت بھاری فوجی قوت حاصل کی ہے۔ بعد میں ان کے مخبر بھی آتے رہے اور انہیں بتاتے رہے کہ ہمایوں کے تمام سپاہیوں کے پاس بندوقیں ہیں اور بے حساب گولہ بارود ہے۔

وہ دونوں بھائی خبریں سن رہے تھے اور ان کے ہوش اڑتے جا رہے تھے۔ عسکری نے کہا۔ "ہم تو ان سے مقابلہ نہیں کریں گا۔ ہمارے لشکر میں صرف دس ہزار سپاہی ہیں۔"

کامران نے ڈانٹ کر کہا۔ "بزدلی کی باتیں نہ کرو۔ ہمارے لشکر میں بیس ہزار سے زیادہ سپاہی ہیں۔ ہمارے ان سپاہیوں کی مجموعی تعداد برادر بادشاہ کے سپاہیوں سے بہت زیادہ ہے۔"

عسکری نے کہا۔ "برادر! یہ بھی تو سوچیں۔ ہمارے سپاہیوں کے پاس تیز تلواریں اور نیزے ہیں۔ بندوقیں بہت کم ہیں۔ قلعے کے دروازے پر صرف دو توپیں نصب کی گئی ہیں۔ ہم ان کا مقابلہ کیسے کر سکیں گے؟"

کامران مرزا نے کہا۔ "تم اپنے سسر سے اور ہم اپنے سالوں سے مدد حاصل کریں گے۔ ان سے ہمیں اچھی خاصی تعداد میں بندوقیں مل جائیں گی۔ ہمارے بندوق بردار سپاہی قلعے کے باہر رہ کر ان کا مقابلہ کریں گے اور ہم قلعہ بند ہو کر لڑیں گے۔ یہاں برادر بادشاہ کی سب سے بڑی کمزوری اور ہماری سب سے بڑی قوت شہزادہ اکبر ہے۔ وہ کتنی ہی بندوقوں اور گولہ بارود کے ساتھ آ جائے۔ ہمارے سامنے ہتھیار ڈالنا ہی پڑیں گے۔"

قلعے کے اندر ماہم انگہ تک یہ خبر پہنچی کہ بادشاہ ہمایوں ایک لشکرِ جرار کے ساتھ قندھار پہنچ گیا ہے تو اس نے فوراً ہی سجدۂ شکر ادا کیا۔ چار رکعت نمازِ نفل ادا کی۔ پھر اکبر کو آغوش میں لے کر خوب چومتے ہوئے کہا۔ "خدا تمہارا اقبال بلند کرے۔ تمہارے بابا اعلیٰ

حضرت کسی بھی دن یہاں پہنچنے والے ہیں۔اللہ نے چاہا تو تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ہمیں یہاں سے رہائی نصیب ہوگی۔''

یہ بات روحی صبا تک پہنچی تو اس نے بھی سجدے میں گر کر کہا۔''یا خدا! ہم درمیان والوں کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھائی جاتی۔ہم دھتکاری ہوئی مخلوق ہیں۔پھر بھی میں تیرے حضور سجدہ کرتی ہوں اور نمازیں پڑھتی ہوں۔تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔اختری پر ظلم کرنے والوں کا یوم حساب قریب آرہا ہے۔''

گل رخ بیگم بھی بری طرح پریشان ہوگئی تھی۔وہ دونوں صاحبزادوں کے ساتھ تیزی سے چلتی ہوئی ماہم انگہ کے دروازے پر آئی تو روحی صبا وہاں سجدہ کرنے کے بعد اٹھ رہا تھا۔

وہ ناگواری سے بولی۔''دروازے پر نماز کیوں پڑھ رہی ہے؟ اور یہ نماز کا کونسا وقت ہے؟''

اس نے دست بستہ سر جھکا کر کہا۔''معافی چاہتی ہوں۔قضاء پڑھ رہی تھی۔''

کامران مرزا نے کہا۔''دروازہ کھول...''

اس نے فوراً ہی آگے بڑھ کر دروازے کو کھول دیا۔اندر ماہم انگہ مصلّے پر دوزانو بیٹھی اکبر کو آغوش میں لئے چوم رہی تھی۔

گل رخ بیگم نے اسے دیکھ کر پوچھا۔''کیا آپ بھی قضاء پڑھ رہی ہیں؟''

ماہم انگہ نے کہا۔''شہزادے کو بخار تھا۔اب اتر گیا ہے۔یہ ہنسنے بولنے لگا ہے۔اس لئے سجدہ شکر ادا کر رہی تھی۔''

وہ مصلّے کو سامنے سے الٹ کر کھڑی ہوگئی پھر بولی۔''آپ سب ہی اچانک آئے ہیں۔کوئی خاص بات ہے؟''

گل رخ بیگم نے ذرا منہ بنا کر کہا۔''اکبر کے لئے اچھی خبر ہے۔ہمایوں سے ایران سے فوجی امداد حاصل ہوگئی ہے۔اس نے واپس آتے ہی قندھار پر قبضہ جما لیا ہے۔ان حالات میں آپ کیا کہنا چاہیں گی؟''

''خدا سے دعا مانگوں گی کہ تمام بھائیوں میں صلح ہوجائے۔میں اسے دودھ

پلا رہی ہوں۔یہ بادشاہ اور حمیدہ بانو بیگم کی امانت ہے۔بلکہ عسکری مرزا قندھار سے یہی کہہ کر آئے تھے کہ برادر بادشاہ کا بیٹا ان کے پاس امانت کے طور پر رہے گا۔میں چاہوں گی 'یہ اپنے ہاتھوں سے ان کی امانت واپس کردیں۔اس طرح بھائیوں میں محبت بڑھے گی۔''

گل رخ بیگم نے کہا۔''بے شک۔آپ ایک ذہین اور معاملہ فہم خاتون ہیں۔ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ جنگ و جدل اور خون خرابہ نہ ہو۔ادھر بھی اور ادھر بھی بھائیوں کو امان ملے۔''

کامران مرزا نے پوچھا۔''آئندہ کبھی برادر بادشاہ سے سامنا ہوا تو آپ ہمارے سلسلے میں کیا بیان دیں گی؟''

ماہم انگہ نے پوری طرح کچھ نہ سمجھتے ہوئے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔گل رخ بیگم نے وضاحت کی۔''ہمارا بیٹا یہ کہنا چاہتا ہے کہ عسکری مرزا قندھار سے اکبر کو آپ کے ساتھ یہاں لے آیا۔اگرچہ جبراً لایا۔لیکن اس کی نیت یہی تھی کہ بھائی کی امانت کو اپنے پاس رکھے گا۔''

عسکری نے کہا۔''اور آپ نے دیکھا ہے کہ ہم نے آپ کو اور شہزادہ اکبر کو قیدی بنا کر نہیں رکھا ہے۔''

ماہم انگہ نے کہا۔''بے شک۔میں اس حقیقت سے انکار نہیں کروں گی۔یہاں مجھے عزت مل رہی ہے۔احترام مل رہا ہے۔ہر طرح کا آرام اور آسائش ہے۔میں بادشاہ سلامت ہمایوں سے یہی کہوں گی اور یہی سچ ہے۔''

کامران مرزا نے کہا۔''برادر بادشاہ عنقریب اپنے بیٹے کا مطالبہ کرنے والے ہیں۔ہم خط و کتابت کے ذریعہ ان سے معاملات طے کریں گی۔آپ سے گذارش ہے 'اپنے طور پر برادر بادشاہ کے نام ایک خط لکھیں کہ آپ یہاں شہزادہ اکبر کے ساتھ بڑے آرام سے اور بڑی عزت سے رہتی ہیں اور جو کچھ لکھ رہی ہیں۔وہ کسی کے زیر اثر آکر یا کسی کے جبر کرنے سے نہیں لکھ رہی ہیں۔آپ کو خط و کتابت کی پوری آزادی ہے۔''

ان ماں بیٹوں نے ہمایوں سے مقابلہ کرنے کی ٹھان لی تھی۔لیکن کسی برے وقت کے لئے پہلے سے معافی کا راستہ ہموار کرنا چاہتے تھے۔اس لئے سب سے پہلے ماہم انگہ کو

اپنے حق میں ہموار کر رہے تھے۔ اس دودھ پلانے والی کے ایک حمایتی بیان سے ان کے سارے گناہ معاف ہو سکتے تھے۔

ادھر ہمایوں ایک فاتح کی شان سے محل میں داخل ہوا تو دلدار بیگم اور گلبدن بیگم نے بڑی محبت سے اس کا استقبال کیا۔ دلدار بیگم نے اس کی پیشانی کو چومتے ہوئے کہا۔ ”بیٹے! ہمیں افسوس ہے، ہم تمہاری امانت کی حفاظت نہ کر سکے۔ عسکری مرزا شہزادہ اکبر کو جبراً ہم سے چھین کر لے گیا ہے۔“

گلبدن بیگم نے کہا۔ ”ہم خدا سے اس کی سلامتی کے لئے دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔ بس ایک ذرا اطمینان یہ ہے کہ ماہم انگہ جیسی وفادار دایہ اکبر کے ساتھ ہیں۔ وہ بڑی ذہانت اور حکمت عملی سے بچے کی حفاظت کرتی رہیں گی۔“

حمیدہ بانو ان خواتین سے گلے مل کر رونے لگی۔ وہ بڑی محبت سے اور ممتا سے وہاں پہنچی تھی۔ اپنے بچے کو کلیجے سے لگا کر ممتا کو تسکین پہنچانا چاہتی تھی۔ مگر یہ سنتے ہی دل ڈوبنے لگا کہ بیٹا سوتیلوں کی قید میں پہنچا ہوا ہے۔ ہمایوں نے تسلی دی۔ ”صبر کرو۔ خدا ہمارے ساتھ ہے۔ ہمارا بیٹا محفوظ ہے اور محفوظ رہے گا۔ ہم ابھی بھائیوں کے پاس قاصد بھیجتے ہیں اور مطالبہ کرتے ہیں کہ شہزادے کو فوراً ہمارے حوالے کیا جائے۔“

دلدار بیگم نے کہا۔ ”میرے بیٹے ہندال کے پاس بھی قاصد بھیج دو۔ وہ اپنے لشکر کو از سرِ نو مستحکم کرنے میں مصروف ہے۔ تمہارے استحکام کی خبر ملے گی تو دوڑا چلا آئے گا۔“

ہمایوں نے دونوں طرف اپنے قاصد بھیج دیئے۔ ہندال فوراً ہی واپس آ کر ہمایوں کے گلے لگ گیا۔ اس نے ہندال کے شانے کو تھپکتے ہوئے کہا۔ ”یہ قندھار تمہارا ہے۔ تم ہی یہاں کے حکمران رہو گے۔ ہمیں کامران اور عسکری سے نمٹنا ہے۔ ہم یہاں رہ کر ان کی فوجی قوت کا اندازہ کریں گے۔“

ہندال نے کہا۔ ”جنگ ہوئی تو ہم آپ کے شانہ بشانہ رہیں گے۔ شہزادہ اکبر ہمارے محل میں آپ کی امانت تھا۔ عسکری اسے جبراً لے گیا ہے۔ ہم اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔“

ہمایوں نے کہا۔ ”ہندال! غصہ تھوک دو۔ فی الحال جنگ و جدل سے پرہیز کرنا

ہے۔ وہ اکبر کو یرغمال بنا کر ہمیں کمزور بنانے کی کوشش کرتا رہے گا۔ ہماری حکمت عملی ایسی ہونی چاہئے کہ اکبر کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ وہ صحیح سلامت ہمارے پاس پہنچ جائے۔“

دلدار بیگم نے کہا۔ ”انشاء اللہ۔ ہمارا شہزادہ بخیریت ہماری آغوش میں آئے گا۔“

گلبدن بیگم نے کہا۔ ”کامران مرزا بہت ہی ظالم ہے۔ یقین نہیں آتا کہ اس کی رگوں میں فردوس مکانی کا لہو دوڑ رہا ہے۔ پورے شاہی خاندان میں آپ کی والدہ مرحومہ سب سے معزز اور قابل احترام سمجھی جاتی تھیں۔ لیکن اس بدبخت نے انہیں بھی ہمارے ساتھ قیدی بنا کر رکھا تھا۔ ہمیں جس چار دیواری میں رکھا گیا تھا۔ اس کے دروازے اور کھڑکیوں کو اینٹوں سے چنوا دیا تھا۔ باہر کا کوئی منظر دکھائی نہیں دیتا تھا۔ کسی کی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ اوپر چھت میں ایک خلاء بنایا گیا تھا۔ وہاں سے کھانے پینے کی چیزیں پہنچائی جاتی تھیں۔“

دلدار بیگم نے ہمایوں سے کہا۔ ”یہی سوچ کر کلیجہ کانپ جاتا ہے، جب اس نے تمہاری والدہ مرحومہ کے ساتھ ایسا سلوک کیا ہے تو پتہ نہیں اکبر کے ساتھ کیسا سلوک کر رہا ہوگا؟“

حمیدہ بانو نے روتے ہوئے کہا۔ ”خدارا... کسی بھی شرط پر کسی بھی قیمت پر ہمارے بیٹے کو وہاں سے لے آئیں۔“

ہمایوں نے کہا۔ ”خدا پر بھروسہ رکھو۔ ہمارا بیٹا بخیریت یہاں آئے گا۔“

قاصد کابل کے قلعے میں پہنچا تو گل رخ بیگم کامران مرزا اور عسکری مرزا سب ہی دوڑے چلے آئے۔ انہوں نے قاصد سے فرمان لے کر پڑھا۔

ہمایوں نے لکھا تھا۔ ”الحمدللہ۔ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہے۔ یہاں آؤ یا اپنے معتبر امراء کو روانہ کرو۔ تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے ہمارے لشکر کے ایک ایک شعبے کو دیکھیں اور فوجی قوت کا حساب کر کے تمہیں بتائیں کہ تم ہمارے سامنے چیونٹیاں ہو۔ ہم جب چاہیں گے، تمہیں مسل کر رکھ دیں گے۔

اگر جنگ و جدل اور خون خرابہ نہیں چاہتے۔ اپنی سلامتی عزیز ہے تو اس پیغام کے جواب میں ولی عہد جلال الدین اکبر کو مادر ماہم انگہ کے ساتھ یہاں بھیج دو۔ ہمارے حکم کی

تعمیل کرو گے تو تمہاری سزا کم سے کم ہوگی۔

بے شک۔ تم جان کی امان چاہو گے۔ لیکن ایک ہی شرط پر امان ملے گی کہ کابل چھوڑ کر کہیں بھی چلے جاؤ۔ ہم تمہارا تعاقب نہیں کریں گے۔

ہمارے حکم کی فوراً تعمیل کی جائے۔ شہزادہ اکبر اور مادر ماہم انگہ کو پورے حفاظتی انتظامات کے ساتھ یہاں روانہ کیا جائے۔ اس سلسلے میں تاخیر کرو گے تو نقصان اٹھاؤ گے۔

فقط فرماں روائے قلمرو افغانستان نصیر الدین ہمایوں۔ ولد ظہیر الدین بابر مرحوم....''

وہ تینوں ماں بیٹے ہمایوں کا یہ فرمان پڑھ کر آپس میں مشورے کرنے لگے۔ کامران مرزا نے کہا۔ ''ہم اتنی آسانی سے اکبر کو اس کے حوالے نہیں کریں گے۔ یہ سب سے اہم مہرہ ہے۔ اگر ہاتھ سے نکل گیا تو ہم بالکل خالی' کھوکھلے اور کمزور ہو جائیں گے۔''

عسکری نے کہا۔ ''ہمیں اپنے خاص امراء اور لشکر کے اعلیٰ عہدے داروں کا ایک وفد برادر بادشاہ کے پاس بھیجنا چاہئے۔ یہ لوگ اپنی آنکھوں سے اس کے لشکر کو دیکھیں گے اور وہاں کی ایک ایک خبر ہم تک پہنچائیں گے۔ تب ہمیں صحیح صورت حال معلوم ہوگی۔''

گل رخ بیگم نے کہا۔ ''ہمایوں کے فرمان کا جواب لکھا جائے اور اس کے ساتھ ماہم انگہ کا لکھا ہوا خط بھی بھیجا جائے۔ اس طرح ہمایوں کو ایک ذرا تسلی ہوگی کہ اس کا بیٹا یہاں خیر خیریت سے ہے۔''

کامران مرزا کا وفد اس کا جواب لے کر ہمایوں کے سامنے حاضر ہو گیا۔ اس نے لکھا تھا۔

''برادر بادشاہ کا اقبال بلند ہو۔ ہمیں یقین تھا' آپ خوش بخت ہیں۔ پھر سے فوجی طور پر مستحکم ہو جائیں گے۔ ہمارا ایک وفد پیش خدمت ہے۔ آپ سے گذارش ہے کہ انہیں آزادی سے حالات کا جائزہ لینے دیں۔ چھوٹے بھائیوں کی حیثیت سے ہمارا اور عسکری کا سر آپ کے آگے جھکا ہوا ہے۔ حالات کا جائزہ لینے کے بعد ہم گھٹنے بھی ٹیک دیں گے۔

آپ کا شہزادہ ولی عہد جلال الدین اکبر اور معزز مادر ماہم انگہ یہاں بخیریت ہیں۔ بہت ہی عیش و آرام سے ہیں۔ ان کا ایک خط روانہ کیا جا رہا ہے۔ اسے پڑھ کر آپ کو

اپنے صاحبزادے کی سلامتی کا یقین ہو جائے گا۔

آخر میں ہم عسکری مرزا کا اور اپنی آکم مادر کی جاں بخشی چاہیں گے اور کابل کے تخت سے دستبردار ہونا پسند نہیں کریں گے۔ کیونکہ فردوس مکانی (بابر) نے ہمیں کابل تفویض کیا تھا۔ آپ حضرت بابا مرحوم کے فیصلوں کا احترام کرتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں کابل چھوڑنے پر مجبور نہیں کریں گے۔

فقط۔ آپ کی فرمانبرداری اور تابعداری کے متمنی۔ کامران مرزا اور عسکری مرزا۔''

ہمایوں نے وہ مراسلہ پڑھ کر حکم دیا کہ پورے وفد کی میزبانی کی جائے اور انہیں لشکر کا معائنہ کرایا جائے۔ پھر اس نے جواباً لکھا۔ ''تم نے ہمارے حکم کی فوراً تعمیل نہیں کی۔ جلال الدین اکبر اور مادر ماہم انگہ کو ہمارے حوالے نہیں کیا۔ اس حکم عدولی نے تمہاری سزا میں اضافہ کیا ہے۔

ہم نے مادر ماہم انگہ کا خط پڑھا ہے۔ انہوں یہ واضح طور پر لکھا ہے کہ تمہارے دباؤ میں آئے بغیر وہ آزادی سے یہ سب کچھ لکھ رہی ہیں۔ ہمیں یقین دلا رہی ہیں کہ وہ ہمارے شہزادے اکبر کے ساتھ صحیح سلامت ہیں اور وہاں نہایت عزت واحترام سے رہتی ہیں۔

افسوس صد افسوس۔ ہم کیسے یقین کر لیں کہ ہمارا بیٹا اور مادر ماہم انگہ عزت و احترام سے وہاں رہتے ہیں؟ جبکہ ماضی میں تم نے انتہائی کمینگی اور کم ظرفی کا ثبوت دیا ہے۔ ہماری مرحوم آکم مادر اور ہمشیرہ گلبدن بیگم کو قیدی بنا کر رکھا تھا۔ ان سے بہت برا سلوک کیا تھا۔ ہمیں پورا یقین ہے کہ مادر ماہم انگہ نے تمہارے دباؤ میں رہ کر ہمیں جھوٹی تسلیاں دینے کے لئے یہ خط لکھا ہے۔

سیدھی سی بات ہے' اگر تم نے واقعی ہمارے بیٹے کو خیر خیریت سے رکھا ہے۔ اس کی بہتری چاہتے ہو تو فوراً اسے ہمارے پاس روانہ کر دو۔ تمہاری سچائی اور اعلیٰ ظرفی اسی طرح ثابت ہوگی۔ اگر اس بار ہمارے حکم کی تعمیل نہ کی گئی تو سمجھ لو کہ تمہارا برا انجام بہت قریب ہے۔''

کامران مرزا کا وفد وہ خط لے کر وہاں پہنچا۔ ان امراء نے اور فوجی عہدیداروں نے بیان دیا۔ ''ہمایوں کے لشکر میں پچیس ہزار سپاہی ہیں۔ ہندال کے مزید چھ ہزار سپاہی

ان میں شامل ہو گئے ہیں۔ ان کے سپاہی آپ دونوں بھائیوں کے لشکر کی مجموعی تعداد سے زیادہ ہیں اور سب ہی بندوقچی ہیں۔

ایک امیر نے کہا۔ ''ہم نے انہیں چاند ماری میں نشانہ بازی کی مشقیں کرتے دیکھا ہے۔''

دوسرے نے کہا۔ ''ہمایوں کے لشکر میں چھوٹی بڑی بارہ توپیں ہیں۔ پچاس ہزار سے زیادہ بندوقیں ہیں اور گولہ بارود کا اتنا بڑا ذخیرہ ہم نے اپنی زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھا۔''

بڑی تشویشناک اطلاع پہنچائی جا رہی تھی۔ وہ دونوں سوتیلے کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ہمایوں اتنی بڑی فوجی قوت حاصل کرلے گا پھر اس نے جو حکم نامہ بھیجا تھا' اسے پڑھ کر یقین ہوتا تھا کہ اب وہ پہلے والا نرم دل بادشاہ نہیں رہا ہے۔ گردشِ حالات کی سختیوں نے اس کے تیور بدل دیئے ہیں۔

اس نے آگے لکھا تھا۔ ''اعلیٰ حضرت فردوسِ مکانی نے تمہیں کابل تفویض کیا تھا اور ہمیں پورا ہندوستان دیا تھا۔ تمہاری عداوتوں اور سازشوں کے باعث ہم ہندوستان ہار گئے۔ تم نے ایسی کمینگی کا مظاہرہ کرتے وقت اعلیٰ حضرت فردوسِ مکانی کے فیصلے کا احترام نہیں کیا۔ بھائی کو بھائی نہیں سمجھا۔ ایک ہی لہو کو پانی کردیا تو پھر ہم بھی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کریں گے۔ کابل تمہارے پاس نہیں رہے گا۔

اسے ہمارا آخری حکم نامہ سمجھو۔ ہم صرف دو دنوں تک اپنے بیٹے اور مادر ماہم انگہ کی واپسی کا انتظار کریں گے۔ اگر تم نے انہیں بحفاظت روانہ نہ کیا تو تیسرے دن ہمارا لشکر یہاں سے چل پڑے گا۔''

یہ بہت بڑی دھمکی تھی۔ آخری حکم نامہ تھا۔ حکم کی تعمیل نہ کی جاتی تو تیسرے دن وہاں سے لشکر چل پڑتا اور چوتھے یا پانچویں دن یہاں پہنچ جاتا۔ جنگ لازمی ہوجاتی۔

تمام امراء سے' سپہ سالار سے اور لشکر کے اعلیٰ عہدے داروں سے مشورے ہونے لگے۔ جو عہدیدار اپنی آنکھوں سے ہمایوں کا لشکر دیکھ کر آئے تھے۔ وہ صاف کہہ رہے تھے کہ جنگ نہیں ہونی چاہئے۔

ایک نے کہا۔ ''ان کے پاس بندوقیں بہت زیادہ ہیں۔ ہمارے سپاہیوں کے

آگے بڑھتے ہی وہ دور سے انہیں اپنا نشانہ بنائیں گے۔ ہمارا ہر سپاہی تیر اور تلوار چلانے سے پہلے ہی مرتا رہے گا۔''

کامران مرزا نے سپہ سالار کو دیکھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ کامران اپنے بھائی ہمایوں کے سامنے جھکنا نہیں چاہتا ہے۔ اس بھاری لشکر والے بادشاہ کو کمزور بنانے کے لئے اس کے بیٹے کو یرغمال بنایا گیا ہے۔

سپہ سالار نے کہا۔ ''ہم ایسے کمزور بھی نہیں ہیں۔ ہمارے لشکر میں دس ہزار بندوقچی ہیں۔''

کامران مرزا نے کہا۔ ''آج رات تک مزید دس ہزار بندوقیں یہاں پہنچ جائیں گی۔ پہلے تو ہماری کوشش یہی ہوگی کہ جنگ نہ ہو۔ برادر بادشاہ اپنے ولی عہد اکبر کی خاطر ہمارے سامنے گھٹنے ٹیک دے۔ ہمیں یقین ہے' وہ اپنے بیٹے کی لاش یہاں سے لے جانا نہیں چاہے گا۔''

عسکری نے کہا۔ ''برادر! وہ اختری سے ہونے والا ایک بیٹا ہار چکا ہے۔ دوسرے بیٹے کی بھی پرواہ نہیں کرے گا۔ تب کیا کیا جائے گا؟''

وہ بولا۔ ''تب جنگ ہوگی۔ ہم اس کے سامنے گھٹنے نہیں ٹیکیں گے۔ یہ اچھی طرح جانتے ہیں' وہ ہم دونوں کو زندہ نہیں چھوڑے گا اور ہم کبھی کابل نہیں چھوڑیں گے۔''

امراء نے مخالفت کی۔ انہوں نے کہا۔ ''ہم یہ خطرہ مول لینا نہیں چاہیں گے۔ اگر آپ جنگ لڑتے ہیں تو ضرور لڑیں۔ ہم اپنے شمالی علاقوں میں جا رہے ہیں۔ جب آپ کو فتح نصیب ہوگی تو خدمت کے لئے حاضر ہو جائیں گے۔''

وہ امراء اجلاس سے اٹھ کر چلے گئے۔ لشکر کے کتنے ہی عہدے دار جنگ کے خلاف تھے۔ لیکن وہ کامران مرزا اور سپہ سالار کے سامنے کھل کر ان کی مخالفت نہیں کرسکتے تھے۔ یہی حال عسکری مرزا کا تھا۔ وہ اندر سے سہا ہوا تھا۔ جنگ لڑنے کے حق میں نہیں تھا۔ لیکن بڑے بھائی کے سامنے مصلحتاً خاموش تھا۔

کامران نے اپنی والدہ گل رخ بیگم اور دوسری بیگمات کو ثمرقند کی طرف روانہ کردیا۔ گل رخ بیگم بیٹوں کو چھوڑ کر جانا نہیں چاہتی تھی۔

کامران مرزا نے کہا۔" آپ ہماری فکر نہ کریں۔ ہم جلد ہی آپ کو فتح مند ہونے کی خوشخبری سنائیں گے۔ برادر بادشاہ جنگ چھیڑنے کے بعد پچھتائے گا۔ کیونکہ بیٹا یہاں قلعے کے اندر ہے۔ وہ ہم پر شدت سے جوابی حملے نہیں کر سکے گا۔"

دوسری طرف حمیدہ بانو' دلدار بیگم اور گلبدن بیگم جنگ کے خلاف تھیں۔ ہمایوں کو منع کر رہی تھیں کہ لشکر کشی نہ کی جائے۔ شہزادہ اکبر قلعے میں ہے۔ اسے نقصان پہنچے گا۔

ہمایوں نے کہا۔" وہ بد بخت ظالم اور درندہ ہے۔ خون کے رشتوں کا بھی لحاظ نہیں کرتا۔ اس نے ہماری آکم مادر اور ہمشیرہ گلبدن بیگم کو قیدی بنا کر رکھا۔ آکم مادر اس کی قید میں بیمار پڑ گئیں۔ پھر صحت یاب نہ ہو سکیں۔ اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ کیا یہ یقین کیا جا سکتا ہے کہ اس بد بخت نے ہمارے بیٹے اکبر کو زندہ چھوڑا ہوگا؟ مادر ماہم انگہ بھی وہاں زندہ ہیں یا نہیں یہ کون جانتا ہے؟"

حمیدہ بانو نے کہا۔" وہ زندہ ہیں۔ تب ہی تو انہوں نے آپ کے نام خط لکھا ہے۔ یہ یقین دلایا ہے کہ ہمارا بیٹا خیریت سے ہے۔"

"تم کامران مرزا کی چال بازیوں کو نہیں سمجھتی ہو۔ اس نے جبراً مادر ماہم انگہ سے یہ خط لکھوایا ہے اور پتہ نہیں کتنے عرصے پہلے لکھوایا ہوگا؟ اس کے بعد انہیں زندہ بھی چھوڑا ہے یا نہیں..... ہم کیسے یقین کریں؟"

حمیدہ بانو نے کہا۔" کامران مرزا سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ اکبر اور مادر ماہم انگہ کو دور ہی سے پیش کرے۔ تب آپ انہیں دیکھ لیں گے۔ اطمینان ہو جائے گا تو پھر جنگ نہیں کریں گے۔ اپنے لخت جگر کو ہر قیمت پر اور ہر شرط پر واپس لائیں گے۔"

"ہم وعدہ کرتے ہیں' اس کی جو بھی قابل قبول شرائط ہوں گی۔ انہیں تسلیم کیا جائے گا۔"

"ہم کچھ نہیں جانتے۔ شرائط قابل قبول نہ ہوں' تب بھی آپ تسلیم کریں اور ہمارے بیٹے کو لائیں۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہو؟ اگر وہ ہماری یا تمہاری جان مانگے گا تو کیا ہم اس کی ایسی شرط مان جائیں گے؟"

"خدا نہ کرے' آپ کو جان دینی پڑے۔ وہ ہماری جان مانگے تو بے شک ہمیں پیش کر دیں۔ لیکن ہمارے بیٹے کو واپس لے آئیں۔"

"ایک بچے کی جان بچانے کے لئے صدقہ دے سکتے ہیں۔ جانوروں کی قربانیاں کر سکتے ہیں۔ لیکن کسی انسان کو قربان نہیں کریں گے۔ خاطر جمع رکھو اور دعا کرو کہ بیٹا زندہ سلامت ملے۔ ہم کسی نہ کسی طرح اسے واپس ضرور لائیں گے۔"

دو دن گزر گئے۔ کامران نے حکم کی تعمیل نہیں کی۔ شہزادہ اکبر کو واپس نہیں کیا۔ پانچویں روز ہمایوں کا لشکر کابل کے قلعے کے سامنے ایک کوس کے فاصلے پر آ کر ٹھہر گیا۔ تمام توپوں کا رخ قلعے کے مختلف حصوں کی طرف کر دیا گیا۔ کامران کی فوج کا ایک بڑا حصہ قلعے کے باہر تھا۔ باقی سپاہی اندر تھے۔

کامران نے عسکری سے کہا۔" ہم قلعے میں رہ کر اکبر کو فصیل پر بٹھائیں گے۔ تا کہ وہ توپوں سے گولہ باری نہ کر سکے۔"

عسکری مرزا بڑے بھائی کے حکم سے مجبور ہو کر قلعے سے باہر اپنے لشکر کے ساتھ تھا۔ یہ اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ بڑا بھائی خود غرض اور مکار ہے۔ خود کو محفوظ رکھنے کے لئے قلعے کے اندر بیٹھا ہوا ہے۔ اور ان سب کو باہر بھیج کر قربانی کے بکرے بنا رہا ہے۔

ہمایوں نے اپنے قاصد کے ذریعے پیغام بھیجا۔" شہزادہ اکبر اور مادر ماہم انگہ کو ہمارے سامنے پیش کیا جائے۔ تا کہ ہمیں ان کی سلامتی کا یقین ہو۔ اگر تمہارے پاس ذرا سی بھی عقل ہے تو ہماری بات مان لو اور انہیں ہمارے پاس بھیج دو۔ ہم اپنا فیصلہ بدل رہے ہیں اور وعدہ کرتے ہیں' کابل تمہارے لئے چھوڑ دیں گے۔ بیٹے کو لے کر یہاں سے چلے جائیں گے۔"

کامران مرزا نے جواباً شہزادہ اکبر اور ماہم انگہ کو فصیل پر لا کر کھڑا کر دیا۔ ہمایوں نے شمس الدین خان سے کہا۔" تم گھوڑا دوڑاتے ہوئے جاؤ اور دیکھو... کیا تمہاری زوجہ ہمارے بیٹے کے ساتھ ہے یا وہ کوئی فریب دے رہا ہے؟"

شمس الدین خان گھوڑا دوڑاتا ہوا قلعے کے سامنے کھڑے ہوئے لشکر کے پاس آیا۔ پھر سر اٹھا کر فصیل کی طرف دیکھنے لگا۔ ان کے درمیان کافی فاصلہ تھا۔ پھر بھی اس نے

اپنی زوجہ کو پہچان لیا۔ وہاں سے چیختے ہوئے کہا۔ ''ماہم بیگم! تم پر خدا کی سلامتی ہو۔ تمہارے ساتھ جو بچہ ہے' وہ اس عرصے میں تین برس کا ہو چکا ہے۔ ہم اسے پہچاننے سے قاصر ہیں۔ تصدیق کرو کہ وہ شہزادہ اکبر ہے۔''

ماہم انگہ نے چیختے ہوئے کہا۔ ''میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتی ہوں' اس وقت میرے سائے میں شہزادہ اکبر ہے۔ یہاں سے کوئی فریب نہیں دیا جا رہا ہے۔''

شمس الدین نے واپس آ کر ہمایوں سے کہا۔ ''خدا کا شکر ہے' شہزادہ اکبر اور ہماری زوجہ زندہ سلامت ہیں۔''

ایسے وقت کامران کے قاصد نے ایک خط لا کر پیش کیا۔ اس نے لکھا تھا۔ ''برادر بادشاہ کا اقبال بلند ہو۔ یہ سن کر خوشی ہوئی کہ آپ نے اپنا فیصلہ بدل لیا ہے۔ کابل ہمارے لئے چھوڑ رہے ہیں۔ دیکھا جائے تو اب کوئی مسئلہ نہیں رہا۔ ہماری عداوتیں ختم ہو جائیں گی۔ لیکن بیٹے کو یہاں سے لے جانے کے بعد آپ زبان سے پھر سکتے ہیں۔ ہوسِ حکمرانی سے مجبور ہو کر ہم پر لشکر کشی کر سکتے ہیں۔

لہٰذا اس بات کی ضمانت ہونی چاہئے کہ آئندہ آپ ہمارے خلاف کبھی جنگ نہیں لڑیں گے اور بھول کر بھی کابل کا رخ نہیں کریں گے۔ ہماری یہ بہت آسان سی شرط ہے۔ آپ ہندال کو اپنا حقیقی بھائی اور اس کی والدہ محترمہ کو اپنی حقیقی والدہ تسلیم کرتے ہیں۔ اگر بیٹا عزیز ہے تو آپ ہندال اور اس کی والدہ کو ضمانت کے طور پر یہاں بھیج دیں۔ ہم انہیں عزت واحترام سے رکھیں گے اور شہزادہ اکبر کو آپ کے حوالے کر دیں گے۔''

ہمایوں نے غصے سے لکھا۔ ''تم بہت ہی کم ظرف ہو۔ ایک بیٹا دے کر ہماری ماں اور بھائی کو یرغمال بنانا چاہتے ہو۔ ہم آخری بار سمجھاتے ہیں' اگر مسلمان ہو تو ایک خدا اور آخری رسولؐ کو مانتے ہوئے ہماری قسموں کا اعتبار کرو۔ ہم کلام پاک ہاتھوں پر رکھ کر قسم کھائیں گے کہ کبھی کابل کا رخ نہیں کریں گے۔ کبھی پلٹ کر حملہ نہیں کریں گے۔''

قاصد وہ خط لے کر گیا۔ پھر اس کا جواب نہیں آیا۔ کامران مرزا اپنے ہاتھوں میں ہمایوں کی کوئی نہ کوئی کمزوری رکھنا چاہتا تھا۔ آخر جنگ شروع ہو گئی۔ ہمایوں نے حکم دیا۔ ''جہاں ماہم انگہ ہمارے بیٹے کے ساتھ ہیں۔ ادھر گولے نہ داغے جائیں۔ دوسری

طرف توپوں کا منہ کھول دیا جائے۔''

توپوں نے گولہ باری شروع کی تو باہر کھڑی ہوئی فوج تتر بتر ہونے لگی۔ عسکری مرزا پہلے ہی بڑے بھائی سے بددل تھا اور ہمایوں سے خوفزدہ.... وہ اپنا لشکر لے کر گھوڑے دوڑاتا ہوا دوسری طرف فرار ہو گیا۔ ان حالات میں کامران کا لشکر وہاں کب ٹھہرنے والا تھا۔ اس کے سپاہی بھی راہ فرار اختیار کرنے لگے۔

کامران کو اطلاع ملی کہ باہر لشکر منتشر ہو چکا ہے۔ سپاہی میدان چھوڑ کر بھاگ رہے ہیں۔ عسکری مرزا بھی وہاں سے فرار ہو گیا ہے۔ اس نے ماہم انگہ سے کہا۔ ''اکبر کو گود میں لے کر جہاں کہا جائے' وہاں جاؤ۔ فصیل کے جس حصے میں پہنچنے کا حکم دیا جائے' وہاں پہنچتی رہو۔''

اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اکبر کو اور ماہم انگہ کو نشانے پر رکھا جائے۔ یہ حکم کی تعمیل نہ کرے تو اکبر کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔

پھر اس نے ہمایوں کے نام پیغام بھیجا۔ ''آپ جدھر گولہ باری کریں گے' ماہم انگہ اور اکبر اسی رخ پر موجود رہیں گے۔ آئندہ گولہ باری کرنے سے پہلے قلعے کی فصیل کو دیکھیں اور اندازہ کریں کہ آپ کا لختِ جگر اس دودھ پلانے والی کے ساتھ کہاں ہو سکتا ہے؟ بیٹے کی جان کو داؤ پر لگا کر یہ آنکھ مچولی کھیل سکتے ہیں تو شروع ہو جائیں۔''

ماہم انگہ بے حد پریشان تھی۔ سوچ رہی تھی کہ اس ظالم سے کس طرح نجات حاصل کرے؟ جب بھی گولہ باری ہوتی تھی تو وہ اکبر کو بازوؤں میں دبوچ کر اپنی پشت ادھر کر لیتی تھی' جدھر سے توپیں دندناتی رہتی تھیں۔ اکبر کے لئے اس کی ممتا' اس کا جذبہ یہ تھا کہ پہلے وہ نشانے پر آئے اس کے بعد خدا نہ کرے شہزادے کو جانی نقصان پہنچے۔

روحی صبا اسی فصیل پر دور کھڑا بڑی بے بسی سے ماہم انگہ اور شہزادے کو دیکھ رہا تھا۔ دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہا تھا کہ انہیں کوئی نقصان نہ پہنچے۔

باہر توپیں خاموش ہو گئی تھیں۔ ہمایوں کے توپچی یہ اندازہ نہیں کر سکتے تھے کہ شہزادے کو اور ماہم انگہ کو فصیل کے کس حصے میں نشانے پر رکھا گیا ہے؟ وہ لشکر بندوقوں سے بارود کا دھواں اڑاتا ہوا قلعے کے بالکل قریب آ گیا تھا۔ ان کے سپاہی اس کے مضبوط

دروازے کو توڑنے کی کوششیں کر رہے تھے۔

کامران نے بندوق بردار سپاہیوں سے کہا۔ ”ہمیں یہاں سے فرار ہونا پڑے گا۔ اس سے پہلے اکبر اور اس کی دایہ کو ہمارے سامنے موت کے گھاٹ اتار دو۔“

روحی صبا ہائے ہائے کرتا ہوا۔ سینہ پیٹتا ہوا اکبر اور ماہم انگہ کے پاس آیا۔ پھر اکبر سے لپٹ کر بولا۔ ”پہلے مجھے مار ڈالو۔ میں مر جاؤں گی مگر شہزادے کی موت نہیں دیکھوں گی۔“

اکبر کو ایک طرف سے روحی صبا نے اور دوسری طرف سے ماہم انگہ نے اپنے اپنے وجود سے چھپا لیا تھا۔ ماہم انگہ ایک ظالم سے رحم کی بھیک نہیں مانگ رہی تھی۔ کلام پاک کی آیتیں پڑھ رہی تھی۔ صرف اپنے رب کو یاد کر رہی تھی۔ اس سے رحم کی بھیک مانگ رہی تھی۔

کامران مرزا نے گرجتے ہوئے سپاہیوں سے پوچھا۔ ”کیا تم لوگوں نے ہمارا حکم نہیں سنا؟ ان تینوں کو موت کے گھاٹ اتار دو۔“

تمام سپاہیوں نے بڑی خاموشی سے کامران مرزا کو دیکھا۔ پھر ان کی گردنیں جھک گئیں۔ اس کے بعد ان کی بندوقیں بھی نیچی ہو گئیں۔ سپاہیوں کے داروغہ نے کہا۔ ”ہم معافی کے خواستگار ہیں۔ آپ کے بعد یہاں ہمایوں بادشاہ کے رحم و کرم پر رہیں گے۔ ابھی شہزادے کو سلامتی دیں گے تو ہمیں بھی سلامتی ملے گی۔ اگر انہیں ذرا سا بھی نقصان پہنچا تو ہم سب حرام کی موت مارے جائیں گے۔“

کامران مرزا نے بڑی حیرانی سے پیچھے ہٹتے ہوئے اپنے سپاہیوں کو دیکھا۔ داروغہ نے کہا۔ ”آپ ہمارے درمیان رہیں اور وعدہ کریں، یہاں سے فرار نہیں ہوں گے تو ہم آپ کے ساتھ جینے مرنے کو تیار ہیں۔“

کامران مرزا وہاں سے پلٹ کر بھاگتا ہوا۔ قلعے کے مختلف حصوں سے گزرتا ہوا ایک چور دروازے کے پاس آیا پھر اسے کھول کر سیڑھیوں سے اترتا ہوا ایک سرنگ کے راستے فرار ہونے لگا۔ اسے اپنی موت نظر آ رہی تھی۔ فرار کا یہی ایک راستہ رہ گیا تھا۔

نیچے قلعے کے اندر سپاہیوں نے جان کی امان چاہی اور وہاں کے مضبوط دروازے کو اندر سے کھول دیا۔ اپنے اپنے ہتھیار پھینک کر گھٹنے ٹیک دیئے۔ سپہ سالار نے

سپاہیوں کو حکم دیا کہ ہتھیار ڈالنے والوں کی جانیں نہ لی جائیں۔ فی الحال انہیں قیدی بنا کر رکھا جائے۔ ماہم انگہ اور روحی صبا شہزادہ اکبر کو لے کر سیڑھیاں اترتے ہوئے نچلے حصے میں آ گئے۔ ہمایوں تقریباً تین برس بعد اپنے بیٹے کو دیکھ رہا تھا۔ اسے سینے سے بھینچ کر پیار کرتے ہوئے ماہم انگہ سے بولا۔ ”آپ عمر کے لحاظ سے ہماری ہمشیرہ ہیں۔ لیکن ہم آپ کو مادر کہتے ہیں۔ ہم نے دیکھا ہے، آپ نے توپوں کے رخ پر ہمارے بیٹے کو تنہا نہیں چھوڑا تھا۔ ہم آپ کی محبت کو، ممتا کو اور عظمت کو سلام کرتے ہیں۔“

وہ بولی۔ ”جہاں پناہ! شرمندہ نہ کریں۔ بندی نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ میری کوشش ہوگی کہ آئندہ بھی فرائض میں کبھی کوئی کوتاہی نہ کروں۔ آپ سب سے پہلے اس ظالم کامران مرزا کے پیچھے سپاہی دوڑائیں۔ وہ یقیناً قلعے کے چور دروازے سے فرار ہوا ہوگا۔“

شمس الدین خان نے کہا۔ ”ہمارے کئی سپاہی اس چور دروازے سے سرنگ کی طرف گئے ہیں۔ امید ہے، وہ فرار ہونے والا گرفتار ہو جائے گا۔“

ہمایوں نے ماہم انگہ اور شمس الدین خان کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”آپ دونوں میاں بیوی نے ہمارے شہزادے کی خاطر ایک طویل عرصے تک جدائی برداشت کی ہے۔ آپ یہاں محل میں آرام سے وقت گزاریں۔ اکبر کچھ وقت ہمارے پاس رہے گا۔ ہمارے لخت جگر کو دودھ پلانے کی خاطر آپ نے اپنے بیٹے ادہم خان کو دوسری دایہ کے حوالے کر دیا تھا۔ اب اسے بھی یہاں بلائیں۔“

پھر اس نے قاصد کے ذریعے حمیدہ بانو اور دلدار بیگم کو یہ خوشخبری سنائی کہ کابل کا قلعہ فتح ہو گیا ہے۔ شہزادہ اکبر اور ماہم انگہ بخیریت ہیں۔ وہ سب یہاں چلے آئیں۔

ماہم انگہ نے کہا۔ ”میں نے وہ خط کامران مرزا کے دباؤ میں آ کر نہیں لکھا تھا۔ یہ درست ہے، اس نے مجھے اور شہزادہ اکبر کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائی۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسے شہزادے سے محبت تھی۔ دراصل وہ آپ سے بہت زیادہ خوفزدہ تھا۔ وہ، اس کی والدہ اور اس کا بھائی عسکری سب ہی چاہتے تھے کہ اکبر کو زیادہ سے زیادہ آرام پہنچایا جائے اور محبتیں دی جائیں تاکہ ان سب کے لئے معافی کا دروازہ کھلا رہے۔“

ہمایوں نے کہا۔ ”کامران بہت ہی بد بخت ہے۔ اسے معافی مل سکتی تھی۔ لیکن

اس کی عاقبت نااندیشی اسے سزا کا مستحق بنا چکی ہے۔"

روحی صبا کو یہ سن کر دکھ ہوا کہ بادشاہ ہمایوں کے دل میں اب بھی کامران مرزا کے لئے نرم گوشہ ہے۔ اگر وہ ہتھیار ڈال دیتا تو شائد اسے معافی مل جاتی۔ جبکہ اس کا جرم نا قابل معافی تھا۔

اس نے ماہم انگہ کو ایک فریادی کی طرح دیکھا۔ وہ اختری کے معاملے میں روحی صبا کے جذبات کو خوب سمجھتی تھی۔ اس نے کہا۔ "کامران مرزا کے جرائم اس قدر ہیں کہ وہ ہمارے شہزادے کو واپس کر دیتا اور ہتھیار ڈال دیتا۔ تب بھی اسے معاف کرنا.... گویا شیطان کو زندہ رکھنے کے مترادف ہوتا۔"

اس نے کہا۔ "ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ اس نے کیسے کیسے جرم کئے ہیں اور کن لوگوں پر مظالم ڈھائے ہیں؟"

ماہم انگہ نے کہا۔ "سب سے زیادہ مظلوم آپ کی منکوحہ اختری تھی۔"

ہمایوں اختری کا نام سن کر چونک گیا۔ پھر بولا۔ "وہ مظلوم کیسے ہو سکتی ہے؟ وہ تو کامران مرزا کی مہمانِ خاص بنی ہوئی تھی؟"

وہ بولی۔ "جہاں پناہ! اتنا ہی جانتے ہیں جتنا کہ گلبدن بیگم نے بتایا ہے۔ آپ غور فرمائیں' گلبدن بیگم آپ کی مرحومہ آکم مادر کے ساتھ ایک چار دیواری میں قید تھیں۔ باہر کے حالات نہیں جانتی تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اختری کامران مرزا اور ان کی والدہ گل رخ بیگم کے زیر اثر آ گئی تھی۔ آپ کو یہ سن کر صدمہ ہوگا کہ کامران مرزا نے بہت ہی کمینگی اور کم ظرفی کا ثبوت دیا تھا اور اس بے چاری کی عزت پر ہاتھ ڈالا تھا۔"

یہ سن کر ہمایوں کے ذہن کو ایک جھٹکا سا پہنچا۔ وہ حیرانی سے ماہم انگہ کی باتیں سننے لگا۔ وہ بول رہی تھی' یہ سن رہا تھا اور چشم تصور سے اختری کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے سامنے اختری کشمکش میں مبتلا تھی۔ اپنی بے آبروئی کو مشتہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس لئے اس نے بادشاہ ہمایوں سے جھوٹ کہا تھا اور اپنی پارسائی کا ڈھونگ رچایا تھا۔

ماہم انگہ بول رہی تھی اور وہ دیکھ رہا تھا۔ اختری کا ضمیر ملامت کر رہا تھا۔ وہ اپنے ہمایوں کو دھوکہ نہیں دینا چاہتی تھی۔ بیگمات کو قیدی کی حالت میں نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ اس

نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ وہ لوگ اس کے ہونے بیٹے کو خالص ہمایوں کا بیٹا بنا کر ایک پریشان حال بادشاہ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔

ہمایوں چشم تصور سے اختری کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنے پھولے ہوئے پیٹ پر خنجر کی نوک رکھ لی تھی اور بیگمات کی رہائی کا مطالبہ کر رہی تھی۔ وہ ہونے والا بچہ گل رخ بیگم اور کامران کے لئے بہت اہم تھا۔ مگر وہ اسے ضائع کر دینا چاہتی تھی۔

ان ظالموں نے مجبور ہو کر اس کا مطالبہ مان لیا اور بیگمات کو وہاں سے رہا کر دیا۔ ان کی رہائی کے بعد اختری سے خنجر چھین لیا گیا اور اس پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے گئے۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ بچے کو زندہ نہیں رکھے گی۔ آئندہ ہمایوں کو کوئی دھوکہ نہیں کھانے دے گی۔ یہ فیصلہ کر کے اس نے زہر کی گولیاں نگل لیں اور اپنے ساتھ پیدا ہونے والے بچے کو بھی مار ڈالا۔

ماہم انگہ پوری تفصیل سے اس کی پوری روداد سنا رہی تھی اور ہمایوں جیسے آنکھوں کے سامنے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے مٹھیاں بھینچتے ہوئے کہا۔ "بے شک۔ وہ بدبخت قابل معافی نہیں ہے۔ ہم اسے ایسی عبرتناک سزا دیں گے کہ دنیا دیکھے گی۔ ہمیں اختری کے لئے افسوس ہے۔ اگرچہ اس نے ہم سے جھوٹ کہا۔ دھوکہ دیا۔ لیکن پھر اس جھوٹ اور فریب کی تلافی بھی کی۔ ہمیں سوتیلے بھائیوں کی مکاریوں سے بچانے کے لئے اپنی اور اپنے بیٹے کی قربانی دی۔ ہم خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتے ہیں۔ اس کی قربانی کو رائیگاں نہیں جانے دیں گے۔ وہ آبرو کا لٹیرا اور بدکار ضرور کیفر کردار کو پہنچے گا۔"

کامران مرزا کے تعاقب میں جانے والے سپاہی شام کو واپس آئے۔ انہوں نے بیان دیا کہ سرنگ کے اس پار ایک اصطبل بنا ہوا ہے۔ لیکن کامران مرزا نے وہاں کے تمام گھوڑوں کو بھگا دیا تھا۔ تا کہ ہم اس کا تعاقب نہ کر سکیں۔ ہمیں افسوس ہے' وہ ہمارے ہاتھ نہ آ سکا۔

ہمایوں نے کہا۔ "خدا نے چاہا تو وہ ہمیشہ ذلت کی زندگی گزارے گا۔ آخر ہم سے کب تک چھپتا اور بھاگتا پھرے گا؟ کبھی نہ کبھی، کہیں نہ کہیں ہماری گرفت میں ضرور آئے گا۔"

روحی صبا نے دل ہی دل میں کہا۔ ”خدا کرے ایسا ہی ہو۔ جب تک وہ گرفت میں نہ آئے' جب تک اسے سزا نہ ملے۔ اسے موت نہ آئے۔ بس میری یہی ایک آخری خواہش ہے۔“

حمیدہ بانو' دلدار بیگم اور گلبدن بیگم دوسرے ہی دن کابل پہنچ گئیں۔ انہوں نے شہزادہ اکبر کو باری باری سینے سے لگایا۔ خوب پیار کیا۔ دلدار بیگم نے کہا۔ ”ہم اپنے پوتے کی سلامتی اور واپسی کی خوشی میں خوب جشن منائیں گے۔“

گلبدن بیگم نے کہا۔ ”اور ایک دن نہیں۔ کئی دنوں تک جشن منایا جائے گا۔“

ہمایوں نے حکم دیا۔ ”ہمارے شہزادے کے لئے ایک سونے کا چھوٹا سا شاہی تخت بنایا جائے۔ اس میں ہیرے جواہرات جڑے جائیں اور ہیرے جواہرات سے مرصع ایک چھوٹا سا تاج بھی تیار کیا جائے۔ کل ہمارے ننھے ولی عہد کو تخت پر بٹھایا جائے گا اور اس کی تاج پوشی ہوگی۔“

تمام بیگمات خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھیں۔ حمیدہ بانو بار بار اپنے بیٹے کو اٹھا کر سینے سے لگا کر چومتی تھی۔ خوشی کے مارے رونے لگتی تھی۔

ہمایوں نے خزانے کا منہ کھول دیا۔ غریبوں اور محتاجوں میں اشرفیاں لٹاتا رہا۔ جگہ جگہ ناچ گانے اور کھیل تماشے ہوتے رہے۔ ہمایوں کو گردش حالات سے نکلنے کے بعد پہلی بار اتنی بڑی خوشی نصیب ہو رہی تھی۔ وہ خوشیاں بھی منا رہا تھا اور برسوں کی تھکن بھی اتار رہا تھا۔

شاہی دربار میں تین برس کے اکبر کو لایا گیا۔ ہمایوں نے امراء اور اراکین دربار سے کہا۔ ”ہمارا شہزادہ جلال الدین اکبر ابھی بادشاہت کے لائق نہیں ہے۔ لیکن یہ خیال دل میں آیا کہ اس کی جوانی اور تخت نشینی تک خدا جانے ہم اس دنیا میں رہیں یا نہ رہیں۔ تو پھر کیوں نہ آج ہی اپنی آنکھوں سے اسے تخت نشین ہوتے اور تاج پہنتے دیکھ لیں۔“

ایک امیر نے کہا۔ ”خدا آپ کو طویل عمر دے۔ آپ کا سایہ ہمیشہ ہمارے سروں پر سلامت رہے۔ ایک ننھے ولی عہد کی تخت نشینی اور تاج پوشی بالکل نئی اور انوکھی بات ہے۔ ہم سب پورے جوش و خروش سے جہاں پناہ کی مسرتوں میں شریک ہونے آئے ہیں۔“

دربار کے ایک طرف باریک پردے کے پیچھے بیگمات بیٹھی ہوئی تھیں۔ ننھے جلال الدین اکبر کو ننھے سے شاہی تخت پر بٹھایا گیا۔ اس کے سر پر ایک ننھا سا جگمگاتا ہوا تاج رکھا گیا۔ سب ہی مبارک سلامت کہنے لگے۔ پھر سب نے جلال الدین اکبر کی طویل عمر کے لئے دعائیں مانگیں۔ تخت نشینی اور تاج پوشی کے سلسلے میں خوب دل کھول کر جشن منایا گیا۔ پھر کئی دنوں یہ سلسلہ جاری رہا۔

اس کی اگلی منزل ہندوستان تھی۔ وہ فردوس مکانی (بابر) کی قائم کردہ سلطنت کو کھو دینے کے بعد بے چین رہتا تھا۔ پھر وہاں اپنے باپ کی بخشی ہوئی سلطنت کو حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس مقصد کے لئے وہ اپنے لشکر کے ایرانی سپاہیوں کو نئے سرے سے تربیت دے رہا تھا۔ انہیں ہندوستان کی آب و ہوا اور وہاں کے لوگوں کے مزاج کے متعلق تفصیل سے بتایا جا رہا تھا اور انہیں ہندوستان کی زمین پر لڑنے کی تربیت بھی دی جا رہی تھی۔ چھ ماہ بعد ۱۵۵۰ عیسوی میں اس نے ایک مکمل اور منظم لشکر کے ساتھ ہندوستان پر حملہ کیا پھر ایک کے بعد ایک فتوحات حاصل کرتا چلا گیا۔

شاہی نجومیوں نے پیشگوئی کی تھی کہ اس سال وہ گردش سے نکل آئے گا۔ پھر کامیابی اور کامرانی اس کا مقدر بنتی چلی جائے گی اور یہی ہو رہا تھا۔ وہ پشاور' جہلم' لاہور سے آگے بڑھتا ہوا آگرہ اور دہلی تک پہنچ گیا۔ وہاں اپنے قدم جماتے ہی اور اپنی حکومت قائم کرتے ہی اس نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ بہت بڑی بازی ہارنے کے بعد بڑی صعوبتیں اٹھانے کے بعد یہ کامیابی نصیب ہوئی تھی۔

اس نے ثابت کر دیا تھا کہ وہ کمزور اور نااہل حکمران نہیں ہے۔ اس کے باپ نے ہندوستان میں مغل سلطنت کی جو بنیاد ڈالی تھی۔ اب وہ اس بنیاد کو مضبوط کرنے والا تھا۔

انہی دنوں کامران مرزا دریائے سندھ پار کر کے وہاں کے ایک سلطان آدم گکھر کے پاس آیا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ ہمایوں کی طرح صحرا صحرا بھٹکتا رہے گا اور فوجی قوت حاصل کرتا رہے گا تو اسے بھی کھویا ہوا وقار حاصل ہو سکے گا۔

تقدیر اس کی بدلتی ہے۔ جس کی نیت اچھی ہوتی ہے۔ اس کی نیت میں فتور تھا۔ آدم گکھر نے اسے پکڑ کر آہنی سلاخوں کے پیچھے ڈال دیا۔ پھر ہمایوں کو اطلاع دی۔

"آپ کا دیرینہ دشمن، وہ سوتیلا بھائی ہماری قید میں ہے۔ آپ ہمارے شہنشاہ ہیں۔ ہم آپ کے غلام۔ فیصلہ کریں، اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟"

یہ اطلاع ملتے ہی ہمایوں وہاں جانے کے لئے تیار ہوگیا۔ ماہم انگہ نے دست بستہ عرض کیا۔ "آپ سے ایک گذارش ہے۔"

"آپ ہماری مادر ہیں۔ ہمشیرہ ہیں۔ گذارش نہ کریں۔ اپنی خواہش، اپنی ضرورت بیان کریں۔"

اس نے کہا۔ "روحی صبا نے اختری کی دن رات خدمت کی ہے۔ اس کا بڑا خیال رکھتی تھی۔ آج بھی اس کے لئے روتی رہتی ہے۔ اس کی آخری خواہش ہے کہ کامران مرزا کو جو سزا دی جائے، وہ اسے آنکھوں سے دیکھے۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو اپنے لشکر کے ساتھ روحی صبا کو بھی لے جائیں۔"

وہ ماہم انگہ کی کوئی بات نہیں ٹالتا تھا۔ روحی صبا کو ساتھ لے گیا۔ جب وہاں پہنچا تو آدم گھکھر نے اپنے لشکر کے ساتھ بڑی گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا۔ اس کے لئے پُر تکلف دعوت کا اہتمام کیا گیا۔ جب دسترخوان پر انواع واقسام کے کھانے چنے گئے تو کامران مرزا کو زنجیروں سے باندھ کر اس کے سامنے پیش کیا گیا۔ وہ گھٹنے ٹیک کر ہاتھ جوڑ کر رحم کی بھیک مانگنے لگا۔

ہمایوں نے کہا۔ "تمہارے جرائم اور گناہوں کی فہرست اتنی طویل ہے کہ شائد خدا معاف کردے۔ لیکن بندہ معاف نہیں کرے گا۔"

وہ گڑگڑاتے ہوئے بولا۔ "آپ بابا حضور فردوس مکانی (بابر) کی نصیحتوں پر عمل کرتے ہیں۔ انہوں نے خاص طور پر کہا تھا کہ اپنے بھائیوں کا خون کبھی نہ بہانا۔ ہم ان کی نصیحتیں یاد دلا کر جان کی امان چاہتے ہیں۔"

ہمایوں اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔ روحی صبا ہاتھ باندھے ایک طرف کھڑا تھا۔ دل ہی دل میں کہہ رہا تھا۔ "یا خدا!! اسے جان کی امان نہ ملے۔"

ہمایوں نے کامران مرزا کو شدید نفرت سے دیکھا۔ پھر کہا۔ "بے شک۔ ہم بابا فردوس مکانی کی نصیحت پر عمل کریں گے۔ تمہیں سزائے موت نہیں دیں گے۔"

پھر اس نے داروغہ کو حکم دیا۔ "اسے لے جاؤ اور اس کی دونوں آنکھیں پھوڑ ڈالو۔"

روحی صبا نے دست بستہ عرض کیا۔ "حضور جہاں پناہ! میں اپنی آخری خواہش کی تکمیل چاہتی ہوں۔"

ہمایوں نے داروغہ سے کہا۔ "روحی صبا کو ساتھ لے جاؤ۔ یہ وہاں کا منظر دیکھے گی اور ماتم کرے گی۔ پھر یہ جو کہے اس پر عمل کیا جائے۔"

کامران مرزا رحم کی بھیک مانگ رہا تھا۔ سپاہی اسے وہاں سے گھسیٹ کر لے جانے لگے۔ ہمایوں نے سیلابچی میں ہاتھ دھوئے۔ پھر اپنے میزبان کے ساتھ کھانے لگا۔

کامران مرزا کو عقوبت خانے میں پہنچا کر زمین پر گرایا گیا۔ دونوں ہاتھ پاؤں باندھ دیئے گئے۔ پھر اس کی دونوں آنکھوں میں نشتر چبھوئے گئے۔ وہ تکلیف کی شدت سے چیخ رہا تھا اور رحم کی بھیک مانگ رہا تھا۔

روحی صبا ایک طرف کھڑا چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ "کامران مرزا....! اب تو دیکھ نہیں سکتا۔ میری آواز سے مجھے پہچان سکتا ہے۔ سُن.... میں وہی درمیان والا ہوں۔ جس کے پاس نہ اسلحہ ہے، نہ طاقت ہے، نہ زر ہے، نہ زور ہے۔ پھر بھی میں نے گھر کا بھیدی بن کر تجھے اس مقام پر پہنچا دیا ہے۔"

جلادوں نے اسے اندھا کرنے کے بعد اس کی آنکھوں پر نمک چھڑک دیا۔ یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ تکلیف کی شدت کا کیا عالم ہوگا؟ وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہا تھا۔ روحی صبا نے اپنے ایک کان پر ہاتھ رکھتے ہوئے ایک الاپ لگاتے ہوئے گانا شروع کیا۔

"نہ زر ہے میرے پاس، نہ ہی زور ہے۔
یہ اِک درمیاں والی بہت کمزور ہے۔
کیا ہوا کہ بیچ والی بن گئی؟
میں نے بدلہ لے لیا۔
جب دل میں میرے ٹھن گئی۔

پھر روحی صبا نے تالی بجاتے ہوئے سپاہیوں سے کہا۔ "میرے ساتھ، ہاں جی، کہو۔"

پھر وہ بولی۔ "میں بیچاری نہ بیچارہ۔"

سپاہیوں نے تالیاں بجا کر کہا۔ ''ہاں جی۔''
''دشمن کو میں نے مارا۔''
سپاہیوں نے کہا۔ ''ہاں جی۔''
''پھر اختری نے پکارا۔''
''ہاں جی۔''
روحی صبا کامران مرزا کے چاروں طرف ناچتے ہوئے گانے لگا۔
''جیو میرے خواجہ سرا
میری ڈوری کا آدھا سرا
کبھی یہاں گرا۔ کبھی وہاں گرا
پھر بھی میرا رہا۔
جگ جگ جیو میرے خواجہ سرا.....''
وہ اندھا سوتیلا تکلیف کی شدت سے بے ہوش ہو چکا تھا۔

(ختم شد)

تاریخی پس منظر کے مآخذ

تاریخ ہندوستان: شمس العلماء مولوی ذکا اللہ
خلاصہ التواریخ: سبحان رائے بٹالوی
اے سروے آف انڈیا: کے۔ایم پنیکر
فرہنگِ آصفیہ: مولوی سید احمد دہلوی
دختران ہند: پروفیسر مولانا علم الدین سالک

☆☆☆